

خلق کو وہ فیض بخشا علم سے بس کیا کہوں
علم کا دریا بہایا اے امام احمد رضا

مجموعہ

رسائل عالی حضرت

رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

جلد اول

تصنیف لطیف

امام اہل سنت مجدد عالم دین و ملت
اعلمیہ علیہ الرحمۃ و العالیہ السلام
احمد رضا خاں قاضی کبیر

مترجم

مفت جسٹس سید شجاعت علی قادری

اولسی
بکٹ سیٹھال
0333-8173630

مجموعہ

رسائل عالی حضرت

رحمۃ اللہ علیہ

جلد اول

جلد دوم



تصنیف لطیف

امام اہل سنت مجدد عالم دین و ملت
اعلیٰ حضرت علامہ مولانا محمد رضا خاں
فاضل دیوبند

مترتب

مفتی جسٹس سید شجعت علی قادری

اولیٰ بی بک سیٹال بان محمد رضا شجعت سید

پنپاننگ الوئی کو جراثوالہ 0333-8173630

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ————— مجموعہ رسائل اعلیٰ حضرت جلد اول جلد دوم

از قلم ————— امام اہل سنت مجدد دین و ملت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند

مرتب ————— مفتی جسٹس سید شجعت علی قادری

پروف ریڈنگ ————— محمد نعیم اللہ خاں قادری (بی ایس سی۔ بی ایڈ ایم اے اردو)

تعداد ————— 800

صفحات ————— 568

ہدیہ ————— 440

- صراط مستقیم پبلی کیشنز ○ کتب خانہ امام احمد رضا
- مکتبہ قادریہ ○ مسلم کتابوی ○ کرمانوالہ بک شاپ
- مکتبہ بہار شریعت قادریہ دربار مارکیٹ لاہور
- شبیر برادرز ○ نظامیہ کتاب گھر اردو بازار لاہور
- مکتبہ احسانت، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
- شمس و قمر ہال ٹکٹ لاہور ○ مکتبہ غوثیہ
- مکتبہ رضائے مصطفیٰ ○ مکتبہ قادریہ میلاد چوک گوجرانوالہ
- مکتبہ الفرقان ○ مکتبہ غوثیہ ○ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- مکتبہ ضیاء السنہ ملتان ○ فیضان سنت بزرگ ٹیک ملتان
- مہریہ کاظمیہ نور ملتان ○ مکتبہ فریدیہ ساہیوال
- مکتبہ اہلسنت غازیوالہ ○ احمد بکے کارپوریشن راولپنڈی
- جلالیہ صراط مستقیم گجرات ○ رضا بکے شاپ گجرات
- مکتبہ ضیائیہ ○ مکتبہ غوثیہ عطاریہ کیمٹی چوک راولپنڈی
- اسلامک بک کارپوریشن کیمٹی چوک ○ امام احمد رضا کیری روڈ راولپنڈی
- مکتبہ امینیہ عطاریہ امین پور بازار فیصل آباد ○ نوریہ رضویہ فیصل آباد
- مکتبہ سلطانیہ ○ مکتبہ صبح نور محمد پورہ فیصل آباد

علیٰ حضرت

مزارِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اندرونی منظر



دُآل دی قلب میر عظمت مصطفیٰ ﷺ
سیدای اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام





برکات و مہنت و لڑنے
صالحات و عبادت
پر
تجربہ و عمل
تجربہ و عمل



فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	عرض ناشر	7
2	عرض مرتب	9
3	تحریک تجدید عشق رسول ﷺ	10
4	پیدائش کے وقت کے حالات	10
5	عشق مصطفیٰ ﷺ کی اہمیت	15
6	اعلیٰ حضرت کی تحریک	19
7	عرض مرتب	27
8	مجموعہ رسائل (جلد اول)	28
9	صلاة الصفاء فی نور مصطفیٰ ﷺ اس رسالے میں حضور ﷺ کے نور ہونے کی تشریح	29
10	تقدیم	30
11	شمول الاسلام لا صول الرسول الکرام حضور ﷺ کے والدین اور آباؤ اجداد کے مومن ہونے کا بیان	71
12	تقدیم	72
13	استفتا	73
14	فتویٰ	73

115	کتب ماخذ	15
116	اِنْبَاءُ الْمُصْطَفٰی بِحَالِ سِرِّ وَاَ اَخْفٰی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کا بیان	16
117	تقدیم	17
151	کتب ماخذ	18
152	اَنوَارِ الْاِنْبِیَّاهِ فِی حِلِّ نِدَاءِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا اور آپ سے مدد طلب کرنا جائز ہے	19
153	تقدیم	20
180	کتب ماخذ	21
181	نَفْیُ الْفَقْرِ عَمَّنْ اَنَارَ بِنُوْرِهِ کُلُّ شَیْءٍ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا بیان	22
182	تقدیم	23
206	قصیدہ نور	24
208	کتب ماخذ	25
209	مُنْبِیَہُ الْمُنِیْبَہِ بِوَصُوْلِ الْحَبِیْبِ اِلَی الْعَرْشِ وَالرُّوْیَہِ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے اور دیدار الہی سے بے قید جہت و مکان مستفید ہوئے۔	26
210	تقدیم	27
232	کتب ماخذ	28

233	نہج السَّالِقہ فی حکم تقبیل الایَّامین فی الاقامہ اذان و اقامت میں انگوٹھے چومنے کا بیان	29
234	تقدیم	30
266	کتب ماخذ	31
267	قمر التمام فی نفی الظلّ عن سید الانام حضور علیؑ کے بعض خصائص کا تذکرہ اور سایہ نہ ہونے کا ذکر	32
268	تقدیم	33
296	کتب ماخذ	34
297	(جلد دوم) رسالہ بدر الانوار بزرگان دین کے تبرکات کا اسلام میں کیا مقام ہے	35
298	تقدیم	36
300	فصل اول	37
310	فصل دوم	38
321	فصل سوم	39
325	فصل چہارم	40
334	فصل پنجم	41
340	اَیَّانُ الْاَرْوَاحِ لِیَدَّیْهِمْ بَعْدَ الرِّوَاحِ مؤمنین کی روہیں اپنے گھروں میں آتی ہیں	42
341	تقدیم	43

354	بَرَكَاتُ الْإِمْدَادِ لِأَهْلِ الْإِسْتِمْدَادِ خدا کے بندگانِ خاص سے مدد طلب کرنا	44
355	تقدیم	45
356	برکات الامداد لاهل الاستمداد	46
379	اقوال علماء	47
405	أَبْرُ الْمَقَالِ علماء کرام و اولیاء عظام کے تبرکات اور آستانوں کو بوسہ دینے کا بیان	48
406	تقدیم	49
443	الْحُجَّةُ الْفَائِزَةُ دن معین کر کے مردے کی فاتحہ اور اس کو ایصالِ ثواب جائز ہے	50
444	تقدیم	51
488	احکام قبورِ مؤمنین	52
489	تقدیم	53
490	شیخ نجدی نے روضہ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا	54
491	شیخ نجدی نے شہداء و صحابہ کرام کے مزار توڑے	55
493	اہل سنت کے نزدیک انبیاء و شہداء و اولیاء اپنے ابدان مع	56
493	اکفان کے زندہ ہیں	57
498	نامناسب افعال کرنے سے امواتِ مسلمین کو ایذا ہوتی ہے	58
508	وصل اول	59

530	وصل دوم (فتوائے اولیٰ)	60
533	فتوائے ثانیہ	61
534	نقل استفتاء	62
535	جواب اہالی مدرسہ جامع العلوم	63
535	خلاصہ جواب جناب مولوی احمد حسن صاحب	64
539	جواب مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ	65
541	گنگوہی صاحب کا بے محل شقشعہ	66
543	وقف میں تبدیل حرام ہے اور گنگوہی صاحب کی سفاہت!	67
544	وقف کرنے کے لئے مالک ہونا شرط ہے	68
544	شے ایک بار وقف ہو کر، دوبارہ وقف نہیں کر سکتی	69
546	زمین وقف میں کوئی عمارت دوسری غرض کیلئے وقف نہیں ہو سکتی	70
548	گنگوہی صاحب کی سخت نا فہمی	71
549	گنگوہی صاحب پر گرفت	72

☆☆☆☆☆

عرض ناشر (طبع اول)

علمی اور دینی کتب کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں میرا مطمح نظر بلکہ نصب العین یہی ہے کہ انہیں امرکافی طور پر بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس معاملے میں میری کوششوں کے مثبت نتائج سے شائقین کتب اچھی طرح واقف ہیں، علاوہ بریں اعلیٰ اور معیاری کتب کی قیمت کم رکھنے کا تعلق کاروباری مسابقت و مصلحت سے قطع نظر میری اس نیت سے ہے جس کا اجر صرف نیتوں کا حال جاننے والا ہی عطا فرما سکتا ہے۔

بزرگان دین، علمائے کرام اور ملت مسلمہ کے رجال محترم کی گرانقدر تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ، ملک میں کاغذ کی وقتی اور ہنگامی کمی کے باوجود جاری ہے اور منجملہ کتب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان افروز، رسائل کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے، جس کا پہلا دو حصے پیش خدمت ہے اور مزید دو حصے کتابت و طباعت کے مراحل میں ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اور جامع الصفات شخصیت تعریف و تعارف سے مستغنی ہے، البتہ ”رسائل اعلیٰ حضرت“ کے بارے میں چند باتیں کہنی ضروری ہیں۔ یہ رسائل سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق بعض مسائل کی توضیح و تلوغ سے تعلق رکھتے ہیں اور لاکھوں مسلمان ان سے نور بصیرت حاصل کر چکے ہیں، تاہم بیشتر رسائل نہایت قدیم ہیں۔

رسائل اعلیٰ حضرت کی ترتیب و تدوین اور اکثر مقامات پر عربی و

فارسی عبارتوں کے تراجم نیز ضروری تصریحات ، حضرت مفتی جسٹس سید شجاعت علی صاحب قادری کی کاوش اور سخی جمیل کا نتیجہ ہیں، میں اس سلسلے میں مفتی صاحب کا سپاس گزار ہوں۔

آخر میں قارئین سے متمس ہوں کہ اگر میری جانب سے ہر قسم کی احتیاط کے باوجود کتاب میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس کی نشان دہی فرما کر شکرگزاری کا موقع دیں۔

یہ نایاب تحفہ آپ تک پہنچانے میں ہمارے ملتان کے دوست حضرت مولانا سعید احمد کبریٰ کی شفقت شامل ہے۔ لہذا قارئین انہیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

شیخ محمد سرور اویسی

(گوجرانوالہ) 0333-8173630

عرض مرتب

اعلیٰ حضرت کے رسائل کو یکجا کرنے کا جو سلسلہ جاری کیا گیا ہے، اس میں یہ بات خاص طور پر مد نظر رکھی جاتی ہے کہ مجموعے کے تمام رسائل ایک ہی موضوع کی مختلف حیثیات سے متعلق ہوں، کیونکہ مجموعے کا مقصد چند رسائل کو یکجا کر کے جلد باندھ دینا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والا ایک ہی موضوع سے متعلق تمام مواد یکجا پڑھ لے، اور اس کو سلسلہ کی کڑیاں ملانے میں دقت محسوس نہ ہو، اس کا یہ مقصد بھی نہیں ہے کہ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت کے کل رشحاتِ قلم یہی ہیں۔

مجموعے کی ضخامت میں اعتدال کی وجہ سے زیر نظر رسائل پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس مجموعے کا موضوع ”بزرگانِ دین کی ذواتِ قدسیہ“ ہیں۔ عرس، فاتحہ استمداد، تبرکات وغیرہ تمام امور کا تعلق، حضراتِ اولیاءِ کرام قدس سرہم سے ظاہر ہے۔

نوٹ: جہاں میں نے از خود تراجم کئے ہیں، وہاں ”م“ لکھ دیا ہے، جو مرتب کی طرف اشارہ ہے۔

مفتی سید شجاعت علی قادری

نوٹ: اس ایڈیشن میں میں نے جتنی الامکان کوشش کی ہے کہ تمام رسائل کے حوالہ جات لگا دیئے جائیں اور کافی حد تک اعراب کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اللہ عزوجل میری اس سعی کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے۔

محمد نعیم اللہ خاں قادری

بی ایس سی، بی ایڈ، ایم (اُردو، پنجابی، تاریخ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روحِ ایمان، مغزِ قرآن، جانِ دین

ہست حبِ رحمۃ للعالمین

(اقبال)

تحریک تجدیدِ عشقِ رسول ﷺ

امتِ مسلمہ کا مقدر ہے کہ جب کبھی ضلالت و غوایت کی تاریک گھٹائیں اس پر مسلط ہو جاتی ہیں تو اللہ کی جانب سے ان تاریکیوں میں اُجالے پھیلانے والے نفوسِ قدسیہ وارد ہوتے ہیں۔ یہ حضرات ”مجدد“ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (از ۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) اسی سلسلے کے فردِ منفرد تھے۔

پیدائش کے وقت کے حالات

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ امتِ مسلمہ کے لئے ایسے وقت میں فرشتہٴ نجات بن کر ظاہر ہوئی جبکہ امتِ مسلمہ کا سفینہٴ بیچ منجدھار میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ آپ کی خدمت کی وقعت و اہمیت اس وقت آشکار ہوگی جب اس ماحول پر نگاہ ڈالیں جس میں آپ نے کام کیا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ انگریزوں نے سرزمینِ ہند میں قدم رکھتے ہی ایسی تدابیر اختیار کر لیں شروع کر دیں جن کے ذریعے وہ اس سرزمین پر اپنی سلطنت کو بقائے دوام دے سکے۔ اس نے مختلف سازشی جال بچھائے۔ اسے ہندوؤں سے چنداں خطرہ نہ تھا۔ اسے ڈر تھا تو مسلمانوں سے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ان سب کو اگر تہ تیغ کیا

جائے تو یہ دُور از کار ہے اس لئے اس نے سوچا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کی گردن پر افتراق کی تلوار چلاؤ، جو اس امتِ مسلمہ کو (جو محبت میں ایک جسم کی طرح ہے) خود اپنی موت مرنے پر مجبور کر دے، یعنی خواہ ان کے جسم باقی رہ جائیں مگر ان میں سے روح نکل جائے اس لئے اس نے ایک طویل المیعاد خطرناک منصوبہ بنایا اور وہ منصوبہ یہ تھا کہ امتِ مسلمہ کے قلوب سے ”عشقِ رسول“ کے جذبے کو نکال دیا جائے۔ تو پھر یہ کھوکھلے صنوبری جسم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان میں جو ولولہ، جوش اور امنگ ہے عشقِ رسول ہی کی وجہ سے ہے، اس قوم کا بھرم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

در دل مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

(اقبال)

اگر اس قوم کو قوی موت مارنا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے عشقِ رسول کے جذبے کو چھین لیا جائے۔

تا شعاعِ مصطفیٰ از دست رفت

قوم را رمز بقا از دست رفت

لیکن عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بسیط چیز نہیں، یہ ایک مسلسل

نظام ہے، اس کا ایک جامع فلسفہ ہے اور اس کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہ ایک

نو بہارِ درخت ہے۔ اس کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر اس کی

بہاروں کو لوٹنا ہے تو اس کی جڑوں پر تیشہ زنی ضروری ہے۔ صحابہ، اہلبیت،

تابعین، آئمہ، مجتہدین، علماء ربانین اور اولیائے کاملین سے عشق و محبت یہ

سب جڑیں ہیں اس شجرِ مقدسہ کی، پھر اس کی کچھ علامات ہیں، کچھ مظاہر

ہیں۔ بزرگانِ دین اور ان سے متعلقہ چیزوں کی تعظیم کرنا، ان کے اقوال و افعال کی اتباع کرنا، سب اسی ایک محبت کے جلوے ہیں۔ انگریز نے سوچا، جب تک اس پورے نظام کو ملیا میٹ نہ کیا جائے اس وقت تک کامیابی کی اُمید نہیں۔ انگریز سمجھتے تھے کہ ہم نے اگر مسلمانوں سے کہا کہ ”رسول“ تم ہی جیسا ایک آدمی تھا تو کون سنے گا، اس لئے اس نے ان ہی میں سے چند لوگ تلاش کئے جو ”ذیاب فی ثياب“ کا مصداق تھے۔ یہ درست ہے امتِ مسلمہ کی اکثریت نہ تو کبھی غلط راہ چلی ہے اور نہ انشاء اللہ چلے گی لیکن چند لوگوں کا ضمیر فروش بن جانا ہر قوم کی بد قسمتی میں شامل ہے۔

سرزمینِ ہند پر بھی ایسے ہی لوگ تیار کئے گئے۔ اگر ان لوگوں کی سازشی تحریکات کا حال بیان کیا جائے تو اس کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں، لیکن یہاں اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہمارے قارئین کو اپنے قدیم مطالعے کے سامنے کچھ بے چینی ہوگی لیکن تحقیق و جستجو کا دروازہ بند نہیں۔ یہ کوئی ہزار دو ہزار سال پرانی تاریخ نہیں، کہ اصلیت کا پتہ لگانا مشکل ہو۔ یہ ایک ڈیڑھ سو سال کی بات ہے انگریزوں اور ان کے کاسہ لیسوں نے جس طرح اپنے ایجنٹوں کو متعارف کرایا ہے، اس کا لازمی نتیجہ امتِ مسلمہ کی بے خبری میں ہی نکلتا تھا۔

انگریزوں نے جھوٹے مجاہد، نیچری، جھوٹے پیغمبر، خارجی، دہری اور نہ معلوم کون کون سے ادارے قائم کر دیئے۔

ابن عبد الوہاب نجدی:

کون ہے جو ابن عبد الوہاب نجدی کے عقائد سے ناواقف ہو۔ انگریز

نے اس کے عقائد کو مسلمانوں کے تباہ کرنے کے لئے بہت مفید سمجھا۔ اس کے عقائد کی فہرست بہت طویل ہے۔ درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں تو پتہ چلے گا کہ انگریزوں کے کتنے کام کی چیز تھی۔

إِنَّا نُرِي عَامَّةَ مُؤْمِنِي هَذَا الزَّمَانِ مُشْرِكًا (کتاب التوحید)

ترجمہ: بے شک ہم اس زمانے میں عام مومنین کو مشرک سمجھتے ہیں۔“ پھر مشرک ہونے کی وجہ لکھی جاتی ہے:

فَوَاحِدٌ يَعْبُدُ النَّبِيَّ وَ مُتَّبِعِيهِ حَيْثُ يَعْتَقِدُهُمْ شُفَعَاؤُهُ و

أَوْلِيَاءُ، وَ هَذَا أَقْبَحُ أَنْوَاعِ الشِّرْكِ (کتاب التوحید ص ۶۴)

ترجمہ: تو کوئی نبی اور ان کے قبعین کی عبادت کرتا ہے کہ ان کو وہ اپنا سفارشی..... اور ولی سمجھتا ہے اور یہ چیز شرک کی بدترین قسم ہے۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبعین کو شفیع ماننا شرک ہے، حالانکہ حدیث شریف صحیح سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی، اور پھر دوسرے حضرات کی شفاعت کا بھی ذکر ہے:

آیت الکرسی میں بھی شفاعت کا اللہ کے نیک بندوں کے لئے، ثبوت ہے، رہا نبی اور نیک لوگوں کو خدا کا ولی ماننا تو یہ قرآن سے صراحۃً ثابت ہے۔

انگریزوں کو مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کے لئے ایسی ہی کلہاڑی درکار تھی۔ انگریزوں نے اس کو چلانے کے لئے ہندوستان میں کئی

انجینئر تلاش کئے، ایک صاحب نے یہ مشین اس طرح چلائی:
 ”جو مسلمان کسی نبی یا ولی کی سچی قبر کی زیارت کے لئے دور دراز سے
 سفر کر کے جائے وہ مشرک ہے، جو مسلمان کسی نبی، ولی کی قبر پر شامیانہ کھڑا
 کرے وہ مشرک ہے۔“ (تقویت الایمان، از اسمعیل دہلوی)

پھر اس مشین کو نہایت ہوشیاری، ہونہاری اور انگریزی سے وفاداری
 کے ساتھ ان حضرات نے چلایا جنہوں نے مذکورہ لوگوں کے عقائد کو اپنایا،
 اور ان کی تائید و تصدیق کی، چنانچہ ایک صاحب رقم طراز ہیں:

”محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے
 عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج
 میں شدت تھی مگر وہ (ابن عبدالوہاب) اور ان کے مقتدی
 (وہابی) اچھے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۸)

اب ان سب لوگوں نے مل کر مسلمانوں پر یورش کر دی۔ ان کا سب
 سے پہلا نشانہ بزرگانِ دین کی عقیدت تھی، پھر سلسلہ بہ سلسلہ جناب نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی کو نہ چھوڑا۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم کی عظمت کم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، رسول کو محض اپنے جیسا
 ایک انسان، ڈاکیہ اور خطا کار قرار دیا۔ علم غیب جو رسول کو اللہ کی طرف سے
 عطا ہوتا ہے اس کا انکار کیا اور کہا کہ جو اللہ کے بتانے سے بھی رسول کے
 لئے علم غیب مانے وہ مشرک ہے۔ حالتِ نماز میں اگر رسول اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کا تصور آ جائے گا، تو یہ گائے بیل کے تصور میں مستغرق ہونے سے
 بدتر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا اور روایاتِ صحیحہ سے آپ
 کی ولادت باسعادت کا بیان کرنا کنھیا کا دن منانے کی طرح ہے۔ بزرگان

دین کے ساتھ جو تسخر کیا گیا ہے اس کو کوئی باغیرت مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ انبیاء اور اولیاء کو اللہ کے سامنے، چوڑھے چمار سے زائد ذلیل بتایا گیا ہے حالانکہ اللہ نے قرآن میں صاف ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقُّكُمْ (پ ۱۲۶ الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: بیشک تم میں سب سے زائد محترم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم سب سے زائد پرہیزگار ہو۔

خدا نخواستہ اگر اس تحریک کا مقابلہ نہ ہوتا تو مسلمان قوم بے روح و جان ہوتی مگر مجدد زمانہ حاضرہ مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام ترکوششیں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے خوابیدہ جذبے کو مسلمانوں میں بیدار کرنے کیلئے صرف کر دیں۔

عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی اہمیت

مختصراً یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی محبت اور والہانہ عقیدت کا کیا مقام ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

(۱) النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (پ ۲۱ الاحزاب: آیت ۶)

ترجمہ: نبی ﷺ مومنین سے ان کی جانوں کی نسبت بھی زائد پیارے ہیں۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان پہلی فصل)

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی ہرگز مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زائد محبوب نہ ہو

جاؤں۔

(۳) حضرت عمرؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زائد محبوب ہیں سوائے میری جان کے، تو آپؐ نے فرمایا:

لَنْ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ

تم میں سے کوئی بھی ہرگز مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زائد محبوب نہ ہو جاؤں۔

آپؐ کا یہ فرمانا تھا کہ حضرت عمرؓ کے قلب میں محبت کی یہ منزل بھی اتر آئی اور آپؐ فرمانے لگے۔

وَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَا تَرَىٰ فِيهِ مِنْ نَفْسِي

الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيَّ فَقَالَ آلَا يَا عُمَرُ (بخاری)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی، البتہ آپؐ میرے نزدیک میری اس جان سے بھی زائد عزیز ہیں، جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے، تو آپؐ نے فرمایا، اے عمرؓ (تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

(۴) حضرت علیؓ اپنی اور دیگر صحابہ کی آپؐ سے محبت کا حال فرماتے ہیں:

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ أَمْوَالِنَا وَ

أَوْلَادِنَا وَآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَلَى الظَّمَاءِ

(جواہر البحار ج ۲ ص ۳۰ (مواہب)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک ہمارے مال و دولت، اولاد، آباء و اجداد، ماؤں اور سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زائد

محبوب و پسندیدہ تھے۔

(۵) عورتوں کی آپ سے محبت:

ایک عورت کے باپ، بھائی اور شوہر جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے، لوگوں نے ان کو اطلاع دی تو وہ حضور کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔ جب لوگوں نے آپ کی خیریت بتا دی تو کہنے لگیں کہ مجھے آپ کی بارگاہ میں زیارت کو لے چلو، دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک دے کر عرض کرنے لگیں۔

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (ابن اسحق)

ترجمہ: آپ کے بعد ہر مصیبت چچ ہے۔

(۶) زید بن دثنہ کی محبت: آپ کو مشرکین مکہ نے گرفتار کر لیا تھا اور ذبح کرنے کے لئے حدودِ حرم سے باہر نکال لائے تھے۔ (ابوسفیان جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے) نے بہ غرض آزمائش آپ سے دریافت کیا، تم اس بات کو پسند کرو گے کہ ہم بجائے تمہارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن مار دیں اور تم اپنے اہل و عیال کے ساتھ مزے اڑاؤ؟ تو زید بولے:

وَاللّٰهُ مَا أَحَبُّ أَنْ مُحَمَّدًا الْآنَ فِي مَكَانِهِ الَّذِي هُوَ فِيهِ

تُصِيبُهُ شَوْكَةٌ وَإِنِّي لَجَالِسٌ فِي أَهْلِي (شفاء عیاض)

بخدا مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاں تشریف

فرما ہیں، وہاں ان کے پیر میں کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر والوں میں

بیٹھا رہوں۔

محبت کی علامت:

دعویٰ محبت تو بہت آسان ہے مگر اس کو ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت اطاعتِ محبوب ہے۔ ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی:

(۱) مَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحْبَبَنِي وَمَنْ أَحْبَبَنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ

(ترمذی)

ترجمہ: جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

قرآن صاف ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا (پ ۵ النساء آیت ۶۵)

ترجمہ: پس نہیں، قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ وہ آپ کو حکم نہ مان لیں۔ اپنے جھگڑوں میں کچھ تنگی نہ پائیں آپ کے فیصلے سے اپنے نفسوں میں اور بخوبی تسلیم کر لیں۔

سہل بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَرَوْ لَآيَتَ رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فِي
جَمِيعِ أَحْوَالِهِ وَ يَرَى نَفْسَهُ مِلْكَهُ (صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَمْ
يَذُقْ حَلَاوَتِ سُنَّتِهِ

جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت اپنے تمام احوال میں

نہ دیکھی اور اپنے آپ کو آپ کی ملک میں نہ جانا تو وہ آپ کی سنت کی مٹھاس نہ چکھے گا۔

صرف یہی نہیں بلکہ محبوب کی ہر چیز سے محبت ضروری ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مِنْ عِلَامَاتِ مُحَبَّتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَبَّةُ دِينِهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَلَدِهِ وَ مُحَبَّةُ كُلِّ شَيْءٍ يُنْسَبُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: آپ کی محبت کی علامات میں سے آپ کے دین، اولاد، اصحاب، شہر اور ہر اس چیز کی محبت ہے جو آپ سے منسوب ہو۔

اعلیٰ حضرت کی تحریک

اعلیٰ حضرت کی تحریک کا مقصد اسی جذبے کو بیدار کرنا تھا، آپ نے ان لوگوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا، جو مسلمانوں اور عشقِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں خلیج بننا چاہتے تھے۔ آپ کے قال اور آپ کے حال سے عشقِ مصطفیٰ کے دھارے بہتے تھے۔ زبان و قلم سے عشقِ مصطفیٰ کے زمزمے نکلتے تھے۔ ثبوت میں آپ کی کوئی بھی کتاب ملاحظہ کر لیجئے، اس وقت چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ غلافِ کعبہ کا ایک ٹکڑا کسی مسجد میں آویزاں ہے، لوگ اسے بوسہ دیتے ہیں اور اس پر بہت بھیڑ کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا تاریخی نام ”ابراہیم قال“ ہے۔ اس کے چند اقتباسات ہی پڑھ لیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے قلم سے عشقِ مصطفیٰ کے کیسے سوتے پھوٹتے ہیں،

فرماتے ہیں:

(۱) بوسۂ تعظیم شرعاً و عرفاً انحاء (اقسام) تعظیم سے ہے، اسی قبیل سے ہے، بوسۂ آستانہ کعبہ و بوسۂ مصحف و بوسۂ کنان و بوسۂ دست علماء و اولیاء و کل ذالک مصرح فی الکتب کا الہدرا المختار وغیرہ۔

اب اس عبارت پر غور فرمائیے وہی رجحان عشق و ادب کا فرما نظر آتا ہے۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

(۲) خود احادیث کثیرہ میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا دست و پائے اقدس حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم و مہر نبوت کو بوسہ دینا وارد (ص ۳)

صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی کس قدر اہتمام سے لیتے ہیں اور یہ کچھ اسی عبارت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آپ نے اپنی تمام تصنیفات میں اس امر کا شدت سے التزام کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف نہایت پیارے القاب سے لیتے ہیں اور یہی حال دیگر بزرگان دین کے ساتھ ہے، اس معاملے میں آپ دیوبندی، وہابی اور ندوی علماء کی طرح نہ تو وقت کی بچت کا خیال کرتے ہیں، نہ کاغذ، قلم اور دوات میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ یہی طریقہ ہمارے اسلاف کا رہا ہے، کیا کوئی کسی حدیث سے ثابت کر سکتا ہے کہ صلعم، یا صلعم یا درود کا کوئی صیغہ ہے۔ کیا قدیم کتب میں یہ مہمل نشانات ہیں۔ یہ سب بدعتیں عشق رسول کو گھٹانے کے لئے ایجاد کی گئی ہیں اور اعلیٰ حضرت نے ان بدعات کا قلع قمع کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

(۳) جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت ہے، واجب التعظیم ہے،

محدث محبت ہے، لہذا بلدہ طیبہ مدینہ سکینہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کے ور و دیوار تبرکاً من کرنا اور بوسہ دینا، اہل حب و ولا کا دستور اور کلمات آئمہ و علماء میں منظور۔“

پھر فرماتے ہیں: شعر:

أَمْرٌ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى
أَقْبَلُ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفَنَ قَلْبِي
وَلَكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

میں لیلیٰ کے شہر پر گزرتے ہوئے، کبھی تو اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں
اور کبھی اس دیوار کو، یہ شہر کی نہیں، شہر والوں کی محبت ہے۔

اعلیٰ حضرت کے پورے کلام کا محور عشق رسول ﷺ ہے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کے نعل پاک کے نقشے کے بارے میں

فرماتے ہیں۔

اس سے بھی ارفع و اعلیٰ و اوضح و اجلیٰ یہ ہے کہ طبقہ در طبقہ، شرقاً اور غرباً، عجماء، عرباء، علمائے دین و آئمہ معتمدین نعل مطہر و روضہ معطر حضور سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل السلام کے نقشے کا غدوں پر بناتے ہیں، کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں اور انہیں بوسہ دینے اور آنکھوں سے لگانے، سر پر رکھنے کا حکم فرماتے ہیں۔“

پھر آپ متعدد علمائے دین کے اقوال و اشعار نقل فرماتے ہیں، ان

میں ایک یہ ہے:

لِمَنْ قَدْ مَسَّ شَكْلُ نَعَالِ طِه
جَزِيلُ الْخَيْرِ فِي يَوْمِ الْمَآبِ
وَفِي الدُّنْيَا يَكُونُ بِخَيْرِ عَيْشٍ
وَ عِزٍّ فِي الْهِنَاءِ بَلَا أَرْتِيَابِ

”اس شخص کے لئے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشہ نعل پاک کو مس کیا، روز قیامت ثواب عظیم ملے گا اور بلاشبہ دنیا میں بہترین عظمت و خوش حالی کی زندگی گزارے گا۔

مولانا کے ہر کلام کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ عشق رسول کی دولت سے آشنا ہو جائیں۔ آپ کا منظوم کلام جس کا مجموعہ ”حداائق بخشش“ ہے عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔ یوں تو بہت لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کہی ہے لیکن بارگاہ نبوت کا جس درجہ خیال آپ نے رکھا ہے شاید ہی کسی اور کے کلام میں ہو۔

آپ کے کسی شعر پر آج تک کسی نے اعتراض کی جرأت نہ کی۔ یہ درست ہے کہ عشق حدوں کو توڑ دیتا ہے مگر عشق مصطفیٰ حدود کی پابندی سکھاتا ہے۔ جذبات مچلتے ہیں مگر حدود اللہ کو دیکھ کر واپس لوٹتے ہیں۔

اسی قسم کی طوفانی کیفیت اعلیٰ حضرت کے اس شعر میں ہے۔
پیش نظر وہ نو بہار، سجدے کو دل ہے بے قرار
روکے سر کو روکے ہاں یہی تو امتحاں ہے
یہی کیفیت عشق شاعر مشرق علامہ اقبال نے حاصل کی۔ وہ فرماتے

ہیں۔

رشتہ آئین حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدے
سجدہا برخاک او پاشیدے!

یہ علیحدہ بات ہے کہ جو مضمون علامہ اقبال نے دو اشعار میں بیان اعلیٰ حضرت نے وہ ایک ہی شعر میں بکمال حسن و خوبی سمودیا ہے۔
ایک مقام پر فرماتے ہیں:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سرکا موقع ہے او جانے والے

آپ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ دیارِ محبوب کے سامنے خاکساری کے اظہار کی کوئی صورت باقی نہ رہی، نہیں نہیں! ایسا نہیں، اعلیٰ حضرت اس سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں:

پارہ دل بھی نہ نکلا دل سے تخنے میں رضا

ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

فرید الدین عطار کو عشق رسول کی دولت ملی تو فرمانے لگے۔

بہ عمر خویش مدح کس نہ گفتم

درے از بہر دنیا من نہ سفتم

عشق نبوی کا سودا ہی کچھ ایسا ہے کہ جس کے سر میں سما جائے تخت و
طاؤس کو اس کی نگاہ میں بے حقیقت کر دے۔ امام مالک کو جب یہ نعمت ملی
تو اقتدار کو ٹھوکر مار کر کہنے لگے:

گفت مالک مصطفیٰ راجا کرم
 نیست جز سودائے او اندر سرم
 تو ہی خواہی مرا آقا شوی
 بندہ آزاد را مولا شوی
 عشق می گوید کو فرمانم پذیر
 پادشاہاں را بخدمت ہم ملیر!

یہی دولت اعلیٰ حضرت کو ملی، جب انگریز لوگوں کو خرید رہے تھے اور
 لوگ انگریز بہادر کی تعریف میں قصیدے کہہ رہے تھے، تذکرہ الرشید حصہ اول
 ص ۷۹ میں ہے کہ:

”جیسا کہ آپ حضرات (مولوی رشید احمد اور مولوی قاسم نانوتوی)
 اپنی انگریز، مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے، تازیست (زندگی بھر) خیر خواہ
 ہی ثابت رہے۔“ لیکن اعلیٰ حضرت کا تعلق اس خاندانِ فضل خق خیر آبادی
 سے تھا جس نے جزیرہ انڈمان میں گھلا دینا پسند کیا مگر انگریزوں کی غلامی
 قبول نہ کی۔ آپ نے بھی ایسا ہی بے باکانہ نعرہ لگایا۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
 میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ ناں نہیں
 یہ شعر اعلیٰ حضرت کے عقائد و نظریات کی پوری غمازی کرتا ہے۔ ان
 کے یہاں دینی اقدار پر کسی قسم کی سودے بازی جائز نہیں۔

مولانا محمد علی جوہر، شوکت علی، مولانا عبدالباری، مولانا نعیم الدین
 مراد آبادی، جن کی مساعی جیلہ سے پاکستان وجود میں آیا ان سب نے فکر و
 عمل کے لئے عشقِ رسول کے جذبے کو اعلیٰ حضرت ہی سے حاصل کیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شاعری میں بھی نبوت کی عظمتوں کا پورا خیال رکھا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت اطہر ہا پوڑی نے ایک نعت کہہ کر آپ کی خدمت میں بھیجی۔ اس میں کھجور کے ان دو درختوں کو تشبیہ دی گئی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کے سامنے تھے۔ مطلع یہ تھا۔

کب ہیں درخت روضہ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرت یہ مطلع سن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس شعر میں حضور کو لیلیٰ سے اور گنبد خضرا کو خیمہ لیلیٰ سے تشبیہ دینا درست نہیں، پھر آپ نے اصلاح فرمائی:

کب ہیں درخت روضہ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے
ایک جگہ آپ اپنے پاس ادب کا یوں ذکر فرماتے ہیں:
ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بے جا سے ہے المۃ باللہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ
ان کی دعا یہ تھی:

یا الہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

خلاصہ کلام، یہ کہ آپ نے مسلمانوں کو عشق رسول کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ آپ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا، رسول، صحابہ، تابعین، تبع

تابعین، علمائے ربانین، اولیائے کاملین سب ہی واجب الاحترام ہیں، کسی کی بارگاہ میں ادنیٰ گستاخی بھی روا نہیں، دین کا مکمل نظام ان تمام ہستیوں کی فرمودات پر قائم ہے۔ دین کے معاملے میں کسی قسم کی مداخلت درست نہیں۔ آپ نے اپنی اس تحریک کو کوئی نیا نام نہیں دیا۔ آپ اپنے آپ کو سنی حنفی کہتے تھے، چونکہ آپ بریلی شریف میں رہتے تھے اس لئے ہر شہر کی نسبت کے قاعدے سے آپ کو بھی بریلوی کہا جانے لگا، ورنہ نہ یہ کوئی فرقہ اور نہ کوئی مسلک، نہ ہی آپ نے اپنے وصایا میں کہیں لکھا کہ میرے معتقدین کو بریلوی کہا جائے۔

آج جب مغربی سامراج دم توڑ رہا ہے اور مشرقی سامراج سر اٹھا رہا ہے، پھر عشق رسول کی تمازت کو ختم کرنے کا پروگرام بن رہا ہے۔ پھر گاندھی کے مریدین پارہ نان کے عوض ناموسِ مصطفیٰ کا سودا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پیغام کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو بیدار کیا جائے، یہی ہماری نجات کا واحد راستہ ہے۔ فقط۔

ابن مسعود مفتی سید شجاعت علی قادری (ایم۔ اے)

عرض مرتب

عرصہ دراز سے یہ تمنا تھی کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیش قیمت رسائل، مجموعوں کی شکل میں شائع کئے جائیں تاکہ بوقت ضرورت تحقیق و تفتیش مسائل میں دشواری نہ ہو، پھر کتابت بھی معیاری ہو۔ رسائل کے مجموعے نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے یہ محققانہ رسائل لائبریریوں میں نہ پہنچ سکے اور عوام میں بھی کما حقہ ان کی تشہیر و ترویج نہ ہو سکی۔ علاوہ ازیں ایک مشکل یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت دورانِ تحریر کئی کئی صفحات عربی اور فارسی میں تحریر فرماتے ہیں اور اس لحاظ سے ان کا ترجمہ پیش نہیں فرماتے کہ ان کے مخاطب علماء ہیں لیکن عوام کو سمجھنے میں نہ صرف دقت ہوتی ہے بلکہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اب یہ پہلا مجموعہ آپ کے سامنے مندرجہ ذیل خصوصیات کے ساتھ آ رہا ہے:

(۱) بہترین کتابت

(۲) بہترین طباعت

(۳) اعلیٰ کاغذ

(۴) عربی و فارسی عبارات کے تراجم جمع کرتے ہوئے یہ خیال رکھا گیا ہے کہ تمام رسائل ایک ہی موضوع سے متعلق ہوں، یعنی عظمت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اہل علم اس کو پسند فرمائیں گے اور ہمت افزائی کریں گے، تاکہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے۔

فقط: ابن مسعود سید مفتی شجاعت علی قادری (ایم۔ اے)



رسالہ فی حق محمد ﷺ

جلد دوم

جلد اول

تصنیف لطیف

احمد رضا خاں

مرب

مفت محمد رفیع جعفری تیسرا شجاعت علی قادری (م۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صَلَاةُ الصَّغَاءِ فِي نُورِ الْمُصْطَفَى ●

اس سالے میں
حُضُورِ کے نور
ہونے کی تشریح ہے

تصنیف لطیف

احمد رضا خاں

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں، بشر اور نور، دونوں کہا گیا ہے۔ آپ کی بشریت کا عنوان تو ظاہر ہے حتیٰ کہ آپ کو بہ حیثیت بشر کافر بھی تسلیم کرتے تھے بلکہ یہ کہنا زائد درست ہوگا کہ کافر آپ کو بشر ہی جانتے تھے، مگر آپ کی نورانیت صرف انہی لوگوں پر عیاں ہوئی جو نورانی دل اور منور آنکھیں رکھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ط (پ ۶ المائدہ آیت ۱۵)

ترجمہ: بلاشبہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آ گئی۔

جمہور مفسرین نے نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو لیا ہے، مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی یہی مراد لی ہے۔

ایک حدیث بھی ہے کہ ”اے جابر اللہ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا گیا ہے۔“ مگر سوال یہ ہے کہ اللہ کے نور ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کا شافی جواب آپ کو اعلیٰ حضرت کے اس رسالے صلاۃ الصفاء سے ملے گا۔

مرتب

مسئلہ:

از لشکر گوالیار، محکمہ ڈاک دربار مرسلہ مولوی نور الدین احمد صاحب،

۲۸ ذی قعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ یہ مضمون کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے اور ان کے نور سے باقی مخلوقات، کس حدیث سے ثابت ہے اور وہ حدیث کس قسم کی ہے؟ بَیِّنُوا توجروا۔

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ يَا نُوْرُ يَا نُوْرَ النُّوْرِ يَا نُوْرَ قَبْلِ كُلِّ نُوْرٍ وَ
نُوْرَ بَعْدِ كُلِّ نُوْرٍ يَا مَنْ لَهُ النُّوْرُ وَبِهِ النُّوْرُ وَ مِنْهُ النُّوْرُ وَ اِلَيْهِ النُّوْرُ
وَهُوَ النُّوْرُ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰی نُوْرِكَ الْمُنِيْرِ الَّذِي خَلَقْتَهُ
مِنْ نُوْرِكَ وَ خَلَقْتَ مِنْ نُوْرِهِ الْخَلْقَ جَمِیْعًا وَ عَلٰی اَشْعَةِ اَنْوَارِهِ اِلٰهٍ
وَ اَصْحَابِهِ وَ اَقْمَارِهِ اَجْمَعِيْنَ۔ اٰمِيْنَ

امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام اجل
سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے
استاذ الاستاذ حافظ الحدیث، احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی
مصنف میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ
عنہما سے روایت کی۔

۱ بزرگ امام

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَابِي أَنْتَ وَأُمِّي أَخْبَرْنِي قَالَ يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ فَجَعَلَ ذَلِكَ النُّورَ يَدُورُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتُ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جَنِّيٌّ وَلَا إِنْسِيٌّ فَلَمَّا أَرَادَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذَلِكَ النُّورَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِي اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ حَمَلَتَهُ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِي الْكُرْسِيَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِيَ الْمَلَكَةِ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ السَّمَوَاتِ وَمِنَ الثَّانِي الْأَرْضِينَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ الْحَدِيثُ بِطَوِيلِهِ:

ترجمہ: یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی! یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے، اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا: اے جابر! بے شک، بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، نور قدرت الہی سے جہاں خدا تعالیٰ نے چاہا دورہ کرتا رہا، اس وقت لوح و قلم، جنت و دوزخ، فرشتگان، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن، آدمی، کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے فرمائے پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا، پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔

یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوة وغیرہ روایت کی اجلہ آئمہ دین مثل امام قسطلانی مواہب لدنیہ، اور امام حجر کی افضل القرنیٰ اور علامہ لہ اسی طرح۔

فاسی مطالع المسرات (ص ۲۲۱) اور علامہ زرقانی شرح مواہب (ج ۱ ص ۵۵) اور علامہ دیار بکری خمیس (ج ۱ ص ۲۲) اور شیخ محقق دہلوی، مدارج (ج ۲ ص ۲) وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل و اعتماد فرماتے ہیں۔ بالجملہ وہ تلقی امت کے منصب جلیل پائی ہوئی ہے تو بلاشبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شے عظیم ہے جس کے بعد کسی سند کی حاجت نہیں رہتی۔ بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو بھی حرج نہیں کرتی۔

كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي مُنِيرِ الْعَيْنِ فِي حُكْمِ تَقْبِيلِ الْأَبْهَامَيْنِ
لا جرم علامہ محقق، عارف باللہ، سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ
القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (ج ۲ ص ۳۷۵) میں فرماتے ہیں:
قَدْ خُلِقَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ نُورِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَمَا وَرَدَ بِهِ الْحَدِيثُ الصَّحِيحُ.
ترجمہ: یعنی، بے شک ہر چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی جیسا
کہ حدیث صحیح اس معنی میں وارد ہوئی۔
ذَكَرَهُ فِي الْمَبْحَثِ الثَّانِي بَعْدَ النُّوعِ السَّيِّئِ مِنْ أَقَاتِ

الِلِّسَانِ فِي مَسْئَلَةِ دَمِ الطَّعَامِ

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں ہے:

قَدْ قَالَ الْأَشْعَرِيُّ أَنَّهُ تَعَالَى نُوْرُ لَيْسَ كَالْأَنْوَارِ وَالرُّوْحِ
النَّبَوِيَّةِ الْقُدْسِيَّةِ لَمَعَةٌ مِنَ الْأَنْوَارِ وَالْمَلَكَةُ شَرَرٌ تَلُوكَ الْأَنْوَارِ وَ
قَالَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِيَّ وَمِنْ نُورِيَّ
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَغَيْرِهِ مِمَّا فِي مَعْنَاهُ (ص ۲۶۵، مطبوعہ نوریہ رضویہ، لاہور)

۱۔ امت کا کسی چیز کو قبول کر لینا ۱۲ ۲۔ یقیناً ۱۳

”یعنی امام اجل، امام اہل سنت سیدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ (جن کی نسبت کر کے اہل سنت کو اشاعرہ کہا جاتا ہے) ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نور ہے اور نہ نوروں کی مانند اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اسی نور کی تابش ہے اور ملائکہ ان نوروں کے ایک پھول ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔ اور اس کے سوا اور بھی حدیثیں ہیں جو اسی مضمون میں وارد ہیں۔“

وَاللّٰهُ مُبَيِّنُهَا وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

مسئلہ

از مآخذہ ضلع مراد آباد۔ مرسلہ مولوی الطاف الرحمن صاحب پبلیسٹائی

۱۳ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بعض مولود شریف میں جو نور محمدی کو نور خدا سے پیدا ہونا لکھا ہے اس میں زید کہتا ہے، بشرط صحت یہ تشابہ کے حکم میں ہے، اور عمرو کہتا ہے یہ انفکاک ذات سے ہوا ہے اور خالد کہتا ہے تشابہات میں مذہب اسلم رکھتا ہوں اور سالم کو برا نہیں جانتا اور اس میں یحون و چرا بے جا ہے۔ یسینوا توجروا۔

الجواب

عبدالرزاق نے اپنی مصنف^۱ میں حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ
ترجمہ: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔

ذَكَرَهُ، الْأَمَامُ الْقُسْطَلَانِيُّ فِي الْمَوَاهِبِ (ج ۱ ص ۵۵)

مواہب مع زرقانی وغیرہ من العلماء الکرام۔

عمرد کا قول سخت باطل و شنیع و گمراہی فطیج ہے بلکہ سخت امر کی طرف

۱ یعنی یہ نور اللہ تعالیٰ کی ذات سے جدا ہوا ہے۔ ۲ یہ ایک کتاب کا نام ہے۔

منجر ہے۔ اللہ عز وجل اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس کی ذات سے جدا ہو کر مخلوق بنے اور قول زید میں لفظ بشرط صحت یوئے انکار کر دیتا ہے، یہ جہالت ہے، بہ اجماع علماء دربارہ فضائل صحت مصطلحہ محدثین کی حاجت نہیں۔ علامہ عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے اس حدیث کی تصحیح کی تصریح کی فرمائی۔ علاوہ بریں یہ معنی قدیم و حدیثاً تصانیف و کلمات آئمہ و علماء و اولیاء و عرفاء میں مشہور و متلقی بالقبول رہے۔ یہ خود صحت حدیث کی دلیل کافی ہے۔

فَإِنَّ الْحَدِيثَ يَتَقَوَّى بِتَلْقَى الْأَيْمَةِ بِالْقُبُولِ كَمَا أَسَارَ إِلَيْهِ
الْإِمَامُ التِّرْمِذِيُّ فِي جَامِعِهِ وَ صَرَّحَ بِهِ عُلَمَاؤُنَا فِي الْأُصُولِ.

(ملا علی قاری: مرقاۃ ج ۳ ص ۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ہاں اُسے بہ اعتبارِ گنہ لے کیفیتِ تشابہات سے کہنا وجہ صحت رکھتا ہے۔ واقعی نہ رب العزت جل و علانہ اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے نور سے نورِ مطہر سید انور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر بنایا۔ نہ بے بتائے اس کی پوری حقیقت خود معلوم ہو سکتی ہے اور یہی معنی تشابہات ہیں۔

بکمر نے جو کہا وہ دفع خیال ضلالِ عمر و کے لئے کافی ہے۔ شمع سے شمع روشن ہو جاتی ہے، بے اس کے کہ اس شمع سے کوئی حصہ جدا ہو کر یہ شمع بنے۔ اس سے بہتر آفتاب اور دھوپ کی مثال ہے کہ نورِ شمس نے جس پر تجلی کی وہ روشن ہو گیا اور ذاتِ شمس کے کچھ جدا نہ ہوگا، مگر ٹھیک مثال کی وہاں مجال

نہیں، جو کہا جائے گا ہزاروں ہزار وجوہ پر ناقص و نامتتام ہوگا۔ بلاشبہ طریقِ اسلام قولِ خالد ہے اور وہی مذہبِ آئمہ سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

مسئلہ ۳

پیش نظر رہے یہ بات کہ میں کوئی عالم و فاضل نہیں ہوں کہ بحث و مباحثہ کا خیال درمیان میں آئے۔ فقط دریافت کرنے کی غرضِ فدویانہ لکھتا ہوں تاکہ میرے عقیدے میں جو کچھ غلطی ہو وہ صحیح ہو جائے۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات انسان کا یہ حال ہے کہ غلاظتِ آلودہ پیدا ہوتے ہیں، مگر خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب باتوں سے محفوظ رکھا ہے، اور تمام مخلوقات پر ان کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اگر یہ بات سچی ہے تو حدیث شریف کے معنی مجھ کو یوں معلوم ہوتے ہیں، ملاحظہ فرمائے گا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ

خَلَقَ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، اے جابر! تحقیق اللہ نے

بزرگ پیدا کیا ذاتِ نبی تیرے کو۔

مثال چراغ کی جو جناب نے فرمائی ہے، اس میں مجھ کو شک ہے۔

چاہتا ہوں کہ شک دور ہو جاوے۔ مثال۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن

ہو گیا اور دوسرے چراغ سے اور بہت سے چراغ روشن ہو گئے، پہلے اور

دوسرے میں کچھ کمی نہیں آئی۔ یہ آپ کا فرمانا صحیح اور بجا ہے لیکن یہ سب

چراغ نام اور ذاتِ روشنی میں ہم جنس ہیں یا نہیں، اور یہ سب مرتبہ برابر ہونے کا رکھتے ہیں یا نہیں۔ بینوا تو جردا۔

الجواب

نجاست سے آلودہ پیدا ہونے میں سب مخلوق شریک نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام پاک و منزہ پیدا ہوئے، بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی صاف ستھرے پیدا ہوئے۔ نور کے معنی فضل کے نہیں، مثال سمجھانے کو ہوتی ہے نہ ہر طرح برابری بتانے کو، قرآن عظیم میں نور الہی کی مثال دی: **كَمِشْكُورَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ**۔ (النور: ۳۵) کہاں چراغ اور قندیل اور کہاں نورِ ربّ جلیل۔ یہ مثال وہابیہ کے اس اعتراض کے دفع کو تھی کہ نورِ الہی سے نورِ نبوی پیدا ہوا، تو نورِ الہی کا ٹکڑا جدا ہونا لازم آیا۔ اسے بتایا گیا کہ چراغ سے چراغ روشن ہوتے ہیں، اس کا ٹکڑا کٹ کر اس میں نہیں آ جاتا۔ جب یہ فانی مجازی نور اپنے نور سے دوسرا نور روشن کر دیتا ہے، تو اس نور کا کیا کہنا، نور سے نور پیدا ہونے کو نام و روشنی میں مساوات بھی ضرور نہیں۔ چاند کا نور آفتاب کی ضیا سے ہے، پھر کہاں وہ اور کہاں یہ۔ علم ہیات میں بتایا گیا ہے کہ اگر چودھویں رات کے کامل چاند کے برابر نوے ہزار چاند ہوں، تو روشنی آفتاب تک پہنچیں گے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ ۴

از کلکتہ ۹ گووند چند دھرس لین، مرسلہ حکیم محمد ابراہیم صاحب بناری، ۱۹

ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ رسول اللہ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہیں یا نہیں؟ اگر اللہ کے نور سے پیدا ہیں تو نور ذاتی سے، یا نور صفاتی سے، یا دونوں سے، اور نور کیا چیز ہے؟

الجواب

جواب مسئلہ سے پہلے ایک اور گزارش کر لوں۔

لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ

بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ الْحَدِيث ۲ (مسلم ج ۱ ص ۷۱)

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کریم کے ساتھ جس طرح زبان سے درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَبَدًا۔

درود و سلام کی جگہ فقط صَادِ یا اَعْمَ یا صَلِّم یا صَلِّم کہنا ہرگز کافی نہیں بلکہ وہ الفاظ بے معنی ہیں اور فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ (پ البقرہ آیت ۵۹) میں داخل کہ:

ظالموں نے وہ بات جس کا انھیں حکم تھا، ایک اور لفظ سے بدل ڈالی۔

۱۔ حسی پریس کی اشاعت سابقہ میں غلطی ہے یہاں اڑا کر درود شریف بتامہ لکھ دیا جو اصل عبارت سائل کے خلاف ہے۔ اصل سوال میں یہاں صرف بنا ہے اور اسی پر حضور اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اصل مسئلے کے جواب سے پہلے تنبیہ فرمائی ہے (۲) صحیح۔

۲۔ ترجمہ تم میں سے جو شخص بھی کوئی بُرائی دیکھے تو اُسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے، (الحديث)

فَانزَلْنَاهُ عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ۝ (پ ۱ البقرہ: ۵۹)

تو ہم نے اُتارا آسمان سے ان پر عذاب، بدلہ ان کی بے حکمی کا! یوں ہی تحریر میں بھی الْقَلَمُ اِحْدَى اللِّسَانِینِ ۝^۱ بلکہ فتاویٰ تاتار خانیہ سے منقول کہ اس میں اس پر نہایت سخت حکم فرمایا، اور اسے معاذ اللہ تخفیفِ شانِ نبوت بتایا۔ طحاوی علی الدر المختار (ج ۱ ص ۶، مطبوعہ بیروت) میں ہے۔

۲ یُحَافِظُ عَلَى كِتَابَةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَسَامُ مِنْ تَكَرُّرِهِ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْأَصْلِ وَ يُصَلِّي بِلِسَانِهِ أَيْضًا وَيَكْرَهُ الرَّمْزَ بِالصَّلَاةِ وَالتَّرَضِّي بِالْكِتَابَةِ بَلْ يَكْتُبُ ذَلِكَ كُلَّهُ بِكَمَالِهِ وَفِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ عَنِ التَّاتَارِ خَانِيَةِ مَنْ كَتَبَ عَلَيْهِ السَّامُ بِالْهَمْزَةِ وَالْمِيمُ يَكْفُرُ لِأَنَّهُ تَخْفِيفٌ وَتَخْفِيفُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُفْرٌ بِلَا شَكٍّ وَلَعَلَّهُ إِنْ صَحَّ النُّقْلُ مُقَيَّدٌ بِقَصْدِهِ وَإِلَّا فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَيْسَ بِكُفْرٍ نِعَمَ الْإِحْتِيَاظُ فِي الْأَخْتِرَازِ عَنِ الْإِبْهَامِ وَالشُّبْهَةِ مُخْتَصَرًا.

۱۔ قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ ۱۲

۲ ترجمہ: درود و سلام لکھنے پر محافظت کی جائے اور اس کی تکرار سے تنگ دل نہ ہو گا اگرچہ اصل میں نہ ہو اور اپنی زبان سے بھی درود پڑھے۔ درود یا رضی اللہ عنہ کی طرف لکھنے میں اشارہ کرنا مکروہ ہے بلکہ پورا لکھنا چاہیے۔ تاتار خانیہ کے بعض مقامات پر ہے کہ جس نے علیہ السلام ہمزہ اور میم سے لکھا کافر ہو گیا کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء کی تخفیف کفر ہے، اگر یہ نقل صحیح ہے تو اس میں قصد کی قید ضرور ہوگی، ورنہ یہ ظاہر یہ کفر نہیں، ہاں احتیاط ابہام اور ش

اس کے بعد اصل مسئلے کا جواب بعون الملک الوہاب لیجئے۔ نور عرف عامہ میں ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے سے دیگر اشیائے دیدنی کو، قَالَ السَّيِّدُ فِي تَعْرِيفَاتِهِ النُّورُ كَيْفِيَّةٌ تَذَرِكُهَا الْبَاصِرَةُ أَوَّلًا وَبِوَاسِطَتِهَا الْمُبْصِرَاتِ اور حق یہ کہ نور اس سے اجلی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، یہ جو بیان ہوا تعریف الجلی بالخلی ہے کَمَانَبَةِ عَلَيْهِ فِي الْمَوَاقِفِ وَ شَرَحَهَا۔

نور بہ اس معنی ایک عرض و حادث ہے اور رب عز وجل اس سے منزہ۔ محققین کے نزدیک نور وہ کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مظہر۔

کَمَا ذَكَرَهُ الْأَمَامُ حُجَّةُ الْإِسْلَامِ الْغَزَالِي ثُمَّ الْعَلَامَةُ الزَّرْقَانِيُّ فِي شَرْحِ الْمَوَاهِبِ الشَّرِيفَةِ۔ یہ اس معنی اللہ عز وجل نور حقیقی ہے بلکہ حقیقتاً وہی نور ہے اور کریم اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور: ۳۵) بلا تکلف و بلا تاویل اپنے معنی حقیقی پر ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الظَّاهِرُ بِنَفْسِهِ الْمُظْهَرُ لِغَيْرِهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَسَائِرِ الْمَخْلُوقَاتِ۔

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ عز وجل کے نور ذاتی سے پیدا ہیں۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ زَوَّاهُ عَبْدَ الرَّزَّاقِ وَ نَحْوُهُ، عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ

۱۔ کیونکہ اللہ خود بھی ظاہر ہے اور آسمانوں، زمین اور باقی مخلوق کو ظاہر کرنے

والا ہے۔ ۱۲۔

اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔

حدیث میں نورہ فرمایا جس کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ اسم ذات ہے۔ مِنْ نُورٍ جَمَالِهِ يَانُورٌ عِلْمِهِ يَانُورٌ رَحْمَتِهِ وَغَيْرُهُ نہ فرمایا کہ نور صفات سے تخلیق ہو۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔
(مِنْ نُورِهِ) اِنِّ مِنْ نُورٍ هُوَ ذَاتِهِ۔ یعنی اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذات الہی ہے۔ یعنی اپنی ذات سے بلا واسطہ پیدا فرمایا۔ کَمَا سَيَأْتِي تَقْرِيرُهُ

امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں فرماتے ہیں:

كَمَا تَعَلَّقَتْ إِرَادَةُ الْحَقِّ تَعَالَى بِإِيجَادِ خَلْقِهِ أَبْرَزَ الْحَقِيقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ مِنَ الْأَنْوَارِ الصَّمَدِيَّةِ فِي الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ ثُمَّ سَلَخَ مِنْهَا الْعَوَالِمَ كُلَّهَا عُلُوَّهَا وَسِفْلَهَا (مواہب مع زرقانی ج ۱ ص ۳۳)

ترجمہ: یعنی جب اللہ عزوجل نے مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا صدی نوروں سے مرتبہ ذات صرف میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ پھر اس سے تمام عالم علوی و سفلی نکالے۔

اور شرح علامہ (ج ۱ ص ۳۳) میں ہے:

وَالْحَضْرَةُ الْأَحَدِيَّةُ هِيَ أَوَّلُ تَعَيِّنَاتِ الذَّاتِ وَأَوَّلُ رُتَبِهَا الَّذِي لَا إِعْتِبَارَ فِيهِ لِغَيْرِ الذَّاتِ كَمَا هُوَ الْمُشَارُ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اللَّهُ وَمَا شِئَ مَعَهُ. ذَكَرَهُ الْكَاشِشِيُّ.

ترجمہ: یعنی مرتبہ احدیت ذات کا پہلا تعین اور پہلا مرتبہ ہے جس میں غیر ذات کا اصلاً لحاظ نہیں، جس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسے سیدی کاشی قدس سرہ نے ذکر فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”مدارج النبوة“ میں فرماتے ہیں۔

۱۔ انبیاء مخلوق انداز اسمائے ذاتیہ حق، و اولیاء از اسمائے صفاتیہ، و بقیہ کائنات از صفات فعلیہ، و سید رسل مخلوق است از ذات حق و ظہور حق و روئے بالذات است۔ (ج ۲ ص ۶۰۹، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر)

ہاں عین ذات الہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ ذات الہی ذات رسالت کے لئے مادہ ہے، جیسے انسان مٹی سے پیدا ہوا۔ یا عیاذ باللہ ذات الہی کا کوئی حصہ یا کُل ذات نبی ہو گیا۔ اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہو جانے یا کسی شے میں حلول فرمانے سے پاک اور منزہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم خواہ کسی شے کو جزء ذات الہی، خواہ کسی مخلوق کو عین و نفس ذات الہی ماننا کفر ہے۔ اس تخلیق کے اصل معنی تو اللہ و رسول جانیں۔ جل علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ عالم میں تو ذات رسول کو کوئی پہچانتا نہیں، حدیث میں ہے۔

يَا اَبَا بَكْرٍ لَمْ يَعْرِفْنِي حَقِيقَةً غَيْرُ رَبِّي

۱۔ ترجمہ: انبیاء اللہ کے اسمائے ذاتیہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اولیاء اسمائے صفاتیہ سے، بقیہ کائنات صفات فعلیہ سے اور سید رسل ذات حق سے، اور عین حق کا ظہور

اے ابوبکر جیسا میں حقیقت میں ہوں، میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔ ذات الہی سے اس کے پیدا ہونے کی حقیقت کے مفہوم ہو، مگر اس میں فہم ظاہر میں کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حق عز جلالہ نے تمام جہان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے واسطے پیدا فرمایا۔ حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا آدَمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سے ارشاد ہوا۔

لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا أَرْضًا وَلَا سَمَاءً (مطالع المسرات ص ۲۶۴)

اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ تمہیں بناتا، نہ زمین کو، نہ آسمان کو

تو سارا جہان ذات الہی سے بواسطہ حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوا۔ یعنی حضور کے واسطے، حضور کے صدقے، حضور کے طفیل میں۔

لَا أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَفَاضَ الْوَجُودَ مِنْ خَضِرَتِ الْعِزَّةِ ثُمَّ هُوَ أَفَاضَ الْوَجُودَ عَلَى سَائِرِ الْبَرِيَّةِ كَمَا تَزْعُمُ كَفَرَةُ الْفَلَاسِفَةِ مِنْ تَوْسِيطِ الْعُقُولِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ.

بخلاف ہمارے حضور عین النور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں۔ آپ رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں، تو وہ ذات الہی سے بلا واسطہ پیدا ہیں۔

ترجمہ: یہ مقصد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے وجود حاصل کیا پھر باقی مخلوق کو آپ نے وجود دیا جیسے کافر فلاسفہ کہتے ہیں کہ عقول کے واسطے سے دوسری چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اس قول سے بلند و بالا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہو سکتا ہے۔

زرقانی شریف (ج ۱ ص ۵۵) میں ہے۔

۱۔ اَيُّ مِنْ نُورٍ هُوَ ذَاتُهُ لَا بِمَعْنَى أَنَّهَا مَا ذُو خَلَقَ نُورَهُ مِنْهَا

بَلْ بِمَعْنَى تَعَلُّقِ الْإِرَادَةِ بِهِ بِلا واسطۃ شئیء فی وجودہ

یا زیادہ سے زیادہ بہ غرض توضیح ایک کمال ناقص مثال یوں خیال کیجئے کہ آفتاب نے ایک عظیم و جمیل و جلیل آئینے پر تجلی کی، آئینہ چمک اٹھا، اور اس کے نور سے اور آئینے اور پانیوں کے چشمے اور ہوائیں اور سائے روشن ہوئے۔ آئینوں اور چشموں میں صرف ظہور نہیں بلکہ اپنی اپنی استعداد کے لائق شعاع بھی پیدا ہوئی کہ اور چیز کو روشن کر سکے، کچھ دیواروں پر دھوپ پڑی۔ یہ کیفیت نور سے متکلیف ہیں۔ اگرچہ اور کو روشن نہ کریں جن تک دھوپ بھی نہ پہنچی، وہ ہوائے متوسط ظاہر کیں، جیسے دن میں مسقف والان کی اندرونی دیواریں وغیرہا واسطہ در واسطہ کہ کیفیت نور سے بہرہ نہ پایا۔ پہلا آئینہ خود ذات آفتاب سے بلا واسطہ روشن ہے، اور باقی آئینے، چشمے اس کے واسطے سے، اور دیواریں وغیرہا واسطہ در واسطہ، پھر جس طرح وہ نور کہ آئینہ اول پر پڑا، بعینہ آفتاب کا نور ہے۔ بغیر اس کے کہ آفتاب خود یا اس کا کوئی حصہ آئینہ ہو گیا ہو۔ یوں ہی باقی آئینے اور چشمے کہ اس آئینے سے روشن ہوئے اور دیوار وغیرہ اشیاء جن پر ان کی دھوپ پڑی یا صرف ظاہر ہوئیں، ان سب پر بھی یقیناً آفتاب ہی کا نور اور اسی کا ظہور ہے، آئینے

۲۔ ترجمہ: یعنی اس نور سے جو اللہ کی ذات ہے، یہ مقصد نہیں کہ وہ کوئی مادہ ہے جس سے آپ کا نور پیدا ہوا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا ازادہ آپ کے نور سے بلا کسی واسطہ

فی الوجود کے متعلق ہوا۔ ۱۲

۲۔ چھت والا والان ۱۲

اور چشمے فقط واسطہ وصول ہیں۔ ان کی حد ذات میں دیکھو، تو یہ خود نور تو نور، ظہور سے بھی حصہ نہیں رکھتے۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پر تو آں

ہر کجای نگری انجمنے ساختہ اند

یہ نظیر محض ایک طرح کی تقریباً فہم کے لئے ہے جس طرح ارشاد ہوا مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُورَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ (النور: ۳۵) ورنہ کجا چراغ اور کجا وہ نور حقیقی وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ توضیح صرف ان دو باتوں کی منظور ہے، ایک یہ کہ دیکھو آفتاب سے تمام اشیاء منور ہوئیں، بے اس کے کہ آفتاب خود آئینہ ہو گیا، یا اس میں سے کچھ جدا ہو کر آئینہ بنا۔ دوسرے یہ کہ ایک آئینہ نفس ذاتِ آفتاب سے بلا واسطہ روشن ہے، باقی بوساطت، ورنہ حاشا کہاں مثال اور کہاں وہ بارگاہِ جلال۔ باقی اشیاء سے کہ مثال میں بالواسطہ منور مانیں، آفتاب حجاب میں ہے اور اللہ عزوجل احتیاج سے پاک۔ غرض کسی بات میں تطبیق مراد، نہ ہرگز ممکن حتیٰ کہ نفس وساطت بھی یکساں نہیں کَمَا لَا يَخْفَىٰ وَقَدْ أَشْرْنَا إِلَيْهِ

سیدی ابوسالم عبداللہ عیاشی، ہم استاذِ علامہ محمد زرقانی، تلمیذِ علامہ ابوالحسن شبراہی اپنی کتاب ”الرحلہ“ پھر سیدی علامہ عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ جمیعاً ”شرح صلاۃ“ حضرت سیدی احمد بدوی کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يُذَرِّكُهُ، عَلَى حَقِيقَتِهِ مَنْ عَرَفَ مَعْنَى قَوْلِهِ تَعَالَى اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَتَحْقِيقُ ذَلِكَ عَلَى مَا يَنْبَغِي لَيْسَ مِمَّا يُذَرِّكُ بِضَاعَةِ الْعُقُولِ وَلَا مِمَّا تَسَلَّطَ عَلَيْهِ الْأَوْهَامُ وَإِنَّمَا

۱۔ بات کو ذہن سے قریب لانے کے لئے

يُذَرِّكُ بِكُشْفِ الْهِيَةِ وَ إِشْرَاقِ حَقِّهِ مِنْ أَشْعَةِ ذَلِكَ النُّورِ فِي قَلْبِ الْعَبْدِ فَيُذَرِّكُ نُورَ اللَّهِ بِنُورِهِ وَ أَقْرَبُ تَقْرِيرٍ يُعْطَى الْقُرْبَ مِنْ فَهْمِ مَعْنَى الْحَدِيثِ إِنَّهُ لَمَّا كَانَ النُّورُ الْمُحَمَّدِيُّ أَوَّلَ الْأَنْوَارِ الْحَادِثَةِ الَّتِي تَجَلَّى بِهَا النُّورُ الْقَدِيمُ الْأَزَلِيُّ وَهُوَ أَوَّلُ التَّعِينَاتِ لِلْوُجُودِ الْمُطْلَقِ الْحَقَّانِي وَهُوَ مَدَدُ كُلِّ نُورٍ كَائِنْ أَوْ يَكُونُ وَكَمَا أَشْرَقَ النُّورُ الْأَوَّلُ فِي حَقِيقَتِهِ فَتَنَوَّرَتْ بِحَيْثُ صَارَتْ هُوَ نُورًا أَشْرَقَ نُورُهُ الْمُحَمَّدِيُّ عَلَى حَقَائِقِ الْمَوْجُودَاتِ شَيْئًا فَشَيْئًا فَهِيَ تَسْتَمِدُّ مِنْهُ عَلَى قَدْرِ تَنَوُّرِهَا بِحَسَبِ كَثَرَةِ الْوَسَائِطِ وَ قِلَّتِهَا وَ عَدَمِهَا وَ كَلَّمَا أَشْرَقَ نُورُهُ عَلَى نَوْعٍ مِنْ أَنْوَاعِ الْحَقَائِقِ ظَهَرَ النُّورُ فِي مَظْهَرِ الْإِنْقِسَامِ فَقَدْ كَانَ النُّورُ الْحَادِثُ أَوَّلًا شَيْئًا وَاحِدًا ثُمَّ أَشْرَقَ فِي حَقِيقَةِ أُخْرَى فَاسْتَنَارَتْ بِنُورِهِ تَنَوُّرًا كَامِلًا بِحَسَبِ مَا تَقْتَضِيهِ حَقِيقَتُهَا فَحَصَلَ فِي الْوُجُودِ الْحَادِثِ نُورَانِ مُفِضٌ وَ مَفَاضٌ وَ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ لَيْسَ هُنَاكَ إِلَّا نُورًا وَاحِدًا أَشْرَقَ فِي قَابِلِ الْإِسْتِنَارَةِ، يَتَنَوَّرُ بِتَعَدُّ دَاتِ الْمَظَاهِرِ وَالظَّاهِرِ وَاحِدًا ثُمَّ كَذَلِكَ كَلَّمَا أَشْرَقَ فِي مَحَلِّ ظَهَرِ بَصُورَةِ الْإِنْقِسَامِ وَ قَدْ يَشْرُقُ نُورُ الْمَفَاضِ عَلَيْهِ أَيْضًا بِحَسَبِ قُوَّتِهِ عَلَى قَوَابِلِ أُخَرَ فَتَنَوَّرَ بِنُورِهِ فَيَحْصُلُ انْقِسَامُ أُخَرَ بِحَسَبِ الظَّاهِرِ وَكُلُّهَا رَاجِعَةٌ إِلَى النُّورِ الْأَوَّلِ الْحَادِثِ إِمَّا بِوَاسِطَةِ أَوْ بِلَا وَنَهَا قَالَ وَ هَذَا غَايَةُ مَا تَصِلُ إِلَيْهِ الْعِبَارَةُ فِي هَذَا التَّقْرِيرِ وَ مِثْلِي فِي قَصْرِ بَاعِهِ وَ عَدَمِ تَضْلُعِهِ مِنَ الْعُلُومِ الْإِلَهِيَّةِ إِنْ زَادَ فِي التَّقْرِيرِ خَشْيَ عَلَى وَ أَقْرَبُ مِثَالٍ يُضْرَبُ لِذَلِكَ نُورُ الْمِصْبَاحِ

تُصْبِحُ مِنْهُ مَصَابِيحُ كَثِيرَةٌ وَهُوَ فِي نَفْسِهِ بَاقٍ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْءٌ وَ أَقْرَبُ مِنْ هَذَا الْمِثَالِ إِلَى التَّحْقِيقِ وَابْعُدُ عَنِ الْأَفْهَامِ نُورُ الشَّمْسِ الْمَشْرِقِ فِي الْأَهْلَةِ وَالْكَوَاكِبِ عَلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ الْكُلَّ مُسْتَنِيرٌ بِنُورِهِ وَلَيْسَ لَهَا نُورٌ مِنْ ذَاتِهَا فَقَدْ يُقَالُ بِحَسَبِ النَّظَرِ الْأَوَّلِ إِنَّ نُورَ الشَّمْسِ مُنْقَسَمٌ فِي هَذِهِ الْأَجْرَامِ الْعُلَوِيَّةِ وَفِي الْحَقِيقَةِ لَيْسَ هَذَا إِلَّا نُورُهَا وَهُوَ قَائِمٌ بِهَا لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَمْ يُزَائِلْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَلَكِنَّهُ أَشْرَقَ فِي أَجْرَامٍ قَابِلَةٍ لِإِسْتِنَارَةٍ فَاسْتَنَارَتْ وَ أَقْرَبُ مِنْ هَذَا لِلْفَهْمِ مَا يَحْصُلُ فِي الْأَجْرَامِ السِّفَلِيَّةِ مِنْ إِشْرَاقِ أَشْعَةِ الشَّمْسِ عَلَى الْمَاءِ أَوْ قَوَارِيرِ الزَّجَاجِ فَيُسْتَنِيرُ مَا يُقَابِلُهَا مِنَ الْجُذُرَانِ بِحَيْثُ يَلْمَحُ فِيهَا نُورٌ كَنُورِ الشَّمْسِ مُشْرِقٍ بِإِشْرَاقِهِ وَلَمْ يَنْفَصِلْ شَيْءٌ مِنْ نُورِ الشَّمْسِ عَنْ مَحَلِّهِ إِلَى ذَلِكَ الْمَحَلِّ وَمَنْ كَشَفَ اللَّهُ حِجَابَ الْغَفْلَةِ عَنْ قَلْبِهِ وَ أَشْرَقَتْ الْأَنْوَارُ الْمُحَمَّدِيَّةُ عَلَى قَلْبِهِ بِصِدْقِ اتِّبَاعِهِ لَهُ، أَدْرَكَ الْأَمْرَ دَرَكًا آخَرَ لَا يَحْتَمِلُ شَكًّا وَلَا وَهْمًا نَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يَنُورَ بِنُورِ الْعِلْمِ إِلَّا لِلَّهِ بِصَائِرُنَا وَ يُحَجِّبُ عَنْ ظُلُمَاتِ الْجَهْلِ سَرَائِرُنَا وَ يَغْفِرَ لَنَا مَا اجْتَرَأْنَا عَلَيْهِ مِنَ الْخَوْضِ فِيمَا لَسْنَا لَهُ بِأَهْلٍ وَ نَسْأَلُهُ أَنْ لَا يُؤَاخِذَنَا بِمَا تَقْتَضِيهِ الْعِبَارَةُ مِنْ تَقْصِيرٍ فِي حَقِّ ذَلِكَ الْجَنَابِ اه مُخْتَصَرًا.

ترجمہ: آپ کی نورانیت کا مقصد حقیقی طور پر وہی سمجھ سکتا ہے جو اللہ نور السموات والارض کو سمجھتا ہے، اس کی تحقیق عقل و وہم کے بس کا روگ نہیں۔ اس کا ادراک تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ نور الہی کی تجلیات سے بندے کا

قلب منور ہو اور نور الہی کو نور الہی سے معلوم کر لے۔ حدیث کے معنی آسان ترین پیرائے میں یوں ہو سکتے ہیں کہ نور محمدی تمام انوار سے پہلے پیدا ہوا اور نور قدیم ازلی کی پہلی تجلی قرار پایا، وجود مطلق حق کا تعین اول ہوا اور ہر اس نور کی مدد بنا جو ہے یا ہوگا اور جب نور اول نے اپنی حقیقت کو منور کیا تو نور محمدی حقائق موجودات پر منور ہوا، آہستہ آہستہ، اب موجودات وسائط کی کثرت و قلت اور عدم کے اعتبار سے اس سے مستفید ہیں، اور جب بھی ان کا نور حقائق کی کسی نوع پر ظاہر ہوتا ہے تو وہ نور بھی مظہر انقسام پر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ نور حادث پہلے ایک ہی چیز تھا پھر اس کا ظہور دوسری حقیقت میں ہوا جو اپنی بساط کے مطابق اس سے پوری طرح منور ہو گئی۔ اب وجود حادث میں دو نور پیدا ہوئے، ایک فیض دینے والا اور ایک وہ جس کو فیض دیا گیا ورنہ درحقیقت ایک ہی نور ہے، جو نور کو قبول کرنے والی چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے اور مظاہر کے تعدد کی وجہ سے منور ہوتا ہے، حالانکہ ظاہر ہونے والا ایک ہی ہے، پھر اسی طرح جب وہ کسی محل میں چمکتا ہے تو بصورت انقسام ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح جس کو نور ملتا ہے وہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق دوسری اشیاء کو منور کرتا ہے، پھر مظاہر کے اعتبار سے ایک دوسری تقسیم ہوتی ہے، اور یہ سب نور حادث کی طرف راجع ہیں یا بواسطہ یا بلا واسطہ، اس سلسلے میں جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہی ہے، اور مجھ جیسا شخص جو علوم الہیہ میں پوری مہارت نہیں رکھتا اگر اس سے زائد موشگافی کرے تو اپنا خطرہ ہے، اس کی سب سے قریب ترین مثال چراغ ہے جس سے متعدد چراغ روشن ہوتے ہیں اور پہلا چراغ علیٰ حالہ باقی رہتا ہے، اس میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی ہے، اس مثال سے بھی زائد تحقیقی مثال جو اگرچہ دقیق ہے، یہ ہے کہ آفتاب

کا نور جو چاند اور ستاروں میں چمک رہا ہے (جبکہ یہ مانا جاتا ہے کہ سب اس کے نور سے منور ہیں اور ان کا ذاتی نور نہیں ہے) اس کو بہ ظاہر دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ آفتاب کا نور ان چیزوں میں منقسم ہے، اور درحقیقت یہ اسی کا نور ہے لیکن آفتاب کے نور میں نہ تو کمی ہوئی اور نہ اس سے کوئی چیز جدا ہوئی، صرف اتنا ہوا کہ وہ شفاف چیزوں پر چمکا تو وہ چیزیں بھی روشن ہو گئیں، زمین کے اجسام میں مثال یہ ہے کہ آفتاب کی کرنیں پانی یا شیشے پر پڑتی ہیں تو ان چیزوں کا عکس دیوار پر پڑتا ہے، وہ بھی منور ہو جاتی ہے جیسے آفتاب کے نور سے منور ہوئی ہے حالانکہ آفتاب کے نور سے کوئی چیز جدا نہیں ہوتی ہے، اور خدا جس کے قلب سے غفلت کا پردہ اٹھا دے اور حضور کی پیروی کی وجہ سے انوار محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس کے قلب پر پڑ جائیں تو وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے گا اور شک و شبہ ختم ہو جائے گا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس علم سے ہماری رگوں کو جہل کی تاریکیوں سے محفوظ رکھے اور ہم نے اپنی بساط سے زائد جن چیزوں پر غور کیا ہے اس کو معاف فرما دے اور عبارت میں اس بارگاہ کی حیثیت سے جو کمی ہوئی ہے اسے بھی معاف کر دے۔

اس تقریر منیر سے مقاصد مذکورہ کے سوا چند فائدے اور حاصل ہوئے
 اولاً یہ بھی روشن ہو گیا کہ تمام عالم نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیونکر بنا، بے اس کے کہ نور حضور تقسیم ہوا، یا اس کا کوئی حصہ این و آں بنا ہو۔ اور یہ کہ جو حدیث میں ارشاد ہوا کہ پھر اس نور کے چار حصے کئے۔ تین سے قلم و لوح و عرش بنائے۔ چوتھے کے پھر چار حصے کئے۔ الیٰ آخرہ۔ یہ اس کی

شعاعوں کا انقسام ہے، جیسے ہزار ہا آئینوں میں آفتاب کا نور چمکے، تو ہزار حصوں پر منقسم نظر آئے گا، حالانکہ آفتاب نہ منقسم ہوا نہ اس کا کوئی حصہ آئینوں میں آیا۔

وَإِنْدَفَعَ مَا اسْتَشْكَلَهُ الْعَلَّامَةُ الشُّبْرَا مَلْسَى أَنَّ الْحَقِيقَةَ الْوَاحِدَةَ لَا تَنْقَسِمُ وَلَيْسَتْ الْحَقِيقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ إِلَّا وَاحِدَةٌ مِنْ تِلْكَ الْأَقْسَامِ وَالْبَاقِي إِنْ كَانَ مِنْهَا أَيْضًا فَقَدْ انْقَسَمَتْ وَإِنْ كَانَ غَيْرُهَا فَمَا مَعْنَى الْإِنْقِسَامِ وَحَاوَلَ الْجَوَابَ وَتَبِعَهُ فِيهِ تَلْمِيزُهُ الْعَلَّامَةُ الزَّرْقَانِي بِأَنَّ الْمَعْنَى أَنَّهُ زَادَ فِيهِ لَا أَنَّهُ قُسِمَ ذَلِكَ النُّورُ الَّذِي هُوَ نُورُ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الظَّاهِرُ أَنَّهُ حَيْثُ صَوْرَهُ بِصُورَةٍ مُمَائِلَةٍ كَصُورَةِ التِّي سَيُصِيرُ عَلَيْهِ لَا يَنْقَسِمُ إِلَيْهِ وَإِلَى غَيْرِهِ اه (شرح مواہب ج ۱ ص ۵۵)

وَحَاصِلُ جَوَابِهِ كَمَا قَرَّرَهُ تَلْمِيزُهُ الْعِيَّاشِي أَنَّ مَعْنَى الْإِنْقِسَامِ زِيَادَةُ نُورٍ عَلَى ذَلِكَ النُّورِ الْمُحَمَّدِيِّ فَيُؤْخَذُ ذَلِكَ الزَّائِدُ ثُمَّ يَزَادُ عَلَيْهِ نُورٌ آخَرُ ثُمَّ كَذَلِكَ إِلَى آخِرِ الْأَقْسَامِ قَالَ الْعِيَّاشِيُّ وَهَذَا جَوَابٌ مُقْنِعٌ بِحَسَبِ الظَّاهِرِ وَالتَّحْقِيقِ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ وَرَاءَ ذَلِكَ اه ثُمَّ ذَكَرَ مَا نَقَلْنَا عَنْهُ إِنْفًا وَرَأَيْتَنِي كَتَبْتُ عَلَى هَامِشِ الزَّرْقَانِي مَا نَصَّهُ.

أَقُولُ تَبِعَ فِيهِ شَيْخُهُ الشُّبْرَا مَلْسَى الْحَقُّ لَا مَعْنَى لَهُ فَإِنَّهُ إِذَنْ لَا يَكُونُ التَّخْلِيقُ مِنْ نُورِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ خِلَافُ الْمَنْصُوصِ وَالْمُرَادِ اه

أَقُولُ وَيُمْكِنُ الْجَوَابُ بِأَنَّ الْمُرَادَ أَنَّهُ تَعَالَى كَسَاهُ شُعَاعاً
 أَكْثَرُ مِمَّا كَانَ ثُمَّ فَصَلَ مِنْ شُعَاعِهِ شَيْئاً قَسَمَهُ كَمَا تَأْخُذُ الْمَلِكَةُ
 شَيْئاً مِنَ الْأَشْعَةِ الْمُحِيطَةِ بِالْكَوَاكِبِ فَتَرْمِي بِهِ مُسْتَرْقِي السَّمْعِ
 وَيُقَالُ بِذَلِكَ أَنَّ النُّجُومَ لَهَا رَجُومٌ وَلَكِنْ مَنَحَ الْمَوْلَى تَعَالَى مِنْ
 ذَلِكَ التَّفْرِيرِ الْمُنِيرِ مَا أَغْنَى عَنْ كُلِّ تَكْلُفٍ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَقَدْ
 كَانَ مَنَحَ لِلْعَبْدِ الضَّعِيفِ ثُمَّ رَأَيْتَهُ فِي شَرْحِ الْعَشْمَاوِيِّ جَزَاهُ اللَّهُ
 تَعَالَى عَنِّي وَعَنِ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا كَثِيرًا. آمين

ترجمہ: اس سے علامہ شبر ملسی کا یہ اعتراض بھی ختم ہوا کہ ایک ہی حقیقت
 منقسم نہیں ہوتی ہے۔ اور حقیقت محمدیہ ان قسموں میں سے ایک ہی ہے
 اور باقی ماندہ چیزیں اگر اسی سے ہیں تو یہ حقیقت منقسم ہوگئی، اور اگر وہ
 چیزیں اس کی غیر ہیں تو انقسام کے کیا معنی ہوئے۔ پھر انھوں نے خود
 اس کا جواب دیا اور ان کے شاگرد زرقانی نے بھی ان کی اتباع کی۔
 معنی یہ ہیں کہ اللہ نے اس میں اضافہ کر دیا، یہ نہیں کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ
 علیہ وسلم ہی کو تقسیم کر دیا، کیونکہ جب ان کو ایک صورت عطا کر دی تو
 ظاہر یہی ہے کہ اس کو پھر تقسیم نہیں کیا جائے گا، ان کے شاگرد عیاشی نے
 ان کے جواب کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ انقسام کے معنی نور محمدی پر
 اضافے کے ہیں، پھر اس زائد کو لے لیا گیا اور اس میں اور زیادتی کر
 دی گئی، اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔

عیاشی نے کہا کہ یہ ظاہر یہ جواب کافی ہے اور تحقیق واللہ اعلم
 اس کے علاوہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انھوں نے اس مسئلے میں اپنے شیخ

کی اتباع کی لیکن یہ ایک بے معنی بات ہے کیونکہ اس صورت میں تخلیق آپ کے نور سے نہ ہوگی اور یہ خلاف منصوص ہے۔

یہ میں کہتا ہوں یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے آپ کے نور کو پہلی شعاع سے زائد شعاع عطا کی پھر اس شعاع کا کچھ حصہ جدا کیا پھر اس کی تقسیم کر دی جیسے فرشتے ستاروں کی کچھ شعاعیں لے کر چھپ کر سننے والے شیاطین کو مارتے ہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ نجوم کے لئے رجوم ہیں، اس تقریر منیر کے ذریعے مولیٰ تعالیٰ نے ہر تکلف سے بے نیاز کر دیا واللہ الحمد۔ یہ تقریر عبد ضعیف پر منکشف ہوئی۔ پھر شرح عشاوی میں بھی یہی نکلی جَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنِّیْ وَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ (آمین)

ثانیاً اَقُوْلُ، یہ شبہ بھی دفعہ ہو گیا کہ خلق میں کفار و مشرکین بھی ہیں، وہ محض ظلمت تو نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ وسلم سے کیونکر بنے، اور نرے نجس ہیں تو اس نور پاک سے کیونکر مخلوق مانے گئے۔ وجہ اندفاع ہماری تقریر سے روشن، ظلمت ہو یا نور، جس نے خلعت وجود پایا ہے اس کے لئے تجلی آفتاب وجود سے ضرور حصہ ہے۔ اگر نور نہ ہو صرف ظہور ہو کَمَا تَقْدَمُ اور شعاع شمس ہر پاک و ناپاک جگہ پڑتی ہے جو جگہ فی نفسہ پاک ہے اس سے دھوپ ناپاک نہیں ہو سکتی۔

ثالثاً اَقُوْلُ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جس طرح مرتبہ وجود میں صرف ذات حق ہے باقی سب اسی کے پر تو وجود، سے موجود یوں ہی مرتبہ ایجاد میں، صرف ایک ذات مصطفیٰ ہے باقی سب پر اسی کے عکس کا فیض وجود مرتبہ کون و مکاں میں، نور احمدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہان اس کے آئینے، و فی ہذا۔

اقول۔

۱۔ خَالِقُ كُلِّ الْوَرَى رَبُّكَ لَا غَيْرَهُ، نُورُكَ كُلُّ الْوَرَى غَيْرُكَ
لَمْ لَيْسَ لَنْ اَى لَمْ يُوجَدْ وَلَيْسَ مَوْجُودًا وَلَنْ يُوجَدْ اَبَدًا۔

رابعاً اَقُولُ نُورِ اَخْدِی تو نُورِ اَخْدِی، نور احمدی پر بھی آفتاب کی یہ
مثالم منیر چراغ سے احسن و اکمل ہے۔ ایک چراغ سے بھی اگرچہ ہزار چراغ
روشن ہو سکتے ہیں بے اس کے کہ ان چراغوں میں اس کا کوئی حصہ آئے۔
دوسرے چراغ صرف حصول نور میں اسی چراغ کے محتاج ہوئے۔ بقا میں اس
سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر انھیں روشن کر کے پہلے چراغ کو ٹھنڈا کر دیجئے ان کی
روشنی میں فرق نہ آئے گا، نہ روشن ہونے کے بعد ان کو اس سے کوئی مدد پہنچ
رہی ہے۔ معہذا کسب نور کے بعد ان میں اور اس چراغ اول میں کوئی فرق
نہیں رہتا، سب یکساں معلوم ہوتے ہیں، بخلاف نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
کہ عالم جس طرح اپنی ابتداء وجود میں اس کا محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا تو کچھ
نہ بنتا یوں ہی ہر شے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم
درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعتاً فنائے محض ہو جائے۔۔

وہ جو نہ تھے، تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہوں

جان ہیں وہ جہاں کی، جان ہے تو جہان ہے

نیز جس طرح ابتداء وجود میں تمام جہان اس سے مستفیض ہوا بعد

وجود بھی ہر آن اسی کی مدد سے بہرہ یاب ہیں۔ پھر تمام جہان میں کوئی اس

۱۔ کل مخلوق پیدا کرنے والا آپ کا رب ہی ہے، آپ ہی کا نور کل مخلوق ہے اور آپ کا

غیر کچھ بھی نہیں تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۔

کے مساوی ہو سکتا۔ یہ تینوں باتیں مثال آفتاب سے روشن ہیں۔ آئینے اسی سے روشن ہوئے اور جب تک روشن ہیں اسی کی مدد پہنچ رہی ہے۔ اور آفتاب سے علاقہ چھوٹتے ہی فوراً اندھیرے ہیں، پھر کتنے ہی چمکیں، سورج کی برابری نہیں پاتے۔ یہی حال ایک ذرہ عالم عرش و فرش اور جو کچھ ان میں ہے اور دنیا و آخرت اور ان کے اہل اور انس و جن و ملک و شمس و قمر و نجوم و جملہ انوارِ ظاہر و باطن حتیٰ کہ شمسِ رسالت علیہم الصلوٰۃ والتحیہ کا ہمارے آفتابِ جہاں تاب عالم مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام من الملک الوہاب کے ساتھ ہے کہ ہر ایک ایجاد و امداد و ابتدا و بقا میں ہر حال، ہر آن اُن کا دست نگر، اُن کا محتاج ہے۔ واللہ الحمد۔ امام اجل محمد بوسیری قدس سرہ ام القری میں عرض کرتے ہیں۔

کَیْفَ تَرْقٰی رُقِیْکَ الْاَنْبیاءُ
 یَاسَمَاءُ مَا طَاوَلَتْهَا سَمَاءُ
 لَمْ یَسَاوِکَ فِیْ غُلَاکَ وَقَدْ حَاشَ
 سَنَامِیْنُکَ دُوْنَهُمْ وَسَنَاءُ
 اِنَّمَا مَثَلُوْا صِفَاتِکَ لِلنَّاسِ
 کَمَا مَثَلَ النُّجُوْمِ الْمَاءُ

یعنی انبیاء حضور کی سی ترقی کیونکر کریں۔ اے وہ آسمانِ رفعت جس سے کسی آسمان نے بلندی میں مقابلہ نہ کیا۔ انبیاء حضور کے کمالاتِ عالیہ میں حضور کے ہمسر نہ ہوئے۔ حضور کی جھلک اور بلندی نے ان کو حضور تک پہنچنے سے روک دیا، وہ حضور کی صفتوں کی ایک شبیہ لوگوں کو دکھاتے ہیں، جیسے

ستاروں کا عکس پانی دکھاتا ہے۔

یہ وہ تشبیہ و تقریر ہے جو ہم نے ذکر کی۔ وہاں ذات کریم اور افاضہ انوار کا ذکر تھا لہذا آفتاب سے تمثیل دی۔ یہاں صفات کریمہ کا بیان ہے لہذا ستاروں سے تشبیہ مناسب ہوئی۔ مطالع المسرات شریف میں ہے۔

اِسْمُهُ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم مُخِی لِحَیَاتِ جَمِیْعِ الْکَوْنِ بِہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فَہُو رُوْحُہُ وَحَیَاتُہُ وَسَبَبُ وَجُوْدِہِ وَبَقَائِہِ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کا نام پاک محی ہے، زندہ فرمانے والے، اس لئے کہ سارے جہان کی زندگی حضور سے ہے۔ تو حضور تمام عالم کی جان و زندگی اور اس کے وجود اور بقا کے سبب ہیں۔

اسی میں (ص ۹۹) ہے:

هُوَ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم رُوْحُ الْاَکْوَانِ وَحَیَاتُہَا وَ سِرُّ وَجُوْدِہَا وَلَوْلَاہُ لَذَہَبَتْ وَتَلَاَشَتْ کَمَا قَالَ سَیْدِی عَبْدُ السَّلَامِ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَنَفَعْنَا بِہِ لَا شَیْءَ اِلَّا وَہُو بِہِ مَنْوُطٌ اِذْ لَوْلَا الْوَاسِطَةُ لَذَہَبَ کَمَا قِیلَ الْمَوْسُوْطُ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام علم کی جان و حیات و سبب وجود ہیں۔ حضور نہ ہوں تو عالم نیست و نابود ہو جائے کہ حضرت سیدی عبدالسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عالم میں کوئی ایسا نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ نہ ہو، اس لئے کہ واسطہ نہ رہے تو جو اس کے واسطے سے تھا آپ ہی فنا ہو جائے۔

ہمز یہ شریف (ص ۵۱، مطبوعہ مصر) میں ارشاد فرمایا۔

كُلُّ فَضْلٍ فِي الْعَالَمِينَ فَمِنْ فَضْلِ

النَّبِيِّ اسْتِعَارَهُ الْفَضْلَاءُ

جہان والوں میں جو خوبی جس کسی میں ہے وہ اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل سے مانگے کو لی ہے۔

امام حجر مکی افضل القرئی میں فرماتے ہیں:

لَآ نَنَّهُ الْمُؤْمِدُّ لَهُمْ اِذْ هُوَ الْوَارِثُ لِلْحَضْرَةِ الْاِلَهِيَّةِ وَالْمُسْتَمِدُّ

مِنْهَا بِلَا وَاسْطَةِ دُونَ غَيْرِهِ فَاِنَّهُ لَا يَسْتَمِدُّ مِنْهَا اِلَّا بِوَاسِطَتِهِ فَلَا

يَصِلُ لِكَامِلٍ مِنْهَا شَيْءٌ اِلَّا وَهُوَ مِنْ بَعْضِ مَدَدِهِ وَ عَلَى يَدَيْهِ

تمام جہان کی امداد کرنے والے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اس

لئے کہ حضور ہی بارگاہ الہی کے وارث ہیں۔ بلا واسطہ خدا تعالیٰ سے حضور ہی

مدد لیتے ہیں اور تمام عالم مدد الہی حضور کی وساطت سے لیتا ہے، تو جس کامل

کو جو خوبی ملی حضور ہی کی مدد اور حضور ہی کے ہاتھوں سے ملی۔

شرح سیدی عثمانی میں ہے:

نِعْمَتَانِ مَا خَلَا مَوْجُودٌ عَنْهُمَا نِعْمَةٌ الْاِيْجَادِ وَ نِعْمَةٌ الْاِمْدَادِ

وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَاسِطَةُ فِيْهَا اِذْ لَوْ لَا سَبَقَتْ

وَجُودُهُ مَا وَجَدَ مَوْجُودٌ وَلَوْ لَا وَجُودُ نُوْرِهِ فِيْ ضَمَائِرِ الْكُوْنِ

لَتَهْدَمَتْ دَعَائِمُ الْوُجُوْدِ فَهُوَ الَّذِي وَجَدَ اَوَّلًا وَلَهُ تَبَعَ الْوُجُوْدُ

وَ صَارَ مَرْتَبَطًا بِهِ لَا اسْتِغْنَاءَ لَهُ عَنْهُ.

کوئی موجود دو نعمتوں سے خالی نہیں، نعمت ایجاد و نعمت امداد، اور ان

دونوں میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی واسطہ ہیں کہ حضور پہلے موجود نہ ہو لیتے تو کوئی چیز وجود نہ پاتی اور عالم کے اندر حضور کا نور موجود نہ ہو تو وجود کے ستون ڈھے جائیں، تو حضور ہی پہلے موجود ہوئے اور تمام جہان حضور کا طفیلی اور حضور سے وابستہ ہوا جسے کسی طرح حضور سے بے نیازی نہیں۔

ان مضامین جمیلہ پر بہ کثرت آئمہ و علماء کے نصوص جلیلہ فقیر کے رسالے ”سلطنة المصطفى في ملكوت كل الوری“ میں ہیں۔ واللہ الحمد،

خامساً ہماری تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضور خود نور ہیں، تو حدیث مذکور میں نُورِ نَبِیِّک کی اضافت بھی من نورہ کی طرح بیانہ ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اظہارِ نعمتِ الہیہ کے لئے عرض کی وَاجْعَلْنِي نُورًا اور خود رب العزت عز جلالہ نے قرآن عظیم میں ان کو نور فرمایا قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ۔ (پ ۶ المائدہ آیت ۱۵)

پھر حضور کے نور ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اَقُولُ، اگر نُورِ نَبِیِّک میں اضافت بیانہ نہ لو، بلکہ نور سے وہی معنی مشہور یعنی روشنی کہ عرض و کیفیت ہے، مراد لو، تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول مخلوق نہ ہوئے بلکہ ایک عرض و صفت، پھر وجود موصوف سے پہلے صفت کا وجود کیونکر ممکن، لا جرم حضور خود ہی وہ نور ہیں کہ سب سے پہلے مخلوق ہوا۔

فَلَا حَاجَةَ إِلَى مَا قَالَ الْعَلَامَةُ الزَّرْقَانِي رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَنَّهُ لَا يُشْكَلُ بِأَنَّ النُّورَ عَرَضٌ لَا يَقُومُ بِذَاتِهِ لِأَنَّ هَذَا مِنْ خَرَقِ الْعَوَائِدِ اه ورايتنی کتبت علیہ لم لا یقال فیہ کما ستقولون فی

قَرِينِهِ مِنْ نُورِهِ إِنَّ الْإِضَافَةَ بَيَانِيَّةٌ ۱۰ھ

وَأَقُولُ خَرَقَ الْعَوَائِدِ لَا كَلَامَ فِيهِ وَالْقُدْرَةُ مُتَسَّعَةٌ وَلَكِنَّ
وَجُودَ الصِّفَةِ بِدُونِ الْمَوْصُوفِ مِمَّا لَا يَعْقِلُ لَأَنَّهَا إِنْ قَامَتْ بِغَيْرِهِ
لَمْ تَكُنْ صِفَةً لَهُ، بَلْ لَغَيْرِهِ أَوْ بِنَفْسِهَا لَمْ تَكُنْ صِفَةً صِلًا أَوْ لَا صِفَةً
إِلَّا الْمَعْنَى الْقَائِمَ بِغَيْرِهِ فَإِذَا أَقَامَ بِنَفْسِهِ لَمْ يَكُنْ صِفَةً وَغَرَضًا بَلْ
جَوْهَرًا وَكُونَهُ غَرَضًا مَعَ قِيَامِهِ بِنَفْسِهِ جَمَعَ لِلصِّدِّيقِ وَالْقُدْرَةُ
تَعَالِيَّةٌ عَنِ التَّعَلُّقِ بِالْمَحَالَّاتِ الْعَقْلِيَّةِ وَوَزَنُ الْأَعْمَالِ بِمَعْنَى وَزْنِ
الصُّحُفِ وَالْبَطَاقَاتِ كَمَا فِي حَدِيثِ أَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ
وَابْنِ حَبَانَ وَالْحَاكِمِ وَصَحَّحَهُ وَابْنُ مَرْدُودِيهِ وَاللَّالِكَاثِيُّ وَابْنُ بَيْهَقِي
فِي الْبَعْثِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ سَيُخَلِّصُ رُجُلًا مِنْ
أُمَّتِي عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُنْشَرُ عَلَيْهِ تِسْعَةٌ وَتُسْعِينَ
سَجَلًا كُلُّ سَجَلٍ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا
أَطْلَمَكَ كَتَبْتَنِي الْحَافِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَاكَ عُذْرٌ
قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ
عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٍ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولُ احْضَرُوا زَيْنَكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ مَا
هَذِهِ الْبَطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السَّجَلَاتِ فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ
السَّجَلَاتُ وَتُقْلَبُ الْبَطَاقَةُ فَلَا تَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْءٌ

(جامع ترمذی ص ۳۷۸، باب الایمان، مطبوعہ نور محمد کراچی)

تو اب علامہ زرقانی کے اس قول کی کوئی ضرورت نہ رہی اور یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نور عرض ہے کہ قائم بذاتہ نہیں کیونکہ یہ خرق عادت ہے۔ میں نے اس پر لکھا ہے کہ یہ اعتراض کیوں نہ کیا جائے جبکہ آپ اس کے اس قرین میں من ثورہ نہیں کہتے ہیں کہ اضافت بیانہ ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ خرق عادات میں تو کچھ کلام نہیں، اور خدا کی قدرت بڑی ہے، لیکن صفت کا وجود موصوف کے بغیر عقل میں نہیں آتا، کیونکہ اگر موصوف کے سوا کسی کے ساتھ قائم ہے تو اس کی صفت نہ ہوئی بلکہ غیر کی ہوئی اور اگر اپنی ذات سے قائم ہے تو صفت نہ ہوئی کیونکہ صفت تو معنی قائم بغیرہ کو ہی کہتے ہیں، اب جبکہ وہ قائم بنفسہ ہے وہ صفت اور عرض نہ ہوئی بلکہ جوہر ہوئی اور اس کے قائم بنفسہ ہوتے ہوئے اس کو عرض کہنا جمع بین الضدین ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت محالات عقلیہ سے متعلق نہیں ہوتی اور اعمال کا وزن اس معنی کو ہوگا کہ ان کے صحیفے اور کاغذات تولے جائیں گے، جیسا کہ احمد، ترمذی ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم (صحیح میں) ابن مردویہ، لاکائی اور بیہقی نے بعث میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ میری امت میں سے ایک شخص کو کھلے عام لائے گا پھر اس کے سامنے ننانوے ۹۹ رجسٹر کھول کر رکھے جائیں گے۔ ہر ایک حد نگاہ تک ہوگا۔ پھر دریافت کیا جائے گا کیا تو ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے لکھنے والوں نے تجھ پر ظلم کیا؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب، اللہ فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں، اللہ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، اور تجھ پر آج ظلم نہیں کیا جائے گا، پھر ایک کاغذ نکالا جائے گا جس میں لکھا ہوگا اشہد ان لا

اَللّٰہُ اِلَہُ اللّٰہِ وَاِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ پھر فرمائے گا، جا اس کا وزن کرا۔ وہ کہے گا اے اللہ اس کی ان رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ اللہ فرمائے گا، تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں پھر رجسٹر رکھے جائینگے تو وہ کاغذ وزنی نکلے گا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔

بالجملہ حاصل حدیث شریف ٹھہرا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کو اپنی ذات کریم سے پیدا کیا، یعنی عین ذات کی تجلی بلا واسطہ ہمارے حضور ہیں، باقی سب ہمارے حضور کے نور و ظہور ہیں۔
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علیٰ آلہ وصحبہ و بارک و کرّم
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵

از کلکتہ، مچھوا بازار، اسٹریٹ نمبر ۲۱ متصل چولیا مسجد، مرسلہ حکیم اظہر علی صاحب، ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ، بحضور اقدس جناب مولانا مدظلہ العالی۔ یہ اشتہار ترسیل خدمت ہے۔ اگر صحیح ہو تو اس پر صادر کر دیا جائے۔ والا جواب مفصل ترقیم فرمائیں۔

والادب۔ اظہر علی عفی عنہ

نقل اشتہار

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا، نور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کا اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور یعنی جزء ذات یا عین ذات یا ذات کا ٹکڑا نہیں ہے بلکہ پیدا کیا ہوا نور مخلوق ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي. أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ. أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ. أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ كَمَا فِي تَارِيخِ الْخَمِيسِ وَفِي سِرِّ الْأَسْرَارِ

اور ذاتی نور کہنے سے نورِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جزء ذاتِ یاعینِ ذات، یا ٹکڑا ذاتِ خدائے تعالیٰ کا کہنا لازم آتا ہے، یہ کلام کفر ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدیم ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ذاتی کے معنی اگر اصطلاحی لئے جائیں تو جزءِ خدایا عینِ خدایا ٹکڑا ذاتِ خدا کا ہونا لازم آتا ہے یہی کلام کفر ہے اور عقائد بعض جہال کے یہی ہیں۔ اس سبب سے نورِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نورِ ذاتی یا ذاتی نور یا اللہ تعالیٰ کی ذات کا ٹکڑا نہ کہنا چاہیے۔ اگر نورِ رسول خدا تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نورِ خدایا نورِ مخلوق خدایا نورِ ذاتِ خدایا نورِ جمالِ خدا کہیں تو کہنا جائز ہے جیسا کہ حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ”سر الاسرار“ میں فرمایا ہے:

لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى رُوحَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا مِنْ نُورٍ جَمَالِهِ، اور حدیثِ قدسی میں آیا ہے:

خَلَقْتُ رُوحَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نُورٍ وَجْهِي كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ خَلْقِ اللَّهِ نُورِي.

کیونکہ ایک چیز کو دوسرے کی طرف اضافت کرنے سے جز اُس کا یا عین اس کا لازم نہیں آتا ہے کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان

مغائر ت شرط ہے، چنانچہ بیت اللہ و ناقۃ اللہ و نور اللہ و روح اللہ وغیر ذلک۔ پس ثابت ہوا کہ نور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور مخلوق خدا یا ذات خدا یا نور جمال خدا ہے۔ نور ذاتی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا ٹکڑا یا جزو عین نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

المشتہر: عبدالمہیمن قاضی علاقہ تھانہ بہو بازار وغیرہ کلکتہ



الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور بلاشبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی یعنی عین ذات الہی سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے فتوے میں تصریحات علمائے کرام سے محقق کیا اور اس کے معنی بھی وہیں مشرح کر دیئے۔ حاشا للہ! یہ کسی مسلمان کا عقیدہ کیا گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ نور رسالت یا کوئی چیز معاذ اللہ ذات الہی کا جزو یا اس کا عین و نفس ہے، ایسا اعتقاد ضرور کفر و ارتداد۔

أَيُّ ادِّعَاءِ الْجُزْئِيَّةِ مُطْلَقًا وَالْعَيْنِيَّةِ بِمَعْنَى الْإِتِّحَادِ أَيْ هُوَ فِي مَرْتَبَةِ الْفَرْقِ أَمَّا إِنَّ الْوُجُودَ وَاحِدًا وَالْمَوْجُودَ وَاحِدًا فِي مَرْتَبَةِ الْجَمِيعِ وَالْكُلُّ ظِلَالُهُ، وَعُكُوسُهُ، فِي مَرْتَبَةِ الْفَرْقِ فَلَا مَوْجُودَ إِلَّا هُوَ فِي مَرْتَبَةِ الْحَقِيقَةِ الذَّاتِيَّةِ إِذْ لَا حَظَّ لِغَيْرِهِ فِي حَدِّ ذَاتِهِ مِنَ الْوُجُودِ أَصْلًا جَمْلَةً وَاحِدَةً مِنْ دُونِهِ شَيْئًا فَحَقٌّ وَاضِحٌ لَا شَكَّ فِيهِ

یعنی، مطلقاً جزئیہ کا دعویٰ کرنا اور عینیت بمعنی اتحاد، یعنی وہ بعینہ وہ ہی ہیں، مرتبہ فرق ہیں، اب رہی یہ بات کہ وجود ایک ہے اور موجود مرتبہ جمیع میں ایک ہے اور سب کے ظلال و عکوس ہیں مرتبہ و فرق میں تو کوئی موجود بھی ایسا نہیں جو مرتبہ حقیقت ذاتیہ میں نہ ہو کیونکہ فی حد ذاتہ کسی کو وجود کا کوئی حصہ نہیں ملا ہے تو بات واضح ہے، حق ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کا نور ذاتی کہنے سے نہ عین ذات یا جز ذات ہونا لازم، نہ مسلمان پر بدگمانی جائز، نہ علماء و عوام میں اس سے یہ معنی مفہوم، نہ نور ذات کہنے کو نور ذاتی کہنے پر ترجیح،

جس سے وہ جائز اور یہ ناجائز ہو۔

اولاً ذاتی کی یہ اصطلاح کہ عین ذات یا جز ماہیت ہو، خاص ایسا غوجی کی اصطلاح ہے۔ علمائے عامہ کے عرف عامہ میں نہ یہ معنی مراد ہوتے ہیں نہ ہرگز مفہوم، عام محاورہ میں کہتے ہیں۔

یہ میں اپنے ذاتی علم سے کہتا ہوں، یعنی کسی کی سنی سنائی نہیں، یہ مسجد میں نے اپنے ذاتی روپے سے بنائی ہے یعنی چندہ وغیرہ مال غیر سے نہیں۔ آئمہ اہلسنت جن کا عقیدہ ہے کہ صفات الہیہ عین ذات نہیں، اللہ عزوجل کے علم و قدرت و سمع و بصر و ارادہ و کلام و حیات کو اس کو صفت ذاتی کہتے ہیں حدیقہ ندیہ (ج ۱ ص ۲۵۴، مکتبہ نوریہ رضویہ) میں ہے:

أَعْلَمُ أَنَّ الصِّفَاتِ الَّتِي هِيَ لَا عَيْنَ الذَّاتِ وَلَا غَيْرَهَا إِنَّمَا هِيَ الصِّفَاتُ الذَّاتِيَّةُ الْخ
یعنی ”بیشک وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی نہ عین نہ غیر ہیں۔ وہ صرف وہ ذاتی صفات ہیں۔“

علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف ”رسالہ تعریفات“ میں فرماتے ہیں۔
الصِّفَاتُ الذَّاتِيَّةُ هِيَ مَا يُوصَفُ اللَّهُ تَعَالَى بِهَا وَلَا يُوصَفُ بِضِدِّهَا
نَحْوُ الْقُدْرَةِ وَالْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَغَيْرِهَا
وَجُوبِ ذَاتِي وَامْتِنَاعِ ذَاتِي وَامْكَانِ ذَاتِي كَا تَامِ حَكْمَتِ وَكَلَامِ وَفَلَسَفِ
وغيرہا میں سنا ہوگا۔

إِنَّ الذَّاتَ تَقْتَضِي لِدَاتِهَا الْوُجُودَ أَوْ الْعَدَمَ

کوئی بھی اپنے موصوف کا نہ عین ذات ہے نہ جز بلکہ مفہومات اعتبار یہ ہیں جن کے لئے خارج میں وجود نہیں کَمَا حَقَّقَ فِي مَحَلِّهِ يَوْمَ هِیْ
اصلین اعنی علم کلام او علم اصول فقہ میں افعال کے حسن ذاتی و قبح ذاتی کا

مسئلہ اور اس میں ہمارے آئمہ ماتریدیہ کا مذہب سنا ہوگا حالانکہ بدابہت حسن و قبح نہ عین فعل ہیں نہ جز، فعل، محقق علی الاطلاق، تحریر الاصول میں فرماتے ہیں۔

مَا فِيهِ الْأَعْرَاضُ وَالْعَادَاتُ وَاسْتَحَقَّ بِهِ الْمَدْحُ وَالذَّمُّ فِي
نَظَرِ الْعُقُولِ لِتَعَلُّقِ مَصَالِحِ الْكُلِّ بِهِ هُوَ الْمُرَادُ بِالذَّاتِي لِلْقَطْعِ بِأَنَّ
مُجَرَّدَ حَرَكَةِ الْيَدِ قِتْلًا ظُلْمًا لَا تَزِيدُ حَقِيقَتُهَا عَلَى حَقِيقَتِهَا عَدْلًا
فَلَوْ كَانَ الذَّاتِي مُقْتَضِي الذَّاتِ اتَّخَذَ لَا زِمُهُمَا حَسَنًا وَقُبْحًا فَإِنَّمَا
يُرَادُ بِالذَّاتِي مَا يَجْزِمُ بِهِ الْعَقْلُ لِفَعْلٍ مِنَ الصِّفَةِ مُجَرَّدِ تَعَقُّلِهِ كَائِنًا
عَنْ صِفَةِ نَفْسٍ مَنْ قَامَ بِهِ فَاِغْتِبَارُهَا يُوصَفُ بِأَنَّهُ عَدْلٌ حَسَنٌ
أَوْ ضِدُّهُ اه

ثانیاً، ذاتی میں یائے نسبت ہے۔ ذاتی منسوب بہ ذات اور متغائرین
میں ہر اضافت صحیح نسبت جو چیز دوسرے کی طرف منسوب ہوگی وہ
ضرور اس کی طرف منسوب ہوگی کہ اضافت بھی ایک نسبت ہی ہے، تو
جب نور ذات کہنا صحیح ہے تو نور ذاتی کہنا بھی قطعاً صحیح ہوگا، ورنہ
نسبت ممتنع ہوگی تو اضافت ممتنع ہوگی تو نور ذات کہنا بھی باطل
ہو جائے گا۔ ہذا خلف۔

ثالثاً نور ذات کہنا جس کا جواز مانع کو بھی تسلیم ہے، اس میں
اضافت بیانہ یو ہو یعنی وہ نور کہ عین ذات الہی ہے تو معاذ اللہ نور
رسالت کا عین ذات الوہیت ہونا لازم آتا ہے پھر یہ کیوں نہ منع
ہوگا۔ اگر یہ کہے کہ یہ معنی مراد نہیں بلکہ اضافت لامیہ ہے اور اس کی
وجہ تشریف ہے جیسے بیت اللہ و ناۃ اللہ، تو اسی معنی پر نور ذاتی میں کیا
خرج ہے، یعنی نور کہ ذات الہی سے نسبت خاصہ ممتازہ رکھتا ہے۔

شرح المواہب للعلامة الزرقانی (ج ۱ ص ۵۵) میں ہے:

لِإِضَافَةِ تَشْرِيفٍ وَإِشْعَارٍ بِأَنَّهُ خَلَقَ عَجِيبٌ وَأَنَّ شَأْنَآ لَهُ
مُنَاسَبَةً مَا إِلَى الْحَضْرَةِ الرَّبُّوبِيَّةِ عَلَى حَدِّ قَوْلِهِ تَعَالَى وَنَفَخْتُ فِيهِ
مِنْ رُّوحِي (پ ۱۱۴ الحجر: ۲۹)

رابعاً، نور ذاتی میں اگر ایک معنی معاذ اللہ کفر ہیں، کہ ذاتی کو
اصطلاح فن ایسا غوجی پر حمل کریں جو ہرگز قائلوں کی مراد نہیں بلکہ غالباً
ان کو معلوم بھی نہ ہوگی، تو نور ذات یا نور اللہ کہنے میں، جن کا جواز خود مانع
کو مسلم ہے، عیاذ باللہ متعدد وجہ پر معافی کفر ہیں۔

ہم نے فتوائے دیگر میں بیان کیا کہ نور کے دو معنی ہیں۔ ایک ظاہر،
بفسہ مظہر بغیرہ، بایں معنی اگر اضافت بیانیہ لو تو نور رسالت عین ذات الہی
ٹھہرے اور یہ کفر ہے۔ اور اگر لامیہ لو، تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ نور آپ بہ
ذات خود ظاہر اور ذات الہی کا ظاہر کرنے والا ہے، یہ بھی کفر ہے۔ دوسرے
معنی یہ کیفیت و عرض جسے چمک و جھلک اور اجالا و روشنی کہتے ہیں، اس معنی
میں اضافت بیانیہ لو تو کفر عینیت کے علاوہ ایک اور کفر عرضیت عارض ہوگا، کہ
ذات الہی معاذ اللہ ایک عرض و کیفیت قرار پائی، اور اگر لامیہ لو تو کسی کی روشنی
کہنے سے غالباً یہ مفہوم کہ یہ کیفیت اس کو عارض ہے، جیسے نور شمس و نور قمر و نور
چراغ، یوں معاذ اللہ! اللہ عز وجل محل حوادث ٹھہرے گا، یہ بھی صریح ضلالت و
گمراہی و منجملہ بہ کفر لزومی ہے۔ ایسے خیالات سے اگر نور ذاتی کہنا ایک

۱۔ اضافت تشریفیہ ہے اور یہ بتانا ہے کہ آپ عجیب مخلوق ہیں اور بارگاہ ربوبیت
میں آپ کو خاص نسبت ہے۔ جیسے وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي ۱۲

۲۔ پہنچانے والا ۱۲

درجہ ناجائز ہوگا تو نور ذات و نور اللہ کہنا چار درجے، حالانکہ ان کا جواز مانع کو مسلم ہونے کے علاوہ، خود قرآن عظیم میں وارد ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورہ الصف آیت ۸) يُرِيدُونَ أَنْ يَطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

(پ ۱۰ سورہ توبہ آیت ۳۲)

■ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر بُرا سمجھیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ ضرور پورا کرے گا اپنے نور کو اگرچہ کافر برا جانیں۔

حدیث میں ہے:

۱۔ اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ

خامساً، مضاف و مضاف الیہ میں اگر مغائرت شرط ہے تو منسوب و منسوب الیہ میں کیا شرط نہیں۔

سادساً، بلکہ اس طور پر جو مانع نے اختیار کیا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مخلوق الہی نہ رہیں گے۔ دو چیزیں حضور سے پہلے مخلوق قرار پائیں گی اور یہ خلاف حدیث و خلاف نصوصِ آئمہ قدیم و حدیث۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

يَا جَابِرُ! إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ

اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔

۱۔ مؤمن کی سمجھ (فراست) سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ۱۲

یہاں دو اضافتیں ہیں، نورِ نبی و نورِ خدا، اور مشتہر کے نزدیک اضافت میں مغائرت شرط ہے، تو نورِ نبی غیرِ نبی ہوا۔ اور نورِ خدا غیرِ خدا، اور غیرِ خدا جو کچھ ہے مخلوق ہے، تو نورِ خدا مخلوق ہوا۔ اور اس نور سے نورِ نبی بنا تو ضرور نورِ خدا نورِ نبی سے پہلے مخلوق تھا اور نورِ نبی باقی سب اشیاء سے پہلے بنا اور اشیاء میں خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہیں، تو نورِ نبی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے بنا اور اس سے پہلے نورِ خدا بنا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے دو نور مخلوق ہوئے، یہ محض باطل ہے۔

سابعاً، حل یہ ہے کہ ایسا غوجی میں ذاتی مقابل عرضی ہے بہ اس معنی اللہ عز وجل نورِ ذاتی و نورِ عرضی دونوں سے پاک و منزہ ہے مگر وہ یہاں نہ مراد نہ مفہوم، اور عام محاورہ میں ذاتی مقابل صفاتی اور اسمائی ہے اور یہاں یہی مقصود۔ بہ اس معنی اللہ عز وجل کے لئے نورِ ذاتی و نورِ صفاتی و نورِ اسمائی سب ہیں کہ اس کی ذات و صفات و اسماء کی تجلیاں ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجلی ذات ہیں اور انبیاء و اولیاء و سائر خلق اللہ تجلی اسماء و صفات ہیں، جیسا کہ ہم نے فتوائے دیگر میں شیخ محقق سے نقل کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَسَلَّمَ

از: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی عفی عنہ

اسماء کُتب ماخذ

نام مصنف	نام کتاب
بیہقی	۱۔ دلائل النبوة
قسطلانی	۲۔ مواہب اللدنیہ
ابن حجر مکی	۳۔ افضل القرئ
علامہ فاسی	۴۔ مطالع المسرات
علامہ زرقانی	۵۔ زرقانی شرح مواہب
علامہ دیار بکری	۶۔ تاریخ النجیس
شیخ محقق دہلوی	۷۔ مدارج النبوة
عبدالغنی نابلسی	۸۔ حدیقہ ندیہ
قاضی خاں	۹۔ فتاویٰ تاتارخانیہ
طحطاوی	۱۰۔ طحطاوی علی الدر
	۱۱۔ شرح سیدی احمد بدوی کبیر
محمد بوجیری	۱۲۔ ام القرئ
میر سید سند شریف	۱۳۔ رسالہ تعریفات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شَمُوءُ الْأَسْلَامِ لَا صُوءِ الرَّسُولِ الْكَرَامِ

حُصُوءُ كِے والدین اور آباؤِ اجداد کے مومن ہونے کا بیان

تصنیف لطیف

امام اہل سنت مجدد عالم دین و ملت
علامہ غفرلہ حضرت شیخ الشاہ امام
احمد رضا خاں فاضل دیوبند

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ وسلم کے والدین کریمین نے آپ کے زمانہ نبوت کو نہیں پایا، ان کا انتقال زمانہ جاہلیت ہی میں ہو گیا تھا، بعض حضرات ان کو محض اس لئے کافر و مشرک کہتے ہیں کہ ان کا انتقال زمانہ جاہلیت میں ہوا، لیکن یہ دلیل دُرست نہیں، زمانہ کتنا ہی کیوں نہ بگڑ جائے، اور ماحول پر کتنی ہی تاریکیاں کیوں نہ چھا جائیں مگر حق کی چنگاریاں کہیں نہ کہیں ضرور دبی ہوتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے اللہ نے پاک پیٹھوں اور پاک پیٹوں میں منتقل کیا۔“ اگر معاذ اللہ آپ کے والدین میں کوئی کافر و مشرک ہوتا تو وہ ناپاک ہوتا کیونکہ کفر و شرک کی نجاست سے بڑھ کر کون سی نجاست ہوگی؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مستند حوالوں سے اسی مسئلے کو واضح کیا ہے کہ آپ کے والدین مومن تھے اور نہ صرف مومن بلکہ صحابی تھے، وہ صحابی کیسے ہوئے؟ یقیناً آپ کے لئے یہ بات حیرت انگیز ہوگی لیکن جب آپ اعلیٰ حضرت کا رسالہ ”شمول الاسلام“ ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کی یہ حیرت یقیناً حق میں تبدیل ہو جائے گی۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِسْتَفْتَا

از معسکر بنگلور، مسجد جامع مدرسہ جامع العلوم مرسلہ حضرت مولانا
مولوی شاہ محمد عبدالغفار صاحب قادری نسباً و طریقتاً، اعلیٰ مدرس مدرسہ مذکور

۲۱ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ سرور کائنات، مفر
موجودات، رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ آدم علی
نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام تک مومن تھے یا نہیں؟ بینوا توجروا ل
(اس سوال کے جواب میں ”ہدایۃ الغوی فی اسلام آباء النبی“ مصنفہ
مولوی صاحب موصوف تھا، یہ اسی کی تصدیق میں لکھا گیا ہے)

فتویٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ الدَّائِمُ الْبَاطِنُ الظَّاهِرُ، صَلَّ وَسَلَّمْ عَلٰی
الْمُصْطَفٰی الْكَرِیْمِ نُورِكَ الطَّیْبُ الظَّاهِرُ الزَّاهِرُ الَّذِیْ نَزَّهَتْهُ مِنْ كُلِّ
وَاوْدَعَتْهُ فِیْ كُلِّ مُسْتَوْدَعٍ طَاهرٍ وَ نَقَلَتْهُ مِنْ طَیْبٍ اِلٰی طَیْبٍ فَلَهُ
الطَّیْبُ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَعَلٰی اِلٰهِ وَ صَحْبِهِ الْاَطَّابِ الْاَطَّاهِرِ. امین
اولاً اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلْعَبْدٌ مِّنْ مَّوْمِنٍ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (پ ۶ البقرہ آیت ۲۲۱)

بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک ہے۔

اور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرُنًا فَقَرُنًا حَتَّى كُنْتُ فِي
الْقُرُونِ الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ

(صحیح بخاری، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۵۰۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ہر قرن و طبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک
کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔

رواۃ البخاری فی صحیحہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت امیر المومنین مولیٰ المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ
کی حدیث صحیح میں ہے:

لَمْ يَزَلْ عَلِيٌّ وَجْهَ الدَّهْرِ (الْأَرْضِ) سَبْعَةَ مُسْلِمِينَ فَصَاعِدًا
فَلَوْلَا ذَلِكَ هَلَكَتِ الْأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا

(شرح الزرقانی علی المواہب، وفاة امہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۰۴) (مطبوعہ عامر مصر)

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے
ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

اخرجہ عبدالرزاق وابن المنذر بسند صحیح علی شرط الشیخین

حضرت عالم القرآن جلال اللہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہما کی حدیث صحیح میں ہے۔

مَا خَلَّتِ الْأَرْضُ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ مِنْ سَبْعَةِ يَدَفَعُ اللَّهُ بِهِمْ عَنْ
أَهْلِ الْأَرْضِ. (شرح الزرقانی علی المواہب، وفاة امہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۰۴)

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔ جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر لا اقل سات مسلمان بندگانِ مقبول ضرور رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے ■ لوگ ہر زمانے، ہر قرن میں خیارِ قرن سے، اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم بالانساب ہو، کسی غلامِ مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا۔ تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و امہات ہر قرن اور طبقہ میں انھیں بندگانِ صالح و مقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقرآنِ عظیم میں ارشاد حق جل و علا کے مخالف ہوگا۔

اقول۔ ۱۔ وَالْمَغْنَىٰ أَنَّ الْكَافِرَ لَا يَسْتَأْهِلُ شَرْعًا أَنْ يُطْلَقَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مِنْ خِيَارِ الْقَرْنِ لَا سِيَّمَا وَهَنَاكَ مُسْلِمُونَ صَالِحُونَ وَإِنْ لَمْ يُرَادِ الْخَيْرِيَّةُ إِلَّا بِحَسَبِ النَّسَبِ فَافْهَمْ

یہ دلیل امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملتہ والدین سیوطی قدس سرہ نے افادہ فرمائی، فاللہ یجزیہ الجزاء الجمیل: (پ ۱۰ التوبہ آیت ۲۷)

ثانیاً: قَالَ اللہ عزوجل اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ۔ کافر تو ناپاک ہی ہیں، اور حدیث میں ہے، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ میں کہتا ہوں کہ مراد یہ ہے کہ کافر شرعاً اس بات کا مستحق نہیں کہ اس خیر القرن کہا جاسکے بالخصوص جبکہ مسلمان صالح موجود ہوں اگرچہ خیریت نسب ہی کے لحاظ سے

کیوں نہ ہو۔ ۱۲

لَمْ يَزَلِ اللَّهُ يَنْقُلْنِي مِنْ أَصْلَابٍ طَيِّبَةٍ إِلَىٰ أَرْحَامٍ طَائِرَةٍ
صَافِيًا مُّهَذَّبًا لَا تَتَشَعَّبُ شُعْبَتَانِ إِلَّا كُنْتُ فِي خَيْرِهُمَا

(دلائل النبوة للبقی، ذکر فضیلہ صلی اللہ علیہ وسلم بطیب مولدہ ج ۱ ص ۱۱ بیروت)

ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے اللہ تعالیٰ پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف
ستھرا آراستہ۔ جب دو شاخیں پیدا ہوئیں، میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔

اور ایک حدیث میں ہے، فرماتے ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

لَمْ أَزَلْ أُنْقَلُ مِنْ أَصْلَابِ الطَّاهِرِينَ إِلَىٰ أَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ
(شرح الزرقانی، باب وفاة لہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۰۲) (مطبوع عامرہ مصر)
میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں
نقل ہوتا رہا۔

رواہما ابو نعیم فی دلائل النبوة، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

لَمْ يَزَلِ اللَّهُ يَنْقُلْنِي مِنَ الْأَصْلَابِ الْكَرِيمَةِ وَالْأَرْحَامِ
الطَّاهِرَةِ حَتَّىٰ أَخْرَجَنِي مِنْ بَيْنِ أَبَوَيْ. (کتاب النقاء، الباب الثالث، ج ۱ ص ۲۲۱)
ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں
نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا، تو ضرور ہے
کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین و امہات
کرام طاہرات سب اہل ایمان و توحید ہوں کہ جنہیں قرآن عظیم کسی کافر
کافرہ کے لئے کرم و طہارت سے حصہ نہیں۔

۱۔ تشریح

یہ دلیل امام اجل فخر المحکمین علامۃ الوریٰ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے افادہ فرمائی اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی اور علامہ تلمسانی شارح شفا و امام ابن حجر مکی و علامہ محمد زرقانی شارح مواہب وغیرہم اکابر نے اس کی تائید و تصویب کی۔

ثالثاً قال اللہ تبارک تعالیٰ۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ

وَتَقْلُبُكَ فِي السَّاجِدِينَ (پ ۱۹ الشراآء آیت ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹)

بھروسہ زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوا اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔

امام رازی فرماتے ہیں، معنی آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا، تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے، امام سیوطی و امام ابن حجر و علامہ زرقانی وغیرہم اکابر نے اس کی تقریر و تائید و تاکید و تشہید فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے مؤید روایت ابو نعیم کے یہاں آئی۔ وَقَدْ صَرَّحُوا أَنَّ الْقُرْآنَ مُحْتَجٌّ بِهِ عَلَى جَمِيعٍ وَ جُوهٍ وَلَا يَنْفِي تَاوِيلَ تَاوِيلًا وَيَشْهَدُ لَهُ عَمَلُ الْعُلَمَاءِ فِي الْاِخْتِجَاجِ بِالْآيَاتِ عَلَى أَحَدِ التَّأْوِيلَاتِ قَدِيمًا وَ حَدِيثًا۔

(علماء نے تصریح کی ہے کہ قرآن پاک کی ہر وجہ سے استدلال کیا جائے گا اور کوئی ایک تاویل دوسری تاویل کی نفی نہیں کرتی، اس کیلئے علماء کا عمل گواہ ہے کہ وہ پرانے اور نئے زمانے میں آیات مبارکہ کی کوئی تاویلات

میں سے ایک سے استدلال کرتے رہے ہیں۔)

رَابِعاً، قَالَ الْمَوْلَى سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (پ ۱۳۵ لُفْطِی آیت ۵)

البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔
اللہ اکبر، بارگاہِ عزت میں، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و
وجاہت و محبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل و علانے فرمایا ہی تھا۔

سَنَرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوكَ بِهِ

قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کر دیں گے
اور تیرا دل بُرا نہ کریں گے۔

رواہ مسلم فی صحیحہ (صحیح مسلم، باب دعاء النبی ﷺ لامتہ ج ۱ ص ۱۱۳، قدیمی
کتب خانہ کراچی) مگر اس عطا و رضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو طالب کی نسبت فرمایا:

وَجَدْتُهُ فِي غَمْرَاتٍ مِّنَ النَّارِ فَأَخْرَجْتُهُ إِلَى ضَحَضَاحٍ

(صحیح مسلم باب شفاعۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۱۵ قدیمی کتب خانہ)

میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ
میں کر دیا:

رواہ البخاری و مسلم عن العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

دوسری روایت صحیح میں فرمایا:

وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

(صحیح مسلم، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابنِ طالب ج ۱ ص ۱۱۵)

اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔
رواہ ایضاً عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَاباً

(صحیح مسلم، باب شفاعۃ النبی ﷺ لابی طالب ج ۱ ص ۱۱۵)

دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔

رویاہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابو طالب کو اس سے کیا نسبت! پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انھیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانہ اسلام پایا، تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابو طالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے ہوتے، یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں، واللہ الحمد، اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ (امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے اشارہ فرمایا۔

اقول و باللہ التوفیق، تقریر دلیل ہے کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں ابو طالب چہ یہ تخفیف کس وجہ سے ہے؟ آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاری و غم خواری و پاسداری و خدمت گزاری کے باعث یا اس لئے سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت طبعی تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عَمُّ الرَّجُلِ صِنُّوَابِيهِ

(مسند امام احمد، عن ابی ہریرہ، ج ۲ ص ۳۳۲، بیروت)

آدی کا چچا اس کے باپ کے بجائے ہوتا ہے۔

رواہ الترمذی بسند حسن عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و
عن علی والطبرانی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم
شق اول باطل ہے، قال اللہ عزوجل

وَقَدْ مَنَّآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا

(پ ۱۹ الفرقان آیت ۲۳)

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں، لا جرم شق
ثانی ہی صحیح ہے اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد، ابو طالب کے عمل
کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراپا
آگ میں غرق پایا، عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا، پھر خود حضور کا
ارشاد کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا، میں نہ ہوتا تو وہ جہنم
کے طبقہ زیریں میں ہوتا۔

لا جرم یہ تخفیف صرف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس خاطر اور حضور کا
اکرام ظاہر و باہر ہے اور بالبدلیۃ واضح کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر
اقدس پر ابو طالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہو سکتا جس قدر معاذ اللہ
والدین کریمین کا معاملہ، نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی ٹھنڈک جو
حضرات والدین کے بارے میں، نہ ان کی رعایت میں حضور کا اعزاز و
اکرام جو حضرات والدین کے چھٹکارے میں، تو اگر عیاذ باللہ اہل جنت

نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت و عنایت کے زیادہ مستحق تھے، بوجہ آخر فرض کیجئے کہ یہ ابوطالب کے حق پرورش و خدمت ہی کا معاوضہ ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہو سکتی ہے؟ کون سی خدمت حمل و وضع کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق، حق والدین کے برابر ہو سکتا ہے جسے رب العزت نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا:

أَنْ أَشْكُرَ لِي وَلَوْلَا الَّذِيكَ (پ ۲۱ لقمان آیت ۱۲)

حق مان میرا اور اپنے والدین کا

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہر چند حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے کو کہا، نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا، جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھی معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا، بخلاف ابویں کریمین کہ نہ انھیں دعوت دی گئی، نہ انکار کیا، تو ہر وجہ، ہر لحاظ، ہر حیثیت سے یقیناً انھیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے تو ابوطالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور کہ ابویں کریمین اہل ناری سے نہ ہوں، وَ هُوَ الْمَقْصُودُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْوَدُودِ.

خامساً۔ اقول:

قال المولى عز و علا:

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ. أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

هُمْ الْفَائِزُونَ. (پ ۲۸ الحشر آیت ۲۵)

برابر نہیں دوزخ والے اور جنت والے اور جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔

حدیث میں ہے، حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے اولاد امجاد حضرت عبدالمطلب سے ایک پاک طیبہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آتے دیکھا، جب پاس آئیں، فرمایا:

مَا أَخْرَجَكَ مِنْ بَيْتِكَ
اپنے گھر سے باہر کہاں گئی تھیں
عرض کی:

أَتَيْتُ أَهْلَ هَذَا الْمَيِّتِ فَتَرَحَّمْتُ إِلَيْهِمْ وَعَزَّيْتُهِمْ بِمَيِّتِهِمْ
یہ جو ایک موت ہو گئی تھی میں ان کے یہاں تعزیت اور دعائے رحمت کرنے گئی تھی۔

فرمایا: لَعَلَّكَ بَلَغْتَ مَعَهُمُ الْكَدَى

شاید تو ان کے ساتھ قبرستان تک گئی۔

عرض کی۔ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ أَكُونَ بَلَغْتُهَا وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَذْكُرُ فِي ذَلِكَ مَا تَذْكُرُ

خدا کی پناہ کہ میں وہاں جاتی حالانکہ حضور سے سن چکی تھی جو کچھ اس باب میں ارشاد کیا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم نے فرمایا:

لَوْ بَلَغْتُهَا مَا رَأَيْتُ الْجَنَّةَ حَتَّى يَرَاهَا جَدُّ أَبِيكَ

اگر تو ان کے ساتھ وہاں تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبدالمطلب نہ دیکھیں۔

رواہ ابو داؤد و النسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۱۶،

حدیث (۱۸۸۱) واللفظ له، عن عبد اللہ بن عمر وابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما اما ابو داود فتا دب دکنی وقال فذكر تشديدا في ذالك و اما عبد الرحمن دمي لتبليغ العلم و اداء الحديث على وجه لكل وجهه هو مؤلفها

یہ تو حدیث کا ارشاد ہے، اب ذرا عقائد اہلسنت پیش نظر رکھتے ہوئے نگاہ انصاف درکار، عورتوں کا قبرستان جانا غایت درجہ اگر ہے تو معصیت ہے اور ہرگز کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کر سکتی۔ اہلسنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگرچہ معاذ اللہ مواخذے کے بعد اور کافر جنت میں جانا محال شرعی کہ ابد الابد تک کبھی ممکن ہی نہیں، اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب اور بے ضرورت تاویل ناجائز اور عصمت، نوع بشر میں خاصہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔

ان کے غیر سے اگرچہ کیا ہی عظیم الدرجات ہو، وقوع گناہ ممکن و متصور، یہ چاروں باتیں عقائد اہلسنت میں ثابت و مقرر، اب اگر بحکم مقدمہ رابعہ مقابلہ تک بلوغ فرض کیجئے تو بحکم مقدمہ ثالثہ جزا کا ترتب واجب اور اس تقدیر پر کہ حضرت عبدالمطلب کو معاذ اللہ غیر مسلم کہئے بحکم مقدمہ متین اولین و نیز بحکم آیت کریمہ محال و باطل، تو واجب ہوا حضرت عبدالمطلب مسلمان و اہل جنت ہوں۔ اگرچہ مثل صدیق و فاروق و عثمان و علی و زہرا و صدیقہ و غیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم، سابقین اولین میں نہ ہوں۔ اب معنی حدیث بلا تکلف اور بے حاجت تاویل و تصرف عقائد اہل سنت سے مطابق ہیں۔ یعنی

اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اولین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا، بلکہ اس وقت جبکہ عبدالمطلب داخل بہشت ہوں گے، ہکذا یعنی التحقیق واللہ تعالیٰ و فی التوفیق۔

سادساً أقول، قال ربنا الاعز الا علی عز وعلا:

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ

عزت تو اللہ و رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو علم نہیں۔

وقال تعالیٰ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْوَاهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(پ ۱۲۶ الحجرات آیت ۱۳)

اے لوگو! ہم نے بنایا تمہیں ایک نر و مادہ سے اور کیا تمہیں قومیں اور قبیلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، بیشک اللہ کے نزدیک تمہارا زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان آیات کریمہ میں رب العزت جل علانے عزت و کرم کو مسلمانوں میں منحصر فرما دیا، اور کافر کو کتنا ہی قوم وار ہو، لئیم و ذلیل ٹھہرا دیا، اور کسی لئیم و ذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لئے باعث مدح نہیں و لہذا کافر باپ دادوں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ اَنْتَسَبَ اِلَى تِسْعَةِ اَبَاءٍ كُفَّارٍ يُرِيدُ بِهِمْ عِزًّا وَ كَرَامًا كَانَ
عَاشِرُهُمْ فِي النَّارِ.

جو شخص عزت و کرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کا ذکر کرے کہ میں
فلان ابن فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں، ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔

رواہ الامام احمد، عن ابی ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بسند صحیح (ج ۴ ص
۱۳۴ بیروت) اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت کہ حضو اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز و مدح میں بارہا اپنے
آباء کرام و امہات کرام کا ذکر فرمایا۔

روز حنین جب ارادۃ الہیہ سے تھوڑی دیر کے لئے کفار نے غلبہ پایا،
معدودے بندے رکاب رسالت میں باقی رہے، اللہ غالب کے رسول غالب
پر شان جلال طاری تھی:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ.

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۱، باب من قاد دلبۃ غیرہ فی الحرب)

میں نبی ہوں، کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں بیٹا عبدالمطلب کا۔

رواہ احمد و البخاری و مسلم و النسائی عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضور قصد فرما رہے ہیں کہ تنہا ان ہزاروں کے مجمع پر حملہ فرمائیں۔
حضرت عباس بن عبدالمطلب و حضرت ابوسفین بن حارث بن عبدالمطلب
رضی اللہ تعالیٰ عنہما بغلہ شریف کی لگام مضبوط کھینچے ہوئے ہیں کہ بڑھ نہ جائے
اور حضور فرما رہے ہیں۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ. اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۵۰۷، ادارۃ القرآن کراچی)

میں سچا نبی ہوں، اللہ کا پیارا، عبدالمطلب کی آنکھ کا تارا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ و ابو نعیم عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
امیر المؤمنین حضرت عمر لگام روکے ہیں اور حضرت عباس دپچی تھامے
اور حضور فرما رہے ہیں۔ قَدْ مَا هَا. اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ. انا ابن عبدالمطلب
اے بڑھنے دو، میں ہوں نبی، صریح حق پر، میں ہوں عبدالمطلب کا پسر، صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رواہ ابن عساکر عن مصعب بن شیبہ عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
جب کافر نہایت قریب آ گئے بغلہ طیبہ سے نزولِ اجلال فرمایا۔ اس
وقت بھی یہی فرماتے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ. اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ
میں ہوں نبی برحق سچا، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، الہی اپنی مدد نازل فرما۔
رواہ ابن ابی شیبہ و ابن جریر عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر ایک مشت
خاک دستِ پاک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا:
اَسَاطَتْ الْوُجُوهُ
بگڑ گئے چہرے

(تفسیر ابن جریر، زیر آیت لقد نصرکم اللہ مطبوعہ مینہ مصر، ج ۱۰ ص ۶۴)

وہ خاک ان ہزاروں کافروں پر ایک ایک کی آنکھ میں پہنچی اور سب
کے منہ پھر گئے۔ ان میں جو مشرف بہ اسلام ہوئے وہ بیان فرماتے ہیں،
جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں ہماری طرف
پھینکیں، ہمیں یہ نظر آیا کہ آسمان سے زمین تک تانبے کی دیوار قائم کر دی

گئی اور اس پر سے پہاڑ ہم پر لڑھکائے گئے، سوائے بھاگنے کے کچھ نہ بن آئی۔ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی الْحَقِّ الْمُبِينِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَ اٰلِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اسی غزوہ کے رجز میں ارشاد فرمایا:

اَنَا ابْنُ الْعَوَاتِكِ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ۔ (الجامع الصغير مع فيض القدير، للإمام السيوطي ج ۳ ص ۳۸ بیروت) میں بنی سلیم سے ان چند خاتونوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔ رواہ سعید بن منصور فی سننہ والطبرانی فی الکبیر عن سباتہ بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک حدیث میں ہے، بعض غزوات میں فرمایا:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَا ابْنُ الْعَوَاتِكِ
میں نبی ہوں، کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، میں ہوں
ان بیبیوں کا بیٹا جن کا نام عاتکہ تھا۔ رواہ ابن عساکر عن قتادہ۔ (ج ۱ ص ۸۲۹، بیروت)

علامہ مناوی صاحب تیسیر و امام مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و جوہری صاحب صحاح و صنعانی وغیرہم نے کہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ ابن بری نے کہا، وہ بارہ بی بیوں کا نام عاتکہ نام کی تھیں، تین سلمیات یعنی قبیلہ بن سلیم سے اور دو قرشیات، دو عدوانیات اور ایک کنانہ، اسدیہ، ہذلیہ، قضاعیہ، ازدیہ، ذکرہ فی تاج العروس۔ ابو عبد اللہ عدوسی نے کہا: وہ بی بیوں چودہ تھیں۔ تین قرشیات، چار سلمیات، دو عدوانیات اور ایک ہذلیہ، فحطانیہ، قضاعیہ، ثقفیہ، اسدیہ بنی اسد خزیمہ سے رواہ الامام الجلال السيوطي فی الجامع

الکبیر۔ اور ظاہر ہے کہ قلیل ثانی کثیر نہیں۔

حدیث آئندہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقام مدح و بیان فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کر کے فرمایا: میں سب سے نسب میں افضل، باپ میں افضل، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تو بحکم نصوص مذکورہ ضرور ہے کہ حضور کے آباء و امہات مسلمین و مسلمات ہوں، واللہ الحمد۔

سابعاً، قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ: (پ ۱۲ ہود آیت ۴۶)

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

(تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۲۸۹، بیروت)

اے نوح! یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں، یہ تو ناراستی کے کام والا ہے آیت کریمہ نے مسلم و کافر کا نسب قطع فرما دیا و لہذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا، اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ لَا نَنْتَفِي مِنْ بَيْنَا

(مسند امام احمد ج ۵ ص ۲۱۱، عن اشعث بن قیس، بیروت)

ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں، ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔

رواہ ابو داؤد الطیاسی و ابن سعد والامام احمد و ابن ماجہ والحرث و الماوردی وسموہ و ابن قانع والطبرانی فی الکبیر و ابو نعیم و الضیاء المقدسی فی صحیح المختارۃ عن الاشعث بن قیس الکندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کفار سے نسب بجکم حکم الحاکمین منقطع ہے، پھر معاذ اللہ جدا نہ کرنے کا کیا محل ہوتا۔

ثَامِنًا وَتَاسِعًا۔ اَقُولُ

قال العلی الاعلیٰ تبارک وتعالیٰ

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اُولَئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّٰلِحٰتِ اُولَئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ (پ ۳۵ البیۃ آیت ۷، ۸)

بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، وہ سارے جہان سے بدتر ہیں۔ بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہان سے بہتر ہیں۔

اور حدیث میں ہے، رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

غَفَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِزَیْدِ بْنِ عَمْرٍو رَحِمَہُ فَاِنَّہٗ مَاتَ عَلٰی دِیْنِ اِبْرَٰہِیْمَ (الجامع الصغیر مع فیض القدیر، امام جلال الدین سیوطی، ج ۴ ص ۴۰۶، بیروت)

اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تھے۔

رواہ البزار والطبرانی عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اور ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا: رَآیْتُهُ فِی الْجَنَّةِ یَسْحَبُ ذِیْوَلًا۔ میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا۔

رواہ ابن سعد والفاظہی عن عامر بن زبیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور بیہقی
و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالیٰ
عنہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، و ہذا رواۃ
البیہقی:

أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ
عَبْدِ الْمُنَافِ بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ
بْنِ فَهْرٍ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خَزِيمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ ابْنِ
الْيَاسِ بْنِ مُضَرٍّ نَزَارِ بْنِ مَعَدٍ بْنِ عَدْنَانَ مَا افْتَرَقَ النَّاسُ فِرْقَتَيْنِ
إِلَّا جَعَلَنِي اللَّهُ فِي خَيْرِهِمَا فَأَخْرَجَتْ مِنْ بَيْنِ آبَائِي فَلَمْ يُصِبنِي
شَيْءٌ مِّنْ عَهْدِ الْجَاهِلِيَّةِ وَأَخْرَجَتْ مِنْ نِكَاحٍ وَلَمْ أَخْرَجْ مِنْ سِفَاحٍ
مِّنْ لَّدُنْ آدَمَ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى أَبِي وَأُمِّي فَأَنَا خَيْرُكُمْ نَفْسًا
وَأَخَيْرُكُمْ أَبَا وَفِي لَفْظٍ فَأَنَا خَيْرُكُمْ نَسَبًا وَخَيْرُكُمْ أَبَا (دلائل النبوة ص ۷۳)
میں ہوں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم، یوں ہی اکیس پشت
تک نسب نامہ مبارک بیان کر کے فرمایا:

کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہتر گروہ میں
کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ
تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا، آدم سے لے کر اپنے
والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے
آباء سے بہتر۔

اس حدیث میں اول تو نفی عام فرمائی کہ عہد جاہلیت کی کسی بات نے

نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی، یہ خود دلیل کافی ہے اور امر جاہلیت کو خصوص زنا پر حمل کرنا ایک تو تخصیص بلا تخصص، دوسرے لغو کہ نفی زنا صراحۃً اس کے متصل مذکور۔ ثانیاً ارشاد ہوتا ہے، کہ میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔ ان سب میں حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی قطعاً داخل تو لازم کہ والد ماجد حضرت زید سے افضل ہوں اور یہ بحکم آیت بے اسلام ناممکن۔

عاشرا۔ اقول۔ قال اللہ عزوجل

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (پ ۸ الانعام آیت ۱۲۴)

خدا خواب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔

آیہ کریمہ شاہد کہ رب العزۃ عز و علا سب سے زیادہ معزز و محترم موضع وضع رسالت کے لئے انتخاب فرماتا ہے۔ ولہذا کبھی کم قوموں، رذیلوں میں رسالت نہ رکھی، پھر کفر و شرک سے زیادہ رذیل کیا شے ہوگی، وہ کیونکر اس قابل کہ اللہ عزوجل نور رسالت اس میں ودیعت رکھے۔ کفار محل غضب و لعنت ہیں اور نور رسالت کے وضع کو محل رضا و رحمت درکار۔

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک بار خوف و خشیت کا غلبہ تھا، گریہ و زاری فرما رہی تھیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی۔ یا ام المومنین! کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزت جل و علا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفیٰ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جوڑا بنایا؟

ام المومنین نے فرمایا:

فَرَجْتُ عَنْنِي فَرَجَ اللَّهُ عَنْكَ (کنز العمال ج ۱۱ حدیث ۳۱۹۳۹)
تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے۔
خود حدیث میں ہے، حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ أَبَى لِي أَنْ أَتَزَوَّجَ أَوْ أَزَوِّجَ إِلَّا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ
(الجامع الصغیر، امام جلال الدین سیوطی، ج ۲ ص ۱۹۹، بیروت)
پیشک اللہ عزوجل نے میرے لئے نہ مانا کہ میں نکاح میں لائے یا
نکاح میں دینے کا معاملہ کروں مگر اہل جنت سے!

رواہ ابن عساکر عن ہند بن ابی ہالۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
پسند نہ فرمایا، خود حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک معاذ اللہ محل کفر میں
رکھنے یا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم پاک عیاذ باللہ خون کفار سے
بنانے کو پسند فرمایا، کیونکر متوقع ہو؟

یہ بحمد اللہ تعالیٰ، دس دلیل جلیل ہیں، پہلی چار ارشاد آئمہ کبار، اور چھ
اخیر فیض قدیر سے۔ حصہ فقیر تلک عشرۃ کاملہ، والحمد للہ فی
الاولیٰ والآخرۃ تنبیہات باہرہ حدیث ان ابی و اباک میں باپ سے
ابو طالب مراد لینا طریق واضح ہے۔ قال تعالیٰ!

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ
إِسْحَاقَ. (پ ۱ البقرہ آیت ۱۳۳)

علماء نے اسی پر لابیہ ازر کو حمل فرمایا، اہل توارخ و اہل کتابیں کا

اجماع ہے، کہ ازرباب نہ تھا۔ سیدنا خلیل علیہ السلام الجلیل کا چچا تھا۔ استغفار سے نبی معاذ اللہ عدم توحید پر دال نہیں۔ صدر الاسلام میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدیون (مقروض) کے جنازے پر نماز نہ پڑھتے جس کا حاصل اس کے لئے استغفار ہی ہے۔ اَقُولُ، حدیث میں ہے:

جب حضور سید الشافعیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے داخل جنتاں فرماتے جائیں گے، اخیر میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی حسنہ نہیں۔ شفیع مشفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر سجدے میں گریں گے، حکم ہوگا!

يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تَسْمَعُ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعُ. (بخاری ج ۲ ص ۱۱۱۸، دہلی)

اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ سید الشافعیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے۔

يَا رَبِّ اِئْذَنْ لِيْ فِيمَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ.

اے میرے رب مجھے ان کی بھی پروا لگی دے دے جنہوں نے صرف لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے۔ رب العزت عز جلالہ ارشاد فرمائے گا۔

لَيْسَ ذَاكَ اِلَيْكَ لَكِنْ وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ وَ كِبْرِيَايِيْ وَ

عَظَمَتِيْ لَا خُرْجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ

(صحیح مسلم، باب اثبات الشفاعۃ، ج ۱ ص ۱۱۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ تمہارے لئے نہیں مگر مجھے اپنی عزت و جلال و کبریائی کی قسم میں

ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
 عَلَى الشَّافِعِ الرَّفِيعِ وَالهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ، رواه الشيخان عن انس بن
 مالك رضي الله عنه۔

حضرات ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال عہد اسلام سے
 پہلے تھا تو اس وقت تک وہ صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے تو منہی از
 قبیل، لیس ذلک لک ہے۔ بعدہ رب العزۃ جل جلالہ، نے اپنے نبی کریم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں ان پر اتمامِ نعمت کے لئے اصحاب
 کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم پر ایمان لا کر، شرف صحابیت پا کر آرام فرمایا، لہذا حکمت الہیہ کہ یہ
 زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا جبکہ قرآن عظیم پورا تر لیا اور اَلْیَوْمَ
 اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی (پ ۶ المائدہ آیت ۳) نے
 نزول فرما دین الہی کو تام و کامل کر دیا تاکہ ان کا ایمان پورے دین کامل
 شرائع پر واقع ہو۔

حدیث احیا کی غایت ضعف ہے۔ کما حقہ خاتم الحفاظ الجلال السیوطی
 ولا عطر بعد العروس۔ اور حدیث ضعیف دربارہ فضائل مقبول، کما حققناہ
 بما لا مزید علیہ فی رسالتنا الہاد الکاف فی حکم الضعاف، بلکہ امام
 ابن حجر مکی نے فرمایا، متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی۔ افضل القرے لقراء ام
 القری میں فرماتے ہیں۔

إِنَّ أَبَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ الْأَنْبِيَاءِ وَ

أُمَّهَاتِهِ إِلَىٰ آدَمَ وَ حَوَاءَ لَيْسَ فِيهِمْ كَافِرٌ لِأَنَّ الْكَافِرَ لَا يُقَالُ فِي حَقِّهِ أَنَّهُ مُخْتَارٌ وَلَا كَرِيمٌ وَلَا طَاهِرٌ بَلْ نَجِسٌ وَقَدْ صَرَّحَتْ الْأَحَادِيثُ بِأَنَّهُمْ مُخْتَارُونَ وَأَنَّ الْآبَاءَ كِرَامًا وَالْأُمَّهَاتُ طَاهِرَاتٌ وَابْنُ قَالَ تَعَالَى وَ تَقَلُّبُكَ فِي السَّاجِدِينَ، عَلَى أَحَدِ التَّفَاسِيرِ فِيهِ أَنَّ الْمُرَادَ تَنْقُلُ نُورَهُ مِنْ سَاجِدٍ إِلَى سَاجِدٍ وَ حِينَئِذٍ فَهَذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ أَبَوِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِنَةٌ وَعَبْدُ اللَّهِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ لِأَنَّهُمَا أَقْرَبُ الْمُخْتَارِينَ لَهُ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ بَلْ فِي حَدِيثٍ صَحَّحَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحَفَازِ وَلَمْ يَلْتَفِتُوا لِمَنْ طَعَنَ فِيهِ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَحْيَا هُمَا فَأَمَّا بِهِ الْخِمْصُ وَمُخْتَصِرًا وَ فِيهِ طَوْلٌ.

یعنی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں، ان کے سوا حضور کے جس قدر آباء و امہات آدم و حوا علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جاسکتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ ۱۱ سب پسندیدہ بارگاہ الہی ہیں، آباء سب کرام، مائیں سب پاکیزہ ہیں اور آیت کریمہ وَ تَقَلُّبُكَ فِي السَّاجِدِينَ کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اہل جنت ہیں کہ ۱۱ تو ان بندوں میں جنہیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے چنا تھا سب سے

قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا، تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے زندہ فرمایا، یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔ ہکذا قال واللہ تعالیٰ اعلم۔

اقول: وَبِمَا قُرِئَتْ أَمْرَ الْأَحْيَاءِ أَنْدَفَعَ مَا زَعِمَ الْحَافِظُ دُجِيَّةً مِنْ مُخَالَفَةِ آيَاتِ عَدَمِ انْتِفَاعِ الْكَافِرِ بَعْدَ مَوْتِهِ كَيْفَ وَ أَنَا لَا تَقُولُ إِنَّ الْأَحْيَاءَ لَا خُدَاثَ إِيْمَانٍ بَعْدَ كُفْرِهِ بَلْ لَا عَطَاءَ الْإِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ تَفَاصِيلِ دِينِهِ الْأَكْرَامَ بَعْدَ الْمُضِيِّ عَلَى مَحْضِ التَّوْحِيدِ وَ حِينَئِذٍ لَا حَاجَةَ بِنَا إِلَى ادِّعَاءِ التَّخْصِصِ فِي آيَاتٍ كَمَا فَعَلَ الْعُلَمَاءُ الْمُجِبُّونَ

اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے ۔

لَمْ يَمِنْ مَذْهَبِي حُبَّ الدِّيَارِ لِأَهْلِهَا

وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبَ

جسے یہ پسند ہو فیہا و نعمت ورنہ آخر اس سے تو کم نہ ہو کہ زبان روکے، دل صاف رکھے۔ ان ذاکم کان یوذی النبی، نے ڈرے۔ امام ابن حجر مکی شرح میں فرماتے ہیں۔

مَا أَحْسَنَ قَوْلَ الْمُتَوَقِّفِينَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ الْحَذَرُ الْحَذَرُ مِنْ ذِكْرِهِمَا بِنَقْصٍ فَإِنَّ ذَلِكَ قَدْ يُوْذِيهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْرٍ

۱۔ میرا مذہب تو شہر والوں کی وجہ سے شہر سے محبت کرنا ہے، اور لوگوں کے لئے ان کی پسندیدہ چیزوں میں مختلف طریقے ہیں۔

الطبرانی لا تُؤذِرُ الْأَحْيَاءَ بِسَبَبِ الْأَمْوَاتِ

یعنی کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنہیں اس مسئلے میں توقف تھا کہ دیکھ
بیچ! والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے،
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو۔
یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں، ہمارے تمام افعال و اقوال پر مطلع ہیں،
اور اللہ عز وجل نے فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

عاقل کو چاہئے ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔ ع

ہشدار کہ رہ مردم تیغ است قدم را

یہ مانا کہ مسئلہ قطعی نہیں، اجماعی نہیں، پھر ادھر کون سا قاطع کون سا
اجماع ہے، آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے
معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے، جس طرح حدیث میں ہے، رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْإِمَامَ لَإِنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي

الْعُقُوبَةِ (جامع ترمذی، باب ما جاء فی در الحدود ج ۱ ص ۱۷۱، مجتہائی)

جہاں تک بن پڑے حدود کو ٹالو کہ بیشک امام کا معافی میں خطا کرنا

عقوبت میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔

رواہ ابن ابی شیبہ والترمذی والحاکم وصحیحہ والبیہقی عن ام المومنین رضی

اللہ تعالیٰ عنہا،

حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احياء العلوم شریف میں فرماتے ہیں، کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲۵ مطبوعۃ المشہد الحسینی قاہرہ) مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف معاذ اللہ جنیں و چناں سے ہونا کیونکر بے تواتر قطع نسبت کر دیا جائے۔ یقین برہانی کا انتفا حکم و جدائی کا نافی نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا وجدان ایمان گورا کرتا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرکار نور بار کے ادنیٰ ادنیٰ غلاموں کے سگان بارگاہ جناتِ نعیم میں سرور مرفوعة پر تکئے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے تصدق میں جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب و عذاب کی مصیبتیں بھریں، ہاں یہ سچ ہے کہ ہم غنی حمید عز و جلالہ پر حکم نہیں کر سکتے پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی، ادھر کون سی دلیل قاطع پائی؟ حاش! اللہ! ایک حدیث بھی صحیح، صریح نہیں، جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے ہرگز صریح نہیں جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کر دیئے، تو اقل درجہ وہی سکوت و حفظ ادب رہا آئندہ اختیارات بدست مختار

نکتۃ الہیہ:

اقول ظاہر عنوان باطن ہے اور اسم آئینہ مسے الاسماء تنزل من السماء سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِذَا بَعَثْتُمْ إِلَىٰ رَجُلًا فَأَبْعَثُوهُ حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الْأَسْمِ

(الجامع الصغیر، امام جلال الدین سیوطی، ج ۱ ص ۳۱۱، بیروت)

جب میری بارگاہ میں کوئی قاصد بھیجو تو اچھی صورت اچھے نام کا بھیجو
رواہ البزار فی مسندہ والطبرانی فی الاوسط عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ
عنه بسند حسن علی الاصح۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اِعْتَبِرُوا الْاَرْضَ بِاَسْمَائِهَا (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۵۲)
زمین کو اس کے نام پر قیاس کرو۔

رواہ ابن عدی عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہو حسن لشواہدہ
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَلُ وَلَا
يَتَطَيَّرُ وَكَانَ يُحِبُّ الْأَسْمَ الْحَسَنَ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک قال لیتے، بدشگونی نہ مانتے اور
اچھے نام کو دوست رکھتے۔

رواہ الامام احمد والطبرانی والبغوی فی شرح السنۃ۔
ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔
إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغَيِّرُ الْأَسْمَ
الْقَبِيحَ (جامع الترمذی، ما جاء فی تغیر الاسماء ج ۲ ص ۱۰۷، مجتہبی)
مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیتے۔

رواہ الترمذی و فی آخری عنہا: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ بِالْأَسْمِ الْقَبِيحِ حَوَّلَهُ إِلَى مَا هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ:
(الجامع الصغیر ج ۵ ص ۱۴۴، بیروت) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جب
کسی کا برا نام سنتے تو اس سے بہتر بدل دیتے۔ رواہ الطبرانی بسند صحیح و ہو عند
ابن سعد عن عروۃ مرسلًا

بریدہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَتَطَيَّرُ مِنْ شَيْءٍ فَإِذَا بَعَثَ غَامِلًا سَأَلَ عَنْ اسْمِهِ فَإِذَا أَعْجَبَهُ اسْمُهُ فَرِحَ بِهِ وَرَوَى بِشَرِّ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهُ رَوَى كَرَاهَتَهُ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ وَإِذَا دَخَلَ قَرْيَةً سَأَلَ عَنْ اسْمِهَا فَإِذَا أَعْجَبَهُ اسْمُهَا فَرِحَ بِهَا وَرَوَى بِشَرِّ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهَا رَوَى كَرَاهِيَةَ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ (سنن ابوداؤد، کتاب الکہانۃ والتطیر، ج ۲ ص ۱۹۱، مجتہبی)

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہ لیتے، جب کسی عہدے پر کسی کو مقرر فرماتے اس کا نام پوچھتے، اگر پسند آتا خوش ہوتے اور اس کی خوشی چہرہ انور میں نظر آتی اور اگر ناپسند آتا، ناگواری کا اثر چہرہ اقدس پر ظاہر ہوتا، اور جب کسی شہر میں تشریف لے جاتے اس کا نام دریافت فرماتے، اگر خوش آتا مسرور ہو جاتے اور اس کا سرور روئے پر نور میں دکھائی دیتا اور اگر ناخوش آتا ناخوشی کا اثر روئے ابھر میں نظر آتا۔ (رواہ ابوداؤد)

اب ذرا چشم حق میں سے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مراعات الہیہ کے الطاف خفیہ دیکھئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک عبد اللہ کہ افضل اسمائے امت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَحَبُّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ.

(جامع ترمذی، ما جاء ما یستحب من الاسماء ج ۲ ص ۱۰۶، مجتہبی)

تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کو عبد اللہ و

عبدالرحمن ہیں۔ رواہ مسلم و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم مبارک آمنہ کہ امن و امان سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے۔ جد امجد حضرت عبدالمطلب خلیۃ الحمد کہ اس پاک ستودہ مصدر سے اطیب و اطہر مشتق محمد و احمد و حامد و محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا۔ جدہ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ، اس پاک نام کی خوبی اظہر من الشمس ہے، حدیث میں حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ تسمیہ یوں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَطَمَهَا وَ مُجَبِّهَا مِنَ

النَّارِ (شرح فقہ اکبر لکھنؤ علی قاری ص ۱۳۳ مطبع قیومی کانپور)

اللہ تعالیٰ عز و جل نے اس کا نام فاطمہ اس لئے رکھا کہ اسے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کو نار و دوزخ سے آزاد فرمایا۔ رواہ الخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضور کے جد مادری یعنی نانا، وہب، جس کے معنی عطا و بخشش، ان کا قبیلہ بنی زہرا، جس کا حاصل چمک و تابش، جدہ مادری، یعنی نانی صاحبہ بڑہ یعنی نیکوکار، کما ذکر ابن ہشام فی سیرتہ

بھلا یہ تو خاص اصول ہیں، دودھ پلانے والیوں کو دیکھئے، پہلی مرضعہ ثوبیہ کہ ثواب سے ہم اشتقاق اور اس فضل الہی سے پوری بہرہ ور، حضرت حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان

عبدالقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اِنَّ فِیْكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ الْحِلْمُ وَالْاَنَانَةُ۔ تجھ میں دو خصلتیں ہیں خدا اور رسول کو پیاری، درنگ اور بردباری، ان کا قبیلہ بنی سعد کہ سعادت و نیک طالعی ہے، شرف اسلام و صحابیت سے مشرف ہوئیں۔ کما بینہ امام مغلطائی فی جزء حافل سماہ التحفة الجسیمة فی اثبات اسلام حلیمہ، جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے قیام فرمایا اور اپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا، مکہ فی الاستبواب عن عطار بن یسار۔ ان کے شوہر جن کا شیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ حارث سعدی، یہ بھی شرف اسلام و صحبت سے مشرف ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے تھے۔ راہ میں قریش نے کہا، اے حارث تم اپنے بیٹے کی سنو، کہتے ہیں مرد۔ بتیں گے اور اللہ نے دو گھر جنت و نار بنا رکھے ہیں۔ انھوں نے حاضر ہوا کہ عرض کی کہ اے میرے بیٹے! حضور کی قوم حضور کی شاکہ ہے۔ فرمایا، ہاں میں ابرا خرماتا ہوں اور اے میرے باپ جب دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ پکڑا کر بتا دوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت۔ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد اسلام اس ارشاد کو یاد کر کے کہا کرتے، اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے تو انشاء اللہ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرما لیں۔ رواہ یونس بن بکر۔

حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَصْدَقُهَا حَدِیْثٌ وَ هَمَامٌ: سب ناموں میں زیادہ سچے نام حارث و ہمام۔ رواہ البخاری فی الادب المفرد و ابوداؤد و الترمذی عن ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور کے رضاعی بھائی جو پستان شریک تھے، جن کے لئے حضور سید العادلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پستان چپ چھوڑ دیتے تھے، عبد اللہ سعدی، یہ بھی مشرف بہ اسلام و صحبت ہوئے۔ کما عند ابن سعد فی مرسل صحیح الاسناد۔ حضور کی رضاعی بڑی بہن کہ حضور کو گود میں کھلاتیں، سینے پر لٹا کر دعائیہ اشعار عرض کرتیں، سلاتیں اس لئے وہ بھی حضور کی ماں کہلاتیں، سیما سعدیہ، یعنی نشان والی، علامت والی جو دور سے چمکے۔ یہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت حلیمہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں لئے راہ میں جاتی تھیں، تین نو جوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی، جوش محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں، تینوں کے دودھ اُتر آیا۔ تینوں پاکیزہ بی بیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنی زن شریقہ کریمہ، سراپا عطر آلود۔ تینوں قبیلہ بنی سلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے ہم اشتقاق ہے۔ ذکرہ ابن عبد البر فی الاستیعاب، بعض علماء نے حدیث انا ابن العواتک من سلیم کو اسی معنی پر محمول کیا۔ نقلہ السہلی

اقول۔ الحق کسی نبی نے کوئی آیت و کرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی اکرم نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کے مثل اور اس سے مثل عطا نہ ہوئی، یہ اُس مرتبے کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا، حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیا۔ ع

آنچہ خواباں ہمہ داردند تو تہا داری

صلی اللہ تعالیٰ علیک وعلیہم وبارک وسلم۔

امام ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں: لَمْ تُرَضَّعْهُ مَرْضَعَةً إِلَّا اسْلَمَتْ۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ ذکرہ فی کتابہ سراج المریدین۔ بھلا یہ تو دودھ پلانا تھا کہ اس میں جزئیت ہے۔ مرضعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک برکت اور ام ایمن کنیت کہ یہ بھی یمن و برکت، راستی و قوت یہ اجلہ صحابیات سے ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں فرماتے: اَنْتِ اُمِّیْ بَعْدَ اُمِّیْ۔ تم میری ماں کے بعد میری ماں ہو۔ راہ ہجرت میں انہیں پیاس لگی۔ آسمان سے نورانی رستی میں ایک ڈول اُترا، پی کر سیراب ہوئیں پھر کبھی پیاس نہ لگی۔ سخت گرمی میں روزے رکھتیں اور پیاس نہ ہوتی۔ رواہ ابن سعد عن عثمان بن القاسم۔

پیدا ہوتے وقت جنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں پر لیا، ان کا نام پاک تو دیکھئے شفاء۔ رواہ ابو نعیم عنہا، یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ و صحابیہ جلیلہ ہیں اور ایک بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں، فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ یہ بھی صحابیہ ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق، ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بطور جزاف تھا۔ کلا واللہ بلکہ عنایت ازلی نے جان جان کر یہ نام رکھے، دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چنے، پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے برے کام والوں میں رکھے گا اور برا کام بھی کونسا معاذ اللہ شرک و کفر حاشا ثم حاشا، اللہ اللہ دایاں مسلمان، کھلائیاں مسلمان مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے، جن طیب مطیب خونوں سے اس نورانی جسم میں ٹکڑے

آئے وہ معاذ اللہ چنیں و چناں حاش اللہ کیونکر گوارا ہو۔ ع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا

ع مابندۂ عشقیم و گرہیچ ندانیم

فائدہ ظاہر:

در بارۂ ابوبین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہی طریقہ انیقہ اعنی نجات نجات نجات کہ ہم نے بتوفیقہ تعالیٰ اختیار کیا، تنوع مسالک پر مختار راجلہ آئمہ کبار و اعظم علمائے نامدار ہے، از انجملہ

(۱) امام ابو حفص عمر بن احمد، بن شاہین جن کی علوم دینیہ میں تین سوتیں تصانیف ہیں از انجملہ تفسیر ایک ہزار جز میں، اور مسند حدیث ایک ہزار تین جز میں (۲) شیخ المحمد شین احمد خطیب علی البغدادی (۳) حافظ الشان محدث ماہر امام ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر۔ (۴) امام اجل ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی صاحب الروض (۵) حافظ الحدیث امام محبت الدین طبری کہ علماء فرماتے ہیں، بعد امام نووی کے ان کا مثل علم حدیث میں کوئی نہ ہوا۔ (۶) امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر صاحب شرف المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۷) امام حافظ الحدیث ابوالفتح محمد بن محمد ابن سید الناس صاحب عیون الاثر (۸) علامہ صلاح الدین صفدی (۹) حافظ الشان شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی (۱۰) شیخ الاسلام حافظ الشان امام شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی (۱۱) امام حافظ الحدیث ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی ابن العربی مالکی (۱۲) امام ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری صاحب الحاوی الکبیر (۱۳) امام ابو عبداللہ محمد بن خلف شارح صحیح مسلم (۱۴) امام عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی

صاحب تذکرہ (۱۵) امام المتکلمین، فخر المدققین فخر الدین محمد بن عمر الرازی (۱۶) امام علامہ شرف الدین مناوی (۱۷) خاتم الحفاظ مجدد القرآن امام العاشر امام جلال الملتہ والدین عبدالرحمن ابن ابی بکر (۱۸) امام حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی مکی صاحب افضل القری وغیرہ (۱۹) شیخ نور الدین علی بن الجزار مصری صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بفضل اللہ تعالیٰ فی الدارین من الناجین۔ (۲۰) علامہ ابو عبد اللہ محمد ابن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح شفا شریف (۲۱) علامہ محقق سنوی (۲۲) امام اجل عارف باللہ سید عبد الوہاب شعرانی صاحب الیواقیت الجواہر (۲۳) علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فارسی صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات (۲۴) خاتمہ المحققین علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی، شارح المواہب (۲۵) امام اجل، فقیہہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی صاحب المناقب (۲۶) زین الفقہ علامہ محقق زین الدین ابن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر (۲۷) سید شریف علامہ حموی صاحب غمز العیون والبصار (۲۸) علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب النجیس فی نفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۲۹) علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری صاحب نسیم الزیاض (۳۰) علامہ طاہر فتی صاحب مجمع بحار الانوار (۳۱) شیخ شیوخ علماء الہند، مولانا عبدالحق محدث دہلوی (۳۲) علامہ..... صاحب کنز الفوائد (۳۳) مولانا بحر العلوم ملک العلماء عبدالعلی صاحب فوائد الرحموت (۳۴) علامہ سید احمد مصری طحطاوی محشی درمختار (۳۵) علامہ سید ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی صاحب رد المختار

وغیر ہم من العلماء الکبار والمحققین الاخیار علیہم رحمۃ الملک العزیز الغفار، ان سب حضرات کے اقوال طیبہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں مگر فقیر نے یہ سطور نہ مجر و نقل اقوال کے لئے لکھیں، نہ مباحث طے کردہ علمائے عظام خصوصاً امام جلیل جلال سیوطی کے ایراد، بلکہ مقصود اس مسئلہ جلیلہ پر چند دلائل جمیلہ کا سنانا اور بہ تصدق کفش برداری علماء جو فیوض تازہ قلب فقیر پر فائز ہوئے، انتفاع برادران دینی کے لئے ان کا ضبط تحریر میں لانا کہ شاید مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کہ تمام جہاں سے اکرم و ارحم وابر و اوفیٰ ہیں، محض اپنے کرم سے نظر قبول فرمائیں اور نہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خالص فضل کے صدقے میں اس عاجز بے چارہ، بے کس، بے یار کا ایمان حفظ فرما کر دارین میں عذاب و عقاب سے بچائیں۔ ع

برکریماں کار ہادشوار نیست

پھر یہ بھی ان اکابر کا ذکر ہے جن کی تصریحات خاص اس مسئلہ مجزیہ میں موجود ورنہ بنظر کلیت نگاہ کیجئے تو امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی و امام اجل امام الحرمین و امام ابن السمعانی و امام کیا ہر اسی و امام اجل قاضی ابوبکر باقلانی حتی کہ خود امام مجتہد سیدنا امام شافعی کی نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے تمام آباء و امہات اقدس کا ناجی ہونا کا شمس و الامس روشن و ثابت ہے، بلکہ بالا جماع تمام آئمہ اشاعرہ اور آئمہ ماتریدیہ سے مشائخ بخارا تک سب کا یہی مقتضائے مذہب ہے۔

کما لا یخفی علی من له اجالة نظر فی علمی الاصولین

امام سیوطی سبل النجاة میں فرماتے ہیں: مال الی ان اللہ تعالیٰ احیا ہما حتی آمنا بہ طائفة من الائمة و حفاظ الحدیث

کتاب النخیس میں کتاب مستطاب الدرج المہیفہ فی الالباء الشریفہ سے نقل کرتے ہیں۔

ذَهَبَ جَمْعٌ كَثِيرٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْأَعْلَامِ إِلَى أَنَّ أَبَوَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاجِيَانِ مُحْكُومٌ لَهُمَا بِالنَّجَاةِ فِي الْآخِرَةِ وَهُمْ أَعْلَمُ النَّاسِ بِأَقْوَالٍ مَنْ خَالَفَهُمْ قَالَ بِغَيْرِ ذَلِكَ وَلَا يَقْصُرُونَ عَنْهُمْ فِي الدَّرَجَةِ وَمَنْ أَحْفَظُ النَّاسِ لِلْأَحَادِيثِ وَالْآثَارِ مَنْ أَنْقَذَ النَّاسَ بِالْأَوَّلَةِ الَّتِي اسْتَدَلَّ بِهَا أُولَئِكَ فَإِنَّهُمْ جَامِعُونَ لَا نَوَاحِ الْعُلُومِ مُتَضَلِّعُونَ مِنَ الْفُنُونِ خُصُوصاً الْأَرْبَعَةَ الَّتِي اسْتَمَدَّ مِنْهَا فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ فَلَا نَظْنَ بِهِمْ إِنَّهُمْ لَمْ يَقْفُوا عَلَى الْأَحَادِيثِ الَّتِي اسْتَدَلَّ بِهَا أُولَئِكَ مَعَاذُ اللَّهِ بَلْ وَقَفُوا عَلَيْهَا وَخَاضُوا عَمْرَ تَهَا وَاجَابُوا عَنْهَا بِالْأَجْوَبَةِ الَّتِي لَا يَرُدُّهَا مُنْصِفٌ وَاقَامُوا لِمَا ذَهَبُوا إِلَيْهِ أَدِلَّةً قَاطِعَةً كَالْجِبَالِ الرَّوَاسِي - اه

(الدرج المہیفہ، عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی ص ۳۲ حیدر آباد دکن)

مختصراً خلاصہ یہ کہ جمع کثیر اکابر آئمہ واجلہ حفاظ حدیث، جامعان انواع علوم و ناقدان روایات و مفہوم کا مذہب یہی ہے کہ ابویں کریمین ناجی ہیں۔ ان اعظم آئمہ کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ ان احادیث سے غافل تھے جن سے اس مسئلے میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے، معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ ضرور ان پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان سے پسندیدہ جواب دیئے جنہیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور نجات والدین شریفین پر دلائل قاطعہ قائم کیں جیسے مضبوط جے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے نہ ہل سکیں سکتے۔ بلکہ علامہ ذرقانی شرح مواہب میں آئمہ قائلین نجات کے اقوال و کلمات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

هَذَا مَا وَقَفْنَا عَلَيْهِ مِنْ نُصُوصٍ عُلَمَائِنَا وَلَمْ نَرِ لِغَيْرِهِمْ مَا يُخَالِفُهُ إِلَّا مَا يُشَمُّ مِنْ نَفْسِ ابْنِ دَحِيَّةٍ وَقَدْ تَكْفَلُ بِرَدِّهِ الْقُرْطُبِيُّ.

(امام محمد بن عبدالباقی زرقانی، شرح مواہب، بحث نجات ابویہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۱۷، مطبعہ عامرہ مصر)

یہ ہمارے علماء کے وہ نصوص ہیں جن پر میں واقف ہوا اور ان کے غیر سے کہیں اس کا خلاف نظر نہ آیا سوائے ایک بوئے خلاف کے جو ابن دحیہ کے کلام سے پائی گئی اور امام قرطبی نے بوجہ کافی اس کا رد کر دیا۔ تاہم بات وہی ہے جو امام جلیل سیوطی نے فرمائی: ثُمَّ إِنِّي لَمْ أَدْعِ أَنَّ الْمَسْأَلَةَ أَجْمَاعِيَّةً بَلْ هِيَ مَسْأَلَةٌ ذَاتِ خِلَافٍ فَحُكْمُهَا كَحُكْمِ سَائِرِ الْمَسَائِلِ الْمُخْتَلَفِ فِيهَا غَيْرَ إِنِّي اخْتَرْتُ لَهُ أَقْوَالَ الْقَائِلِينَ بِالنَّجَاةِ لِأَنَّهُ أَنْسَبُ بِهَذَا الْمَقَامِ اه و قال في الدرج بعد ما درج و في الدرج الفریقان آئمة اکابر اجلا. اقوال: تحقیق یہ طالب تحقیق مرہون دست دلیل ہے ابتدا ظواہر بعض آثار سے جو ظاہر بعض انظار ہوا ظاہر ہوا کہ ان جوابات شافیہ اور اس پر دلائل وافیہ قائم و مستقیم چارہ کار قبول و تسلیم بالاقول سکوت و تعظیم اللہ الہادی الی صراط المستقیم۔

عائدہ زاہرہ امام ابو نعیم دلائل النبوة میں بطریق محمد بن شہاب الزہری ام سماء اسماء بنت ابی رحم، وہ اپنی والدہ سے روای ہیں، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کم سن بچے کوئی پانچ برس کی عمر شریف ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نظر کی پھر کہا:

بَارَكَ فِيكَ اللَّهُ مِنْ غُلَامٍ يَا ابْنَ الذِّئْبِ مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامِ
 نَجَابِعُونَ الْمَلِكِ الْمُنْعَمِ قُودِي غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسَّهَامِ
 بِمَائِهِ مِنَ الْأَبْلِ الشَّوَامِ وَإِنْ صَحَّ مَا ابْصَرْتُ فِي الْمَنَامِ
 فَأَنْتَ مَبْعُوثٌ إِلَى الْأَنَامِ تُبْعَثُ فِي التَّحْقِيقِ وَالْإِسْلَامِ
 دِينَ أَبِيكَ الْبَرَّابِرْهَامِ دِينَ أَبِيكَ الْبَرَّابِرْهَامِ
 فَالِلَّهِ أَنْهَاكَ عَنِ الْأَصْنَامِ أَنْ لَا تُؤَالِيَهُمَا مَعَ الْأَقْوَامِ
 (امام محمد بن عبدالباقی الرزقانی، مواہب لدینہ مع شرح الرزقانی، باب وفاة امہ صلی
 اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۱۹۱ مطبوعہ عامرہ مصر)

اے سحرے لڑکے اللہ تجھ میں برکت رکھے، اے بیٹے ان کے جنہوں
 نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی، بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزوجل
 کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا، سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان
 کئے گئے اگر وہ ٹھک اترتا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو تو سارے جہان کی
 طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نیکو کار باپ ابراہیم کا دین ہے میں اللہ کی
 قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ
 کرنا۔

حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس پاک وصیت میں جو
 فراق دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو کی بحمد اللہ
 تعالیٰ توحید درد شرک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین
 اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بھی پورا اقرار اور ایمان کامل
 کئے کہتے ہیں، پھر اس نے بالاتر حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف موجود اور وہ بھی بیانِ بعثتِ عامہ کے ساتھ و
للہ الحمد۔

اقول: وَ كَلِمَتُهُ أَنْ أَنْ كَانَتْ لِلشَّكِّ هُوَ غَايَةُ الْمُنتَهَى إِذَا ذَاكَ
لَا تَكْلِيفَ فَوْقَهُ وَالْأَفْقَدُ عُلِمَ مَجِيبُهَا أَيْضاً لِلتَّحْقِيقِ لِيَكُونَ
كَالدَّلِيلِ عَلَى ثُبُوتِ الْجَزَاءِ وَ تَحَقُّقِهِ كَقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَأَمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا رَأَيْتُكَ فِي الْمَنَامِ ثَلَاثَ
لَيَالٍ يَجِبُ بِكَ الْمَلَكُ فِي خُرْفَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ فَقَالَ لِي هَذِهِ
أَمْرَاتُكَ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِكَ الثُّوبَ فَإِذَا أَنْتَ هِيَ فَقُلْتُ إِنْ يَكُنْ
هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ يُبْضِئُهُ - رواه الشيخان رضى الله تعالى عنها، اس کے بعد
فرمایا:

كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَ كُلُّ جَدِيدٍ بَالٍ وَ كُلُّ كَبِيرٍ يَفْنَى وَ أَنَا مَيِّتَةٌ
وَ ذِكْرِي وَ بَاقٍ وَ قَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا وَ وَلَدْتُ طَهْرًا

(مواہب الدنیہ مع شرح الزرقانی، المقصد الاول ج ۱ ص ۱۹۳ مطبعہ غامرہ مصر)
ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک
دن فنا ہوتا ہے۔ میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا میں کیسی خیر
عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا،
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ کہا اور انتقال فرمایا، رضى الله تعالى عنها،
صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابنہا الکریم و ذویہ و بارک وسلم۔

اور ان کی یہ فراست ایمانی اور پیشین گوئی نورانی قابلِ غور ہے کہ میں
انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب و عجم کی ہزاروں

شاہزادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا مگر اس پاک طیبہ خاتون کے ذکر خیر سے مشارق و مغارب ارض میں محافل و مجالس انس و قدس میں زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور ابدالآباد تک گونجیں گے، وللہ الحمد۔

عبرت قاہرہ:

سید شریف مصری حواشی دُرّ میں ناقل کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابو بن کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں متفکر رہے کہ کیونکر تطبیق اقوال ہو؟ اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا۔ صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ راہ میں ایک ترا (سرسوں جیسا ایک بیج جس کا تیل نکلتا ہے) فروش ملے کہ اپنی دوکان کے آگے باٹ ترازو لئے بیٹھے ہیں، انھوں نے اٹھ کر ان عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور یہ اشعار پڑھے۔

أَمَنْتُ أَنَّ أَبَا النَّبِيِّ وَأُمَّه
أَخْيَاهُمَا الْحَيُّ الْقَدِيرُ الْبَارِي
حَتَّى لَقَدْ شَهِدَ إِلَهَ بِرِسَالَةٍ
صَدَقَ فَذَاكَ كَرَامَةُ الْمُخْتَارِ
وَبِهِ الْحَدِيثُ وَمَنْ يَقُولُ بِضَعْفِهِ
فَهُوَ الضَّعِيفُ عَنِ الْحَقِيقَةِ عَارِ

یعنی میں ایمان لایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ کو اس زندہ ابدی قادر مطلق خالق عالم جل جلالہ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیغمبری کی گواہی دی۔

اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی، جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔

یہ اشعار سنا کہ ان عالم سے فرمایا، اے شیخ انہیں لے اور نہ رات کو جاگ، نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلا دے، ہاں جہاں جا رہا ہے وہاں نہ جانا کہ لقمہ حرام کھانے میں نہ آئے۔

اُن کے اس فرمانے سے وہ عالم بے خود ہو کر رہ گئے، پھر انہیں تلاش کیا پتا نہ پایا اور دکان داروں سے پوچھا کسی نے نہ پہچانا۔ سب بازار والے بولے، یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں۔ وہ عالم اس ربانی ہادی غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے، لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔
انتہی۔

اے شخص یہ عالم بہ برکت علم نظر عنایت سے ملحوظ تھے کہ غیب سے کسی ولی کو بھیج کر انہیں ہدایت فرمادی۔ خوف کر کہ تو اس ورطہ میں پڑ کر معاذ اللہ کہیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باعث ایذا نہ ہو جس کا نتیجہ معاذ اللہ بڑی آگ دیکھنا ہو۔ اللہ عزوجل ظاہر و باطن میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت، سچا ادب روزی فرمائے اور اسباب مفتاح و حجاب و بیزاری و عتاب سے بچائے۔ آمین آمین آمین، یا ارحم الراحمین، ارحم فاقتنا یا ارحم الراحمین ارحم ضَعَفْنَا تَبَرَّأْنَا مِنْ حَوْلِنَا الْبَاطِلِ وَ قُوَّتِنَا الْعَاطِلَةِ وَ التَّجَانَا إِلَى حَوْلِكَ الْعَظِيمِ وَ طَوْلِكَ الْقَدِيمِ وَ شَهَدْنَا بِأَنْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَ آخِرُ دَعْوَانَا اِنِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ

رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و
 صحبہ و ذریتہ اجمعین۔ آمین۔ الحمد للہ یہ موجز رسالہ اواخر شوال المکرم
 ۱۳۱۵ھ ہجری کے چند جلسوں میں تمام اور بہ لحاظ تاریخ

شمول الاسلام لاصول
 الرسول الکرام
 نام ہوا واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم۔

کتب ماخذ

نام مصنف	نام کتاب
	۱۔ قرآن کریم
محمد بن اسماعیل البخاری	۲۔ بخاری
ابو نعیم اصبہانی	۳۔ دلائل النبوة
مسلم بن حجاج قشیری	۴۔ مسلم شریف
ابو عیسیٰ ترمذی	۵۔ ترمذی
ابوداؤد	۶۔ ابوداؤد
نسائی	۷۔ نسائی
طبرانی	۸۔ طبرانی کبیر
	۹۔ مسند بزار
	۱۰۔ طبرانی اوسط
بخاری	۱۱۔ ادب المفرد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انباء المصطفیٰ بحال سرِّ وَاخْفی

حضور پر نور کے علم شریف کا بیان

تصنیف لطیف

احمد رضا خاں
امام اعلیٰ سنت مجددِ امت دین و نبوت
اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ اسامہ
فانسیلی

تقدیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو ظاہر و باطن کے علوم سے مزین فرما کر دنیا میں مبعوث فرمایا تھا، دنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ جب بادشاہ کسی علاقے میں اپنا نائب بھیجتا ہے تو اس کو امور مملکت سمجھا کر بھیجتا ہے، اسی طرح اللہ نے جب روئے زمین پر اپنا پہلا خلیفہ بھیجا تو فرمایا:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (پ البقرہ آیت ۳۱)

اور اللہ نے آدم کو تمام اسماء سکھا دیئے۔

آدم کی برتری ملائکہ پر اسی وجہ سے تھی۔

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جو فضل و کمال بھی اللہ نے اپنے کسی نبی کو عطا فرمایا وہ کمال اکمل طریقے پر حضرت خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ کو بھی عطا فرمایا تھا، لہذا اللہ نے جتنے علوم و معارف اپنی مخلوق کو عطا کئے ان سب سے زائد حضرات محمد رسول اللہ وسلم کو عطا فرمائے، اللہ نے آپ کو غیب و شہادت دونوں کا علم عطا فرمایا، اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت کے رہنما لے ”انباء المصطفیٰ“ میں ملاحظہ ہو۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسئلہ

مسئلہ۔ از دہلی چاندنی چوک، موتی بازار، مرسلہ بعض علمائے اہلسنت، ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

حضرات کرام اہل سنت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہوا اور ہوگا، حتیٰ کہ بدء الخلق (مخلوق کی ابتداء) سے لے کر دوزخ و جنت میں داخل ہونے تک کا تمام حال اور اپنی امت کا خیر و شر بالتفصیل جانتے ہیں، اور جمیع اولین و آخرین کو اس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں، جس طرح اپنے کف دست مبارک کو اور اس دعوے کے ثبوت میں آیات و احادیث و اقوال علماء پیش کرتا ہے۔

بکر، اس عقیدے کو کفر و شرک کہتا ہے اور بکمال درشتی دعویٰ کرتا ہے، کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں جانتے، حتیٰ کہ آپ کو اپنے خاتمے کا حال بھی معلوم نہ تھا اور اپنے اس دعوے کے اثبات میں کتاب تقویۃ الایمان کی عبارتیں پیش کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت یہ عقیدہ کہ آپ کو علم ذاتی تھا خواہ یہ کہ خدا نے عطا فرمایا تھا، دونوں طرح شرک ہے۔

اب علمائے ربانی کی جناب میں التماس ہے کہ ان دونوں میں سے کون برسر حق موافق عقیدہ سلف صالح ہے اور کون بد مذہب جہنمی ہے نیز

۱۔ زید سے مراد جناب مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی مرحوم ہیں۔

عمر و کا دعویٰ ہے کہ شیطان کا علم معاذ اللہ! حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ اس کا گنگوہی مرشد اپنی کتاب ”براہین قاطعہ“ کے صفحہ ۴۷ پر یوں لکھتا ہے، کہ ”شیطان کو“ وسعتِ علم نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے۔

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی مَا
عَلَّمْتَهُ الْغَيْبَ وَنَزَّهْتَهُ مِنْ كُلِّ غَيْبٍ وَعَلٰی اِلٰهِ وَصَحْبِهِ اَبَدًا رَبِّ
اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیْطٰنِ وَ اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ
یَّحْضُرُوْنِ

زید کا قول حق و صحیح اور بکر کا زعم مردود و قبیح ہے۔ بیشک حضرت عزت
عظمیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کا
علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انھیں دکھایا۔ ملکوت السموات
والارض کا شاہد بنایا۔ روزِ اول سے روزِ آخر تک سب ما کان و ما یكون
انھیں بتایا۔ اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ علمِ عظیم
حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کے کو محیط ہوا۔ نہ صرف اجمالاً
بلکہ ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس جو پتہ گرتا ہے، زمین کی اندھیروں میں
جو دانہ کہیں پڑا ہے، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا اللہ حمد کثیراً۔ بلکہ یہ جو کچھ
بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی آلہ
وصحبہ اجمعین و کرم، بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے، ہنوز احاطہ علم محمدی

میں وہ ہزار در ہزار، بے حد و بے کنار سمندر لہرار ہے ہیں جن کی حقیقت کو وہ خود جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک و مولیٰ جل و علا الحمد للہ العلی الاعلیٰ۔

کتب حدیث و تصانیف علمائے قدیم و حدیث میں اس کے دلائل کا بسط شافی اور بیان وافی ہے، اور اگر کچھ نہ ہو تو بحمد اللہ قرآن عظیم خود شاہد عدل و حکم فصل ہے۔
قال اللہ تعالیٰ:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (پ ۱۴ النحل آیت ۸۹)

اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت و رحمت و بشارت“

قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (پ ۱۳ سورہ یوسف آیت نمبر ۱۱۱)

قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شے کا صاف جدا جدا بیان ہے۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۝

(پ ۶ سورہ الانعام آیت نمبر ۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی شے اٹھا نہیں رکھی۔

اقول و باللہ التوفیق۔ جب فرقان مجید ہر شے کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا۔ روشن، اور روشن بھی کس درجہ کا، مفصل، اور اہل سنت کے مذہب

میں شے ہر موجود کو کہتے ہیں۔ تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتابت لوح محفوظ بھی ہے، تا بالضرورت یہ بیانات محیط۔ اس کے مکتوبات بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى : وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌّ

(پ ۲۷ سورہ القمر ایت ۵۳)

ہر چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى :

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ (پ ۲۲ سورہ یسین آیت نمبر ۱۲)

ہر شے ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی ہے۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى

وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي

كِتَابٍ مُّبِينٍ (پ ۷ سورہ الانعام آیت نمبر ۵۹)

کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیروں میں اور نہ کوئی تر، اور نہ کوئی خشک

مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہے۔

اور اصول میں مبراہن ہو چکا کہ نکرہ حیرت نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ

کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادہ

استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی۔ بے دلیل شرعی

تخصیص و تاویل کی اجازت نہیں، ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے، نہ

احادیث آحاد اگرچہ کیسے ہی اعلیٰ درجے کی ہوں..... عموم قرآن کی تخصیص کر

سکیں بلکہ اس کے حضور مضحک ہو جائیں گی، بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے، تو بجز اللہ تعالیٰ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عز وجل نے تمام موجودات جملہ مآکان و مَا یَكُونُ اِلٰی یَوْمِ الْقِيَمَةِ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا، اور شرق و غرب و سما و ارض و عرش و فرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ السَّاطِعَةُ اور جبکہ یہ علم قرآن عظیم کے بَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پ ۱۲ النحل ۸۹) ہونے نے دیا۔ اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے، نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہو لَمْ نَقْضُصْ عَلَيْكَ (پ ۲۲ سورہ المؤمن آیت ۷۸) یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے لَا تَعْلَمُهُمْ (پ ۱۱ سورہ التوبہ آیت ۱۰۱) ہرگز ان آیات کے منافی اور علم مصطفوی کا نافی نہیں۔

الحمد للہ طائفہ تائفہ وہابیہ! جس قدر قصص و روایات و اخبار و حکایات علم عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹانے کو آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابل میں پیش کی جاتی ہیں ان سب کا جواب ذہن دوز و فتن سور (فتنہ دوز کرنیوالا) انھیں دو فقروں میں ہو گیا ہے۔ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان قصص سے تاریخ معلوم ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں تو ان سے استدلال درست نہیں کہ جب تاریخ مجہول تو ان کا تمامی، نزول قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول، اور اگر ہاں تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ تاریخ تمامی نزول سے

پہلے کی ہوگی یا بعد کی۔ پہلی صورت میں استدلال کرنا درست نہیں، بر تقدیر ثانی اگر مدعائے مخالف میں نص صریح نہ ہو، تو استناد محض خرط القتاد، مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انھیں اقسام کی ہیں۔ ان آیات کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح صریح قطعی الافادہ نہیں دکھا سکتے، اور اگر بالفرض غلط تسلیم ہی کر لیں تو ایک یہی جواب جامع و نافع و نافی و قانع سب کے لئے شافی و کافی۔ کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت اخبار آحاد سے استناد محض غلط ہے۔ اس مطلب پر تصریحات آئمہ اصول سے احتجاج کروں اس سے یہی بہتر ہے کہ خود مخالفین کے بزرگوں کی شہادت پیش کروں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نصوص قطعیہ قرآن عظیم کے خلاف پر احادیث آحاد کا سنا جانا بالائے طاق، یہ بزرگوار صاف تصریح کرتے ہیں کہ یہاں خبر واحد سے استدلال ہی جائز نہیں، نہ اصلاً اس پر التفات ہو سکے۔ اسی براہین قاطعہ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصَّلَ میں اسی مسئلہ علم غیب کی تقریروں لکھتے ہیں:

”عقائد مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں۔ قطعیات، نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے۔“ نیز صفحہ ۸۱ پر لکھا:

”اعتقادات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے، نہ ظہیات صحاح کا۔“

صفحہ ۸۷ پر ہے:

”آحاد صحاح بھی معتبر نہیں، چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے۔“ (مولوی رشید

احمد گنگوہی از براہین قاطعہ)

الْحَمْدُ لِلَّهِ

تمام مخالفین کو دعوتِ عام ہے فَاجْمِعُوا شُرَكَاءَكُمْ (یونس ۱۰۷) چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالتہ یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو، کہ تمام نُزولِ قرآنِ عظیم کے بعد بھی اشیائے مذکورہ ما کان وما یكون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ وآلہ وسلم پر مخفی رہا، جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا (پا سوره بقرہ آیت ۲۲) (فَاعْلَمُوا) اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ. (پا سوره یوسف آیت ۵۲)

اگر ایسی نص نہ لاسکو، اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ ہرگز نہ کر سکو گے، تو خوب جان لو کہ اللہ راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یہی مولوی رشید احمد صاحب پھر لکھتے ہیں:

”خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ وَاللّٰه لَا اَدْرِیْ مَا یَفْعَلُ بِنِّیْ وَلَا بِکُمْ۔ الحدیث۔ اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔“ (براہین قاطعہ ص ۵۱)

قطع نظر اس کے کہ حدیثِ اوّل خود احاد ہے، سلیم الحواس کو سند لانی تھی تو وہ مضمون خود آیت میں تھا، اور قطع نظر اس سے کہ اس آیت و حدیث کے کیا معنی ہیں، اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں، اور قطع نظر اس کے کہ خود قرآنِ عظیم و احادیثِ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس

کا ناسخ موجود کہ جب آیت کریمہ۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (پ ۲۶ سورہ

الفتح آیت ۲)

تاکہ اللہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ۔

نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کی:

هَيَّا لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ لَكَ مَاذَا يُفْعَلُ بِكَ

فَمَاذَا يُفْعَلُ بِنَا. (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۶۰۰، سنن ترمذی کتاب التفسیر)

یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو، خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو

صاف بیان فرما دیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا، اب رہا یہ کہ ہمارے

ساتھ کیا کرے گا۔

اس پر یہ آیت اُتری۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ (إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى) فَوْزًا عَظِيمًا

(پ ۲۶ سورہ الفتح آیت ۵)

تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو

باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ رہیں گے ان میں، اور مٹا

دیئے ان سے ان کے گناہ، اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔

یہ آیت اور ان کے امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل و شہیرا کیوں سو جھائی دیتیں۔

رہا شیخ عبدالحق کا حوالہ، قطع نظر اس سے کہ روایت و حکایت میں فرق ہے، اس

بے اصل حکایت سے استناد اور شیخ محقق قدس سرہ العزیز کی طرف اسناد کیسی

جرات و وقاہت ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مدارج شریف میں یوں فرمایا ہے۔

”ایں جا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ
گفت آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ من بندہ ام۔ نمی
وانم آں چہ در پس ایں دیوار است۔ جوابش آنست کہ ایں
سخن اصلے نہ دارد۔ وروایت ہذا صحیح نشدہ است۔“

ایسا ہی لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ پر عمل کرو گے تو خوب چین سے رہو گے۔ ع
اس آنکھ سے ڈریئے جو خدا سے نہ ڈری آنکھ

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ لَا أَصْلَ لَهُ۔ (المواہب اللدنیہ،
المقصد الثالث، الفضل الاول ج ۲ ص ۲۲۸، المکتب الاسلامی بیروت) یہ حکایت
محض بے اصل ہے۔ امام ابن حجر مکی نے افضل القرئی میں فرمایا۔ لَمْ يُعْرِفْ
سَنَدًا۔ اس کے لئے کوئی سند نہ پہچانی گئی۔

افسوس اسی منہ سے مقام اعتقادات بتانا، احادیث صحاح بھی نامقبول
ٹھہرانا، اسی منہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم عظیم گھٹانے کو ایسی بے
اصل حکایت سے سند لانا اور ملتے کاری (حقیقت کو چھپانے) کے لئے شیخ
محقق کا نام لکھ جانا جو صراحتہ فرما رہے ہیں کہ اس حکایت کی جڑ نہ بنیاد۔ آپ اس
کے سوا کیا کہیئے کہ ایسوں کی داد نہ فریاد۔ اللہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب
عظیمہ اور باب فضائل سے نکلا کر اس تیکنائے (تنگ راستہ) میں داخل کرائیں،
تا کہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی مردود بنائیں اور حضور کی تنقیص شان میں
یہ فراخی دکھائیں کہ بے اصل بے سند مقولے سب سما جائیں۔ ع

۱۔ اس موقع پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بندہ ہوں، مجھے معلوم ہوں کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی کوئی اصل اور یہ روایت صحیح نہیں۔

حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو

بالجملہ بحمد اللہ تعالیٰ زید سنی حفظہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ آیات قطعیہ قرآنیہ سے ایسے جلیل و جمیل طور سے ثابت جس میں اصلاً مجال دم زدن نہیں۔ اگر یہاں کوئی دلیل ظنی تخصیص سے قائم بھی ہوتی تو عموم قطعی قرآن عظیم کے حضور مضحک ہو جاتی، نہ کہ صحیح مسلم و صحیح بخاری وغیرہ سنن و صحاح و مسانید و معاجم، کی احادیث صریحہ، صحیحہ، کثیرہ، شہیرہ اس عموم و اطلاق کی اور تاکید و تائید فرما رہی ہیں۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:
 قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حِفْظُهُ مَنْ حِفْظُهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ (۱۔ صحیح مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعة ج ۲ ص ۳۹۰۔ مشکوٰۃ کتاب الفتن پہلی فصل ص ۲۶۱۔ ۳۔ بخاری شریف کتاب القدر ج ۱ ص ۲۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر جب سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا، کوئی چیز نہ چھوڑی۔ جسے یاد رہا، یاد رہا۔ جو بھول گیا، بھول گیا۔

یہی مضمون احمد نے مسند (ج ۵ ص ۳۸۵ اور ص ۳۸۹) بخاری نے تاریخ، طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت امیر المومنین، عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا
عَنْ بَدَأِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ
حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ، وَنَسِيَهُ، مَنْ نَسِيَهُ، (اصحیح بخاری کتاب بدء الخلق
پارہ ۱۳ ج ۱ ص ۲۵۳-۲۔ صحیح بخاری کتاب الفتن)

ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر
ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ
جانے تک کا حال ہم سے بیان فرما دیا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا
جو بھول گیا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن الخطاب انصاری رضی اللہ تعالیٰ
عنه سے ہے:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز فجر کے غروب
آفتاب تک خطبہ فرمایا، بیچ میں ظہر و عصر کی نمازوں کے علاوہ کچھ نہ کیا۔
فَأَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَأَعْلَمُنَا أَخْفَظَهُ، اس میں سب کچھ
ہم سے بیان فرما دیا جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا۔ ہم میں زیادہ علم والا
ہے جسے زیادہ یاد رہا۔ (اصحیح مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعة ج ۲ ص
۳۹۵-۲۔ مشکوٰۃ باب فی المعجزات تیسری فصل)

جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب آئمہ حدیث میں باسانید عدیدہ و
طرق متنوعہ دس محلہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَرَأَيْتُهُ عَزَّوَجَلَّ وَضَعَ كَفَّهُ، بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ أَنَا مِلْهُ

بَيْنَ ثَلَاثِي فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ (۱- مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع
الصلوة تیسری فصل ۲- سنن ترمذی کتاب التفسیر)

میں نے اپنے رب عز وجل کو دیکھا، اس نے اپنا دست قدرت میری
پشت پر رکھا کہ میرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اسی وقت ہر چیز
مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هَذَا

الْحَدِيثِ فَقَالَ صَحِيحٌ

یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس کا حال پوچھا تو
فرمایا صحیح ہے۔

اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی معراج
منامی کے بیان میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب
میرے علم میں آ گیا۔ (ترمذی کتاب التفسیر ج ۲ ص ۱۵۵)

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

”پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین ہابود۔“

عبارت است از حصول علمہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں“

(احمد الممعات کتاب الصلوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ ج ۱ ص ۳۳۳، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

تو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
یہ تعبیر ہے تمام علوم کے حصول اور ان کے احاطہ سے، چاہے علوم جزوی

ہوں یا کلی۔

امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات اور طبرانی معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو یعلیٰ و ابن منیع و طبرانی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

لَقَدْ تَرَكْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُحَرِّكُ طَائِرٌ جَنَاحِهِ فِي السَّمَاءِ إِلَّا ذَكَرْنَا مِنْهُ عِلْمًا

(۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۵۴ پسند صحیح ۲۔ مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، المکتب الاسلامی بیروت ۳۔ مجمع الروائد عن ابی الدرداء کتاب علامات النبوة باب فیما اوتی من العلم الخ ج ۸ ص ۲۶۳)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔ نسیم الریاض، شرح شفاء قاضی عیاض و شرح زرقانی للمواہب میں ہے۔

هَذَا تَمْثِيلٌ لِبَيَانِ كُلِّ شَيْءٍ تَفْصِيلًا تَارَةً وَاجْمَالًا أُخْرَى

(۱۔ نسیم الریاض، فصل دومن ذلک ما اطلع الخ ج ۳ ص ۱۵۳ مطبوعہ مرکز تحقیقات برکات رضا گجرات ہند ۲۔ شرح الزرقانی للمواہب المقصد الثامن الفصل الثالث ج ۷ ص ۲۰۶)

یہ ایک مثال دی ہے اس کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز بیان فرما دی، کبھی تفصیلاً کبھی اجمالاً۔

مواہب امام احمد قسطلانی میں ہے۔

وَلَا هَكَّ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَطْلَعَهُ عَلَى أَزِيدَ مِنْ ذَلِكَ وَ

أَلْقَى عَلَيْهِ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝

(المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۵۶۰، المکتب الاسلامی بیروت)

اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور پر القا کیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

طبرانی معجم کبیر اور نعیم بن حماد کتاب الفتن اور ابو نعیم حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ قَدَرَفَعَ لِي الدُّنْيَا فَإِنَّا أَنْظَرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظَرُ إِلَى كِفَىٰ هَذِهِ تَجَلِيًّا مِنَ اللَّهِ جَلَاءُ لِنَبِيِّهِ كَمَا جَلَاءُ لِنَبِيِّنَّ مِنْ قَبْلِهِ

(۱۔ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱، دارالکتب العربی بیروت ۲۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۷۸ اور ص ۴۲۰، موسسة الرسالة بیروت)

بیشک میرے سامنے سے عزوجل نے دنیا اٹھالی ہے اور میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، اس روشنی کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے روشن فرمائی جیسے محمد سے پہلے انبیاء کے لئے روشن کی تھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس حدیث سے روشن ہے کہ جو کچھ سموات و ارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا، اس سب کا علم اگلے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی عطا ہوا

تھا اور حضرت عزت عز جلالہ نے اس تمام ماکان و مایکون کو اپنے ان محبوبوں کے پیش نظر فرمادیا۔ مثلاً مشرق سے مغرب تک، سماک سے سمک تک، ارض سے فلک تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، سیدنا ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہزار ہا برس پہلے اس سب کو ایسا دیکھ رہے تھے گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ ایمانی نگاہ میں یہ نہ قدرت الہی پر دشوار اور نہ عزت و وجاہت انبیاء کے مقابل بسیار۔ مگر معترض بیچارے جن کے یہاں خدائی کی حقیقت اتنی ہو کہ ایک پیڑ کے پتے گن دیئے ۱۱ آپ ہی ان حدیثوں کو شرک اکبر کہنا چاہیں اور جو آئمہ کرام و علمائے اعلام ان سے سند لائے، انھیں مقبول مسلم رکھتے آئے، جیسے امام خاتم الحفاظ جلال الملتہ والدین سیوطی مصنف خصائص کبریٰ و امام، شہاب احمد محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ و امام ابو الفضل شہاب ابن حجر مکی بیہمی شارح ہمزہ و علامہ شہاب احمد مصری خفاجی صاحب نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض و علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شارح مواہب وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ، انھیں مشرک کہیں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

صحیح مسلم و مسند امام احمد و سنن ابن ماجہ میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

عَرِضْتُ عَلَى أُمَّتِي بِأَعْمَالِهَا حَسَنُهَا وَقَبِيحُهَا

میری ساری امت اپنے سب اعمال نیک و بد کے ساتھ میرے حضور پیش کی گئی۔ (۱)۔ صحیح مسلم کتاب المساجد باب النبی عن البصاق فی المسجد ج ۱ ص ۲۰۷، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۔ مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۸۰، المکتب

(الاسلامی بیروت)

طبرانی اور ضیاء مختارہ میں حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عَرَضْتُ عَلَى أُمَّتِي الْبَارِحَةَ لَدَى هَذِهِ الْحُجْرَةِ حَتَّى لَأَنَا
أَعْرِفَ بِالرَّجُلِ مِنْهُمْ مَنْ أَحَدِكُمْ بِصَاحِبِهِ

(۱۔ المعجم الكبير ج ۳ ص ۱۸۱، المكتبة الفيصلية بيروت ۲۔ كنز العمال ج ۱۱ ص
۴۰۸، موسسة الرسالة، بيروت)

گذشتہ رات مجھ پر میری امت اس حجرے کے پاس میرے سامنے
پیش کی گئی۔ بیشک ان کے ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جیسا تم میں
کوئی اپنے ساتھی کو پہچانے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

امام اجل سیدی بوسیری قدس سرہ امام القرئی میں فرماتے ہیں:

وَسِعَ الْعَالَمِينَ عِلْمًا وَحِكْمًا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم تمام جہان کو محیط ہوا۔

امام ابن حجر مکی، اس کی شرح افضل القرئی (ص ۳۰۴) میں فرماتے ہیں:

لَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ فَعَلِمَ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ

وَالْآخِرِينَ وَمَا كَانَ مَا يَكُونُ

یہ اس لئے کہ بیشک اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو تمام جہان پر اطلاع بخشی تو سب اگلے پچھلوں اور ما کان وما یكون

کا علم حضور پر نور کو حاصل ہو گیا۔

امام جلیل، قدوة الحمد شین سیدی زین الدین عراقی استاد، امام، حافظ الشان ابن حجر عسقلانی شرح مہذب میں پھر علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

أَنَّه صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيْهِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَدُنْ آدَمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ فَعَرَفَهُمْ كُلَّهُمْ كَمَا عَلِمَ آدَمُ الْأَسْمَاءَ۔ (نسیم الریاض، الباب الثالث، الفصل الاول، ج ۲ ص ۲۰۸، مرکز اہلسنت برکات رضا الہند)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کی تمام مخلوقات الہی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش کی گئی، حضور نے جمیع مخلوقات گذشتہ اور آئندہ سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام نام سکھائے گئے تھے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

الْأَنفُسُ الْقُدْسِيَّةُ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَاقِ الْبَدَنِيَّةِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى وَلَمْ يَبْقَ لَهَا حِجَابٌ فَتَرَى وَتَسْمَعُ الْكُلَّ كَمَا الْمَشَاهِدِ (التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث حیثاً کنتم فسلو علی الخ، ج ۱ ص ۵۰۲، مکتبہ الامام الشافعی ریاض)

پاکیزہ جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہو کر عالم بالا سے ملتی ہیں اُن کے لئے کوئی پردہ نہیں رہتا ہے، وہ ہر چیز کو ایسا دیکھتی اور سنتی ہیں جیسے پاس حاضر ہیں۔

امام ابن الحاج مکی مدغل اور امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

قَدْ قَالَ عُلَمَاءُ نَارِ حِمَمِهِمُ اللَّهُ تَعَالَى لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهِ وَحَيَاتِهِ
 صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مُشَاهَدَتِهِ لِأُمَّتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ بِأَخْوَالِهِمْ
 وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَلِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهُ لَا خِفَاءَ بِهِ
 (۱۔ المدخل لابن الحاج، فصل في الكلام على زيادة سيد المرسلين، ج ۱ ص ۲۵۲،
 دار الكتاب العربي بيروت ۲۔ المواهب اللدنية، المقصد العاشر، الفصل الثاني ج ۴
 ص ۵۸۰، المكتب الاسلامي بيروت)

بیشک ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کی حالت حیات دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کچھ فرق
 نہیں ہے اس بات میں کہ حضور اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں۔ اُن کے ہر
 حال، ان کی ہر نیت، ان کے ہر ارادے، اُن کے دلوں کے ہر خطرے کو
 پہچانتے ہیں، اور یہ سب چیزیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایسی روشن ہیں
 جن میں اصلاً کسی طرح کی پوشیدگی نہیں۔

یہ عقیدے ہیں علمائے ربانین کے محمد رسول اللہ کی جناب ارفع میں
 جلّ جلالہ، و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ شیخ شیوخ علمائے ہند، مولانا شیخ محقق
 نور اللہ تعالیٰ مرقدہ الکریم مدارج شریف میں فرماتے ہیں۔

۱۔ ”ذکر کن اور او درود بفرست بروئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ

۱۔ ان کی یاد کر اور ان پر درود بھیج، اور ذکر کے وقت ایسے ہو جاؤ، گویا تم ان کی زندگی
 میں ان کے سامنے حاضر ہو اور ان کو دیکھ رہے ہو، پورے ادب اور تعظیم سے رہو، ہیبت
 بھی ہو اور امید بھی، اور جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں دیکھ رہے ہیں
 اور تمہارا کلام سن رہے ہیں کیونکہ وہ صفات الہیہ سے متصف ہیں اور اللہ کی ایک صفت
 یہ ہے کہ، جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ ۱۲

وسلم۔ و باش در حال ذکر گویا حاضر هست پیش او در حالت
حیات وی بنی تو اور امتادب با جلال و تعظیم و ہیبت و امید
بداں کہ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم می بیند وی شنود کلام
ترا زیرا کہ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متصف است
بصفات اللہ و یکے از صفات الہی آنست کہ اَنَا جَلِیسُ
مَنْ ذُکِّرْنِی۔

(مدراج النبوة، باب یازدهم، وصل نوع ثانی کہ تعلق معنوی است الخ، ج ۲
ص ۶۲۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں محقق پر، جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو ہمارا دیکھنا ذکر کیا، گویا فرمایا۔ اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کا دیکھنا ہمیں بیان کیا، بدانکہ بڑھایا۔ تاکہ اسے کوئی گویا کے نیچے
داخل نہ سمجھے۔ غرض ایمانی نگاہوں کے سامنے اس حدیث پاک کی تصویر
کھینچ دی کہ:

أَعْبُدِ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

(۱۔ صحیح بخاری کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ عن
الایمان ج ۱ ص ۱۲-۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۲۹، قدیمی کتب
خانہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کر، گویا تو اسے دیکھ رہا اور اگر تو اسے نہ دیکھے تو
وہ تو یقیناً تجھے دیکھتا ہے۔ جل جلالہ، صلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ وآلہ وبارک وسلم
نیز فرماتے ہیں:

۱۔ ”ہرچہ در دنیا است زمانِ آدم تا فتحِ اولیٰ بروئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند، تاہمہ احوالِ اورا از اوّل تا آخر معلوم گردید یارانِ خود رانیز از بعضی ازاں احوال خبر داد۔“

(مدارج النبوۃ، باب پنجم، وصل خصائص آنحضرت ﷺ، ج ۱ ص ۱۴۴، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

نیز فرماتے ہیں۔

۲۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیز از شیونات و احکام الہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار و جمیع علومِ ظاہر و باطن و اوّل و آخر احاطہ نمودہ و مصداق، فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَواتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَتْمَمُهَا وَاَكْمَلُهَا

(مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۴۰۲ مرکز اہل سنت برکاتِ رضا گجرات، ہند)

شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ:

فَاضٌ عَلَىٰ مِنْ جَنَابِهِ الْمُقَدَّسِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَيْفِيَّةُ الْعَبْدِ مِنْ حَيْزِهِ حَيْزِ الْقُدُسِ فَيَتَجَلَّى لَهُ كُلُّ شَيْءٍ كَمَا أَخْبَرَ عَنْ هَذَا لَمَشْهَدٍ فِي قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ الْمَنَامِيِّ (فیوض الحرمین ص ۱۶۹ طبع کراچی)

۱۔ جو کچھ دنیا میں پہلے صور کے پھونکے جانے تک ان پر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) منکشف کر دیا، تاکہ انھیں اوّل سے آخر تک تمام احوال معلوم ہو جائیں۔ انھوں نے بعض اصحاب کو ان احوال میں سے بعض کی اطلاع دی۔

۲۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ اور وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سب چیزوں کو جاننے والے ہیں۔ احوال، احکام الہی، احکام صفات حق، اسماء، افعال اور آثار، تمام علوم ظاہر و باطن، اوّل و آخر کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور فوقِ کُلِّ ذِي عِلْمٍ کے مصداق ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے مجھ پر اس حالت کا علم فائز ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے مقام مقدس تک کیونکر ترقی کرتا ہے کہ اس پر ہر چیز روشن ہو جاتی ہے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مقام سے معراج خواب کے قصے میں خبر دی۔

قرآن و حدیث و اقوال آئمہ قدیم حدیث سے اس مطلب پر دلائل بے شمار ہیں اور خدا انصاف دے تو یہی اقل قلیل (تھوڑے سے تھوڑا) کہ مذکور ہوئے بسیار ہیں۔ غرض شمس و امس کی طرح روشن ہوا کہ عقیدہ مذکورہ زید کو معاذ اللہ کفر و شرک کہنا خود قرآن عظیم پر تہمت رکھنا اور احادیث صحیحہ صریحہ شہیرہ کثیرہ کو رد کرنا اور بہ کثرت آئمہ دین و اکابر علمائے عالمین و اعظم اولیائے کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز صاحب کو بھی عیاذ باللہ کافر و مشرک بنایا اور بحکم ظواہر احادیث صحیحہ و روایات معتمدہ فقہیہ خود کافر و مشرک بنا ہے، اس کے متعلق احادیث و روایات و اقوال آئمہ و ترجیحات و تصریحات فقیر کے رسالہ النہی الاکید عن الصلوٰۃ و راء اعداء التقلید و رسالہ الکوکبة الشہابیہ علی کفریات ابی الوہابیۃ وغیرہا میں ملاحظہ کیجئے۔

افسوس کہ ان شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی۔ واجب یہ ممکن، وہ قدیم یہ حادث، ■■ نامخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، ■■ ضروری البقا یہ جائز الفناء، وہ ممتنع التغیر (تغیر سے پاک) یہ ممکن التبدل۔ (جس میں تبدیل ہو سکے) ان عظیم تفرقوں کے

بعد احتمال شرک نہ ہوگا، مگر کسی مجنوں کو، بصیرت کے اندھے اس علم ماکان و ما
 کیون بمعنی مذکورہ ثابت جاننے کو معاذ اللہ! علم الہی سے مساوات مان لینا
 سمجھتے ہیں حالانکہ العظمۃ للہ علم الہی تو علم الہی جس میں غیر متناہی علوم تفصیلی
 فراوانی بالفعل کے غیر متناہی سلسلے، غیر متناہی یا وہ جسے گویا مصطلح حساب کے
 طور پر غیر متناہی کا مکعب کہئے، بالفعل و بالذات ابداً موجود ہیں۔ یہ شرق
 تا غرب و سموات و ارض و عرش تا فرش و مآکان و مآیکون من اول یوم
 الی اخر الایام سب کے ذرے ذرے کا حال تفصیل سے جاننا و بالجملہ
 جملہ مکتوبات لوح و مکتوبات قلم کو تفصیلاً محیط ہونا علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ یہ تو ان کے طفیل سے ان کے
 بھائیوں حضرات مرسلین کرام علیہ و علیہم افضل الصلوٰۃ و اکمل السلام بلکہ
 ان کی عطا سے ان کے غلاموں، بعض اعظم اولیائے عظام قدست اسرار
 ہم کو بلا اور ملتا ہے۔ ہنوز علوم محمدیہ میں وہ بحار ذخائر ناپیدا کنار ہیں جن پر
 ان کی فضیلت کلیہ اور افضلیت مطلقہ کی بنا ہے۔ اللہ عز و جل کی بے شمار
 رحمتیں امام اجل محمد بومیری شرف الحق والدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جو
 قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرْتَهَا

وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ الْوُحِّ وَالْقَلَمِ

(قصیدہ بردہ مع زبدہ ص ۱۱۶)

ف۔ تمام ماکان و ما کیون کا علم علوم حضور سے ایک علم ہے۔ یہ تو ان کی عطا سے ان
 کے غلاموں اکابر اولیاء کو بھی ملتا ہے۔ ۱۲

یعنی یا رسول اللہ! دنیا اور آخرت دونوں حضور کے خوانِ جود و کرم سے ایک ٹکرائیں اور لوح و قلم کا تمام علم جن میں مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ مندرج ہے، حضور کے علوم سے ایک حصہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْکَ وَسَلَّمَ وَعَلٰی الْکَ وَصَحْبِکَ وَبَارِکَ وَسَلَّمَ۔

مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری زبدہ شرح بردہ میں فرماتے ہیں:

تَوْضِیْحُهُ: اِنَّ الْمُرَادَ بِعِلْمِ اللُّوْحِ مَا اثْبَتَ فِيْهِ مِنَ النُّقُوشِ الْقُدْسِيَّةِ وَالصُّوْرِ الْغَيْبِيَّةِ وَبِعِلْمِ الْقَلَمِ مَا اثْبَتَ فِيْهِ كَمَا شَاءَ وَالْاِضَافَةُ لِاَذْنِيْ مَلَا بَسَةً وَكُوْنٌ عَلِمَهَا مِنْ عُلُوْمِهِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عُلُوْمَهُ تَتَوَعَّعُ اِلَى الْكَلِيَّاتِ وَالْجُزْئِيَّاتِ وَحَقَائِقِ وَمَعَارِفِ وَغَوَارِفِ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُهُمَا اِنَّمَا يَكُوْنُ سَطْرًا مِنْ سَطُوْرٍ عَلِمَهُ وَنَهْرًا مِنْ بَحُوْرٍ عَلِمَهُ ثُمَّ مَعَ هَذَا هُوَ مِنْ بَرَكَتِهِ وَوُجُوْدِهِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(الزبدۃ المحمّدية فی شرح البردہ، ص ۷۱، خیر فور، سندہ، پاکستان)

یعنی، توضیح اس کی یہ ہے کہ علوم سے مراد نقوش قدس و ضرور غیب ہیں جو اس میں منقوش ہوئے، اور قلم کے علم سے مراد وہ ہیں جو اللہ عز و جل نے جس طرح چاہا اس میں ودیعت رکھے، ان دونوں کی طرف علم کی اضافت ادنیٰ علاقے یعنی محلیت نقش و اثبات کے باعث ہے، اور ان دونوں میں جس قدر علوم ثبت ہیں ان کا علم علوم محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک پارہ ہوتا۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم بہت اقسام کے ہیں، علوم کلیہ، علوم جزئیہ، علوم حقائق اشیاء و علوم اسرار خفیہ اور وہ علوم اور

معرفتیں کہ ذات و صفات حضرت عزت جل جلالہ سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کے جملہ علوم علوم محمدیہ کی سطروں سے ایک سطر، اور ان کے دریاؤں سے ایک نہر نہیں پھر بہ ایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت وجود سے تو ہیں، کہ اگر حضور نہ ہوتے تو نہ لوح و قلم ہوتے نہ ان کے علوم، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

منکرین کو صدمہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے روز اول سے قیامت تک کے تمام ماکان و مایکون کا علم تفصیلی مانا جاتا ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ وہ جمیع علم ماکان و مایکون علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم سمندروں سے ایک نہر بلکہ بے پایاں موجوں سے ایک لہر قرار پاتا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَخَسِرَ هُنَا لَكَ الْمُبِطُونَ ۝
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَقَلِيلٌ بَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

نصوص حصر:

یعنی جن آیات و احادیث میں ارشاد ہوا ہے کہ علم غیب خاصہ خدا تعالیٰ ہے، مولیٰ عز وجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، قطعاً حق اور بحمدہ اللہ تعالیٰ مسلمان کے ایمان ہیں مگر منکر مستکبر (متکبر غرور کرنے والا) کا اپنے دعوائے باطلہ پر ان سے استدلال اور اس کی بنا پر حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مآکان و مآیکنون بمعنی مذکورہ ماننے والے پر حکم کفر و ضلال، نص جنون و خام خیال بلکہ خود مستلزم (کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا) کفر و ضلال ہے۔

علم بہ اعتبار منشاد و قسم کا ہے، ذاتی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور عطائی کہ اللہ عز و جل کا عطیہ ہو۔ اور بہ اعتبار متعلق بھی دو قسم ہے۔ علم مطلق یعنی محیط حقیقی، تفصیلی فعلی فروانی کہ جمیع معلومات الہیہ عز و علاء کو جن میں غیر متناہی معلومات کے سلاسل، وہ بھی غیر متناہیہ، وہ بھی غیر متناہی بار داخل۔ اور خود کنہ ذات الہی و احاطہ تام صفات الہیہ نا متناہی سب کو شامل، فرداً فرداً تفصیلاً مستغرق ہو اور مطلق علم یعنی جاننا، اگر محیط باحاطہ حقیقیہ نہ ہو۔ ان تقسیمات میں علم ذاتی و علم مطلق یعنی مذکور بلاشبہ اللہ عز و جل کے لئے خاص ہیں اور ہرگز کسی غیر خدا کے لئے ان کے حصول کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

ہم ابھی بیان کر آئے ہیں کہ علم مَا كَانَ وَمَا يَكُون بمعنی مسطور اگرچہ کیسا ہی تفصیلی بروجہ اتم و اکمل ہو، علوم محمدیہ کی وسعت عظیمہ کو نہیں پہنچتا، پھر علوم محمدیہ تو علوم الہیہ ہیں، جن و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور مطلق علم ہرگز حضرت حق عز و علا سے خاص نہیں بلکہ قسم عطائی تو مخلوق ہی کے ساتھ خاص ہے۔ مولیٰ عز و جل کا علم عطائی ہونے سے پاک ہے تو نصوص حصر میں یقیناً قطعاً وہی قسم اول مراد ہو سکتی ہے نہ کہ قسم اخیر اور بدیہۃ ظاہر کہ علم تفصیلی جملہ ذرات مَا كَانَ وَمَا يَكُون بمعنی مزبور (اوپر لکھا ہوا) بلکہ اس سے ہزار در ہزار ازید و افزون علم بھی کہ بہ عطائے الہی مانا جائے، اسی قسم اخیر سے ہوگا، تو نصوص حصر کو مدعائے مخالف سے اصلاً مَس نہیں۔ بلکہ وہ اس کی صریح جہالت پر نص ہیں وللہ الحمد۔ یہ معنی بآ نکہ خود بدیہی و واضح ہیں۔ آئمہ دین نے اس کی تصریح بھی فرمائی۔

امام اجل ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اپنے فتاویٰ پھر امام ابن

حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

لَا يَعْلَمُ ذَاكَ اسْتِقْلَالًا وَ عِلْمَ إِحَاطَةٍ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ إِلَّا
اللَّهُ تَعَالَى أَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَ الْكَرَامَاتُ فَبِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى لَهُمْ
عِلْمَتْ وَ كَذَا مَا عِلْمَ بِأَجْرَاءِ الْعَادَةِ (الفتاویٰ تودیہ ص ۱۷۳، الفتاویٰ الہدیہ ص ۲۱۳)
یعنی، آیت میں غیر خدا سے نفی علم غیب کے یہ معنی ہیں کہ غیب اپنی
ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا اور ایسا علم کہ جمیع معلومات الہیہ کو محیط ہو
جائے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ رہے انبیاء کے معجزے اور اولیاء کی
کرامتیں، یہاں تو اللہ عز و جل کے بتانے سے انھیں علم ہوا ہے۔ یوں ہی وہ
باتیں کہ عادت کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے۔

مخالفین کا استدلال محض باطل و خیال محال ہونا تو یہیں ہے ظاہر ہو
گیا، مگر فقیر نے اپنے رسائل میں ثابت کیا ہے کہ یہ استدلال ان ضلال کے
خود اقراری کفر و ضلال کا تمغہ ہے، نیز انھیں میں روشن کیا کہ خلق کے لئے
ادعائے علم غیب پر فقہاء کا حکم کفر بھی درجہ اولائے حقیقت حق میں اسی صورت
علم ذاتی اور درجہ اخرائے طرز فقہاء میں علم مطلق بمعنی مرقوم (لکھا ہوا) کے
ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ محققین کے کلام میں منصوص ہے۔

بکر پر مکر کا وہ زعم مردود جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت
(کچھ نہیں ف جانتے) کا لفظ ناپاک ہے، وہ بھی کلمہ کفر و ضلال بے باک ہے۔
بکر نے جس عقیدے کو کفر و شرک کہا اور اس کے رد میں یہ کلام بد فرجام (انتہائی
بر کلام) بکا، خود اسی میں تصریح ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت
حق جل شانہ نے یہ علم عطا فرمایا ہے لاجرم بکر کی یہ نفی مطلق شامل
ف۔ اپنے خاتمے کا حال حضور کو معلوم نہ ماننا صریح کفر ہے۔

علم عطائی بھی ہے اور خود بعض شیاطین الانس، کے قول سے استناد بھی اس تعلیم پر دلیل جلی ہے کہ قول میں خواہ یوں اور خواہ یوں، دونوں صورت پر حکم شرک دیا ہے۔ اب اس لفظ قبیح کے کلمہ کفر صریح ہونے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ قرآن عظیم کی روشن آیتوں کی تکذیب بلکہ سارے قرآن کی تکذیب، رسالت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار بلکہ نبوت تمام انبیاء کا انکار، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص مکان بلکہ رب العزۃ جلالہ، کی توہین شان۔ ایک دو کفر ہوں تو گئے جائیں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یوں ہی اس کا قول کہ ”اپنے خاتمے کا بھی حال معلوم نہ تھا“ صریح کلمہ کفر و خسار اور بے شمار آیات قرآنیہ و احادیث متواترہ کا انکار ہے۔ آیہ کریمہ یَسْغُفِّرُ لَكَ اللَّهُ (پ ۲۶ سورہ الفتح آیت ۲) مع حدیث صحیحین بخاری و مسلم کے بحمد اللہ ان مردودوں کی صفرا شکنی کیلئے اُتری اور مروی مدون ہوئی اوپر گزری۔

بعض اور سنئے وقال اللہ تعالیٰ

وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى (پ ۳۰ سورہ الفطی آیت ۴)

اے نبی! بیشک آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ!

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (پ ۳۰ سورہ الفطی آیت ۵)

بے شک نزدیک ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ تم

راضی ہو جاؤ گے۔

وقال اللہ تعالیٰ:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى

بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (پ ۲۸ سورہ التحریم آیت ۸)

جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے صحابہ کو، اُن کا نور ان

کے آگے اور داہنے جولان لکرے گا۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى

عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَحْمُوداً (پ ۱۵ سورہ الانبیاء آیت ۷۹)

قریب ہے، کہ تمہارا رب تمہیں تعریف کے مکان بھی بھیجے گا جہاں

اولین و آخرین سب تمہاری حمد کریں گے۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى

تَبَارَكَ الَّذِي أَنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ جَنَّاتٍ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُوراً (پ ۱۸ سورہ

الفرقان آیت ۱۰) عَلَى قِرَاءَةِ الرَّفْعِ قِرَاءَةُ بِنِ كَثِيرٍ وَابْنُ عَامِرٍ وَرِوَايَةُ

أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَاصِمٍ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْآيَاتِ

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنی مشیت سے تمہارے لئے اس خزانہ

و باغ سے (جس کی طلب یہ کافر کر رہے ہیں) بہتر چیزیں کر دیں جن کے

نیچے نہریں رواں اور وہ تمہیں بہشت بریں کے اونچے اونچے محل بخشے گا۔

اور احادیث کریمہ میں تو جس تفصیل جلیل سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے فضائل و خصائص وقت وفات مبارک و برزخ مطہر و حشر منور و

شفاعت و کوثر و خلافت عظمیٰ و سیادت کبریٰ و دخول رحمان و رویت جنان و غیرہا

وارد ہیں، انہیں جمع کیجئے تو ایک دفتر طویل ہوتا ہے۔ یہاں صرف ایک حدیث

تبرکاً سن لیجئے۔

جامع ترمذی شریف، میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ سے ہے،
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجاً إِذَا بُعِثُوا وَأَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا وُفِدُوا وَ
أَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا أُنْصِتُوا وَأَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ إِذَا حُجِسُوا وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ
إِذَا يَنْشُرُوا لِكِرَامَةِ وَالْمَاتِيحِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى
رَبِّي يَطُوفُ عَلَى أَلْفِ خَادِمٍ كَأَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُونٌ أَوْ لَوْلُو مَنْشُورٌ

جب لوگوں کا حشر ہوگا تو سب سے پہلے میں مزارِ اطہر سے باہر
تشریف لاؤں گا اور جب وہ سب دم بخود رہیں گے تو ان کا خطبہ خواں میں
ہوں گا اور جب وہ روکے جائیں گے تو ان کا شفاعت خواہ میں ہوں اور
جب وہ ناامید ہو جائیں گے تو ان کا بشارت دینے والا میں ہوں گا۔ عزت
دینا، اور تمام کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی۔ لواء الحمد اس دن میرے
ہاتھ میں ہوگا۔ بارگاہِ عزت میں میری عزت تمام اولادِ آدم سے زائد ہے۔
ہزار خدمت گار میرے ارد گرد طواف کریں گے گویا وہ گرد و غبار سے پاکیزہ
انڈے ہیں محفوظ رکھے ہوئے یا جگمگاتے موتی ہیں بکھیرے ہوئے۔

بالجملہ بکر پر مکر کے گم راہ و بد دین ہونے میں اصلاً شبہ نہیں۔ اور
اگر کچھ نہ ہوتا تو صرف اتنا ہی کہ تقویۃ الایمان پر جو حقیقتاً تقویۃ
الایمان ہے، اس کا ایمان ہے، یہی اس کا ایمان سلامت نہ رکھنے کو
بس تھا، جیسا کہ فقیر کے رسالہ الکوکبۃ الشہابیۃ وغیرہا کے مطالعے سے
ظاہر ہے۔

لَا إِذَا كَانَ الْغُرَابُ دَلِيلَ قَوْمٍ

سَيَهْدِيهِمْ طَرِيقَ الْهَالِكِينَ

جب کو اس قوم کا رہبر ہو تو وہ اس کو ہلاکت کی راہ پر ڈال دے گا۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ

وہ شخص جو شیطان کے علم ملعون کو علم اقدس حضور پر نور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد کہے، اس کا جواب اس کفرستان ہند میں کیا ہو سکتا ہے۔ انشاء اللہ اعمار روز جزا وہ ناپاک، ناہنجار اپنے کیفر کفری گفتار کو پہنچے گا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (پ ۱۹ سورہ الشعراء آیت ۲۲) یہاں اسی قدر کافی ہے کہ یہ ناپاک کلمہ صراحۃً محمّد رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو غیب لگانا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگانا کلمہ کفر نہ ہوا تو اور کیا کلمہ کفر ہوگا۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (پ ۱۰ سورہ التوبہ آیت ۶۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (پ ۲۲ سورہ الحزاب آیت ۵۷)

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔ جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے تیار کر رکھی ہے ذلت والی مار۔

شفائے امام اجل قاضی عیاض اور شرح علامہ شہاب خفاجی مسیحی بہ نسیم اریاض میں ہے: جَمِیْعٌ مِّنْ سَبِّ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اَوْ شَتْمَہٗ اِیَّیْ عَابَہٗ هُوَ اَعَمُّ مِنَ السَّبِّ فَاِنَّ مَنْ قَالَ فَلَانٌ اَعْلَمُ مِنْہٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ فَقَدْ غَابَهُ وَنَقَصَهُ وَإِنْ لَمْ يَسْبِهِ (فَهُوَ سَابٌ وَالْحُكْمُ فِيهِ
حُكْمُ السَّابِّ) مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ بَيْنَهَا (لَا نَسْتَنِي مِنْهُ) (فَضْلًا) أَيْ
صُورَةً (وَلَا نَمْتَرِي) فِيهِ تَصْرِيحًا كَانَ أَوْ تَلْوِيحًا وَهَذَا كُلُّهُ إِجْمَاعُ
مِنَ الْعُلَمَاءِ وَائِمَّةِ الْفَتَوَى مِنْ لَدُنِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ
إِلَى هَلَمْ جَرَأَاهُ مُخْتَصِرًا

یعنی جو شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دے یا حضور کو عیب
لگائے اور یہ گالی دینے سے عام تر ہے کہ جس نے کسی کی نسبت کہا کہ فلاں
کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، اس نے ضرور حضور کو
عیب لگایا، حضور کی توہین کی، اگرچہ گالی نہ دی، یہ سب گالی دینے والے کے
حکم میں ہے۔ ان کے اور گالی دینے والے کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ نہ ہم
اس سے کسی صورت کا استثنا کریں، نہ اس میں شک و تردد کو راہ دیں۔ صاف
صاف کہا ہو یا کنایہ سے، ان سب احکام پر تمام علماء اور آئمہ فتویٰ کا اجماع
ہے کہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک برابر چلا آیا ہے۔

نَسْتَلُ اللَّهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَنَعُوذُ بِهِ مِنَ
الْحَوْرِ بَعْدَ الْكُورِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَ صَلَّى
اللَّهُ تَعَالَى عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ ۝ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ تَعَالَى أَعْلَمُ
فقیر غفرلہ المولیٰ القدر نے اس سوال کے ورود پر ایک مبسوط کتاب بحر عباب منقسم
بہ چار باب مسکئی بہ نام تاریخی مالی الحبیب ۳۱۸ علوم الغیب کی طرح ڈالی۔
باب اول: نصوص یعنی فوائد جلیلہ و نقائص جزیلہ کہ ترصیف دلائل اہلسنت
کے مقدمات ہوں۔

باب دوم: نصوص یعنی اپنے مدعا پر دلائل جلائل قرآن و حدیث و اقوال آئمہ قدیم و حدیث۔

باب سوم: عموم و خصوص کہ احاطہ علوم محمدیہ میں تحریر محل نزاع کرے اور مقام و مرام سے مزخرفات نجدیہ کی محض بیگانگی کا ثبوت دے۔

باب چہارم: قطع اللصوص، یعنی اس مسئلے میں تمام مہملات نجدیہ و نوذکین کی سرفگنی و تکبر شکنی، مگر فصوص و نصوص کے هجوم و وفور نے ظاہر کر دیا، کہ اطالت تاخذ ملالت متوقع، لہذا باذن اللہ تعالیٰ نفع عامہ کے لئے اس بحر ذخار سے ایک گوہر شہوار لامع الانوار گویا خزائن الاسرار سے درمختار مستحکم بہ نام تاریخی ”اللولؤ المکنون فی علم البشیر ۱۸۱۳۱۸ ما کان وما یکنون“ جن لیا جس نے جمع و تلفیق کے عوض نفع و تحقیق کی طرف بحمد اللہ زیادہ رخ کیا۔ اس کے ایک ایک نور نے نور السموات والارض جل جلالہ، کے عون سے وہ تابشیں دکھائیں کہ ظلمات باطلہ کا فور ہوتی نظر آئیں۔

یہ چند حرفی فتویٰ کہ اس کے لمعات سے ایک مختصر شعشعہ اور بلحاظ تاریخ بنام انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفی مسمیٰ ہے۔ اس کے تمام اشارات خفیہ کا بیان مفصل اسی پر محمول، ذی علم ماہر تو ان ہی چند حروف سے انشاء اللہ تعالیٰ سب خرافات و جزافات مظالمین کو کیفر چشانی کر سکتا ہے مگر جو صاحب تفصیل کے ساتھ دست نگر ہوں بعونہ تعالیٰ رسائل مذکورہ کے لآلی متلالی سے بہرہ ور ہوں۔ حضرات مخالفین سے بھی گزارش ہے کہ اگر توفیق الہی مساعدت کرے، یہی حرف مختصر ہدایت کرے تو ازیں چہ بہتر، ورنہ اگر بوجہ کوتاہی فہم و غلبہ و ہم و قلت تدرب و شدت تعصب اپنی تمام جہالات فاحشہ کی پردہ دری ان مختصر سطور میں نہ دیکھ سکیں، تو اسی مہر جہاں تاب کا

انتظار کریں، جو بہ عنایت الہی و اعانت رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی تمام ظلمتوں کی صبح کر دے گا۔ ان کا ہر کاسہ سوال آب زلال رد و ابطال سے بھر دے گا۔

أَلَا إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ط وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ط

کیا فائدہ کہ اس وقت آپ کی خواب غفلت کچھ ہدایت لے (بے ہودہ گوئی) کا رنگ دکھائے، اور جب صبح ہدایت افق سعادت سے طالع ہو تو کھل جائے کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو کہا افسانہ تھا

معہ ہذا طائفہ ارانب و ثعالب کو یہی مناسب کہ جب شیر ژیاں کو چہل قدمی کرتا دیکھ لیں سامنے سے ٹل جائیں۔ اپنے اپنے سوراخوں میں جان چھپائیں۔ نہ یہ کہ اس وقت اس کے خرام نرم پر غرہ ہو کر آئیں۔ اس کی آتش غضب کو بھڑکائیں۔ اپنی موت اپنے منہ بلائیں۔

نصیحت گوش کن جانناں کہ از جاں دور تر خواہند

شغالان ہزیمت مند خشم شیر ہجارا

أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالصَّلَوَاتِ الزَّائِكِيَّاتِ وَالتَّحِيَّاتِ النَّامِيَّاتِ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الْمَغِيبَاتِ مَطْهَرِ الْخَفِيَّاتِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ الْأَكْرَامِ السَّادَاتِ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ جَلُّ مَجْدِهِ أَتَمُّ وَ أَحْكَمُ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

کتبہ

عفی عنہ بِمُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کتاب ماخذ

نام مصنف	نام کتاب
امام محمد بن اسمعیل بخاری	(۱) بخاری شریف
مسلم بن حجاج	(۲) مسلم شریف
رشید احمد گنگوہی	(۳) براہین قاطعہ
ابو عیسیٰ	(۴) ترمذی
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	(۵) اشعۃ اللمعات
ابن سعد	(۶) طبقات ابن سعد
احمد بن حنبل	(۷) مسند احمد
طبرانی	(۸) طبرانی
خفاجی	(۹) نسیم الریاض
امام احمد قسطلانی	(۱۰) مواہب اللدنیہ
ابو نعیم	(۱۱) حلیہ
	(۱۲) ضیاء مختارہ
	(۱۳) تیسیر
ابن الحاج کئی	(۱۴) مدخل
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	(۱۵) مدارج النبوۃ
ملا علی قاری	(۱۶) زبدہ شرح بردہ
ابن حجر مکی	(۱۷) فتاویٰ حدیثیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَنوَارِ الْإِنْبَاءِ فِي حَلِّ نَدَاءِ يَا رَسُولَ اللَّهِ

حضورِ پرنور کو یا رسول اللہ
کہہ کر پکارنا اور آپ سے
مدد طلب کرنا جاقدر

تصنیف لطیف

احمد رضا خاں
ابن سنیّت مجتہد ائمہ دین و سنت
احمدیہ و غیرہ کتب و اشعار و امثال

تقدیم

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان خاص کو کچھ تصرفات عطا فرمائے ہیں اور یہ تصرفات ان کی روح کو حاصل ہیں، اس لئے مسلمانوں کے نزدیک مقربین بارگاہ الہیہ سے ان کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے:

مَنْ يُسْتَمَدُّ مِنْهُ فِي حَيَاتِهِ يُسْتَمَدُّ مِنْهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ

جس سے اس کی زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے اس سے اس کے مرنے کے بعد بھی طلب کی جاسکتی ہے۔

اور پھر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو جمہور امت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور امتیوں کا سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، اس لئے آپ سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور یہ بات تاریخی شہادتوں سے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ بزرگان دین نے اپنی وفات کے بعد بھی اپنے متوسلین کو فیض پہنچایا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ لفظ ”یا“ کے ساتھ صرف اللہ ہی کوندا کی جاسکتی ہے، دوسرے کوندا کرنا شرک ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال کی غلطی کو شرعی اولہ سے واضح کیا ہے۔

مرتب

رسالہ مبارکہ

انوار الانتباه فی حلّ نداءِ یا رسول اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید موحد مسلمان جو خدا کو خدا اور رسول کو رسول جانتا ہے، نماز کے بعد اور دیگر اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکلمہ یا ندا کرتا اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ یا اسئلک الشفاعة یا رسول اللہ کہا کرتا ہے، یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اسے اس کلمہ کی وجہ سے کافر و مشرک کہیں ان کا کیا حکم ہے؟

بَيِّنُوا بِالْكِتَابِ تُوجَرُوا يَوْمَ الْحِسَابِ

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى حَبِيبِهِ الْمُصْطَفَى

وَالِهِ وَاصْحَابِهِ أُولَى الصِّدْقِ وَالصَّفَاءِ.

کلمات مذکورہ بے شک جائز ہیں، جن کے جواز میں کلام نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا ضال مصل۔ جسے اس مسئلہ کے متعلق قدرے تفصیل دیکھنی ہو۔ شفاء السقام امام علامہ بقیۃ المجتہدین الکرام تقی الملتہ والدین ابوالحسن علی سبکی و مواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری و شرح مشکوٰۃ علامہ علی قاری و لمعات و اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ و جذب القلوب الی دیار المحبوب و مدارج النبوۃ تصانیف شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی و افضل القری شرح ام القرے امام ابن حجر مکی وغیرہا کتب و کلام علمائے کرام و فضلاء عظام علیہم الرحمۃ اللہ العزیز العلام کی طرف رجوع لائے یا فقیر کا رسالہ الْاَهْلَالُ بِفَيْضِ الْاَوْلِيَاءِ بَعْدَ الْوَصَالِ "مطالعہ کرے۔ یہاں فقیر بہ قدر ضرورت چند کلمات اجمالی لکھتا ہے۔

حدیث صحیح ندیل بطراز گراںہائے تصحیح جسے امام نسائی و امام ترمذی، و ابن ماجہ و حاکم و بیہقی و امام الائمہ ابن خزیمہ اور امام ابوالقاسم طبرانی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور حاکم بر شرط بخاری و مسلم صحیح کہا اور امام ابوالعظیم منذری وغیرہ آئمہ نقد و تنقیح نے ان کی تصحیح کو مسلم و مقرر رکھا، جس میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دعا تعلیم

فرمائی کہ بعد نمازیوں کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتُوْجِّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ
الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتُوْجِّهُ بِكَ اِلَی رَبِّیْ فِی حَاجَتِیْ هَذِهِ لِتُقْضٰی
لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیْ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷، مطبع امین کمپنی دہلی۔ ابن ماجہ ج ۱ ص
۴۱۔ مستدرک امام حاکم ج ۱ ص ۵۱۹، دار الفکر بیروت۔ صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۲۲۶)
الہی میں مانگتا ہوں تجھ سے اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے
نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں۔ یا رسول اللہ! میں
حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ
میری حاجت روا ہو۔ الہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔
امام طبرانی کی معجم صغیر ص ۱۰۳ میں یوں ہے۔

اِنْ رَجُلًا كَانَ یَخْتَلِفُ اِلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی
عَنْهُ فِی حَاجَتِهِ لَهٗ، وَ كَانَ عُثْمَانُ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهِ وَلَا یَنْظُرُ فِی حَاجَتِهِ.
فَلَقِیَ عُثْمَانَ بَنَ حَنِیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَشَكِیْ ذٰلِكَ اِلَیْهِ.
فَقَالَ لَهٗ، عُثْمَانُ بَنَ حَنِیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ. اِیَّتِ الْمِیْضَةُ
فَتَوَضَّءْ ثُمَّ اِیَّتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِیْهِ رُكْعَتَیْنِ ثُمَّ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
اَسْئَلُكَ وَ اَتُوْجِّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم
نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتُوْجِّهُ بِكَ اِلَی رَبِّیْ فِیْقُضِیْ حَاجَتِیْ وَ
تَذَكِّرْ حَاجَتَكَ وَرُحْ اِلَیَّ حَتّٰی اَرْوَحَ مَعَكَ فَاَنْطَلِقَ الرَّجُلُ وَصَنَعَ
مَا قَالَ لَهٗ، ثُمَّ اَتٰی بِابِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَجَاءَ الْبَوَّابُ
حَتّٰی اَخَذَهٗ بِیَدِهِ فَادْخَلَهٗ عَلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی

عَنْهُ فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ، عَلَى الطَّنْفَسَةِ وَقَالَ مَا حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ، فَقَضَاهَا. ثُمَّ قَالَ مَا ذَكَرْتُ حَاجَتَكَ، حَتَّى تَكُنْتُ هَذِهِ السَّاعَةَ وَقَالَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَأَتَيْنَا. ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَالَ لَهُ، جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا مَا كَانَ يَنْظُرُ فِي حَاجَتِي وَيَلْتَفِتُ إِلَيَّ حَتَّى كَلَّمَنِي فِي فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَاللَّهِ مَا كَلَّمْتُهُ، وَلَكِنْ شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَجُلٌ ضَرِيرٌ فَشَكَا إِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ لَهُ، النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتَ الْمَيْضَةَ فَتَوَضَّأْتَ ثُمَّ صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ ادَّعَيْتَ بِهَذِهِ الدَّعَوَاتِ فَقَالَ عُثْمَانُ ابْنُ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَوَاللَّهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرْقُ قَطْ.

یعنی، ایک حاجت مند اپنی حاجت کے لئے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس امر کی شکایت کی۔ انھوں نے فرمایا، وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ۔ پھر دعا مانگ ”الہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں۔ یا رسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے“ اور اپنی حاجت ذکر کر۔ پھر شام کو میرے پاس آتا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ حاجت مند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لا اقل

کبار تابعین میں سے تھے) یوں ہی کیا۔ پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا، اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لے گیا۔ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھا لیا۔ مطلب پوچھا۔ غرض کیا۔ فوراً روا فرمایا اور ارشاد کیا۔ کہ اتنے دنوں میں اس وقت تک تم نے اپنا مطلب بیان نہیں کیا۔ پھر فرمایا۔ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آیا، کرے تو ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری حاجت پر نظر، اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے تمہارے معاملے میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ بھی نہ کہا، لیکن اصل معاملہ یہ ہوا کہ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی ارشاد فرمایا، کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا کرے، خدا کی قسم! ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں وہ ہمارے پاس آیا۔ گویا وہ کبھی اندھا نہ تھا۔

امام طبرانی، پھر امام منذر فرماتے ہیں۔ وَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ۔ امام بخاری "کتاب الادب المفرد" میں اور امام ابن السنی اور امام بشکوال روایت کرتے ہیں:

لَ اِنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا خَلَّتْ رِجْلُهُ، فَقِيلَ لَهُ، اَذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ فَصَاحَ يَا مُحَمَّدًا فَانْتَشَرَتْ

۱۔ ولفظ البخاری ص ۱۹۳ خَلَّتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ اَذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ

یعنی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا، کسی نے کہا: انھیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت نے بہ آواز بلند کہا یا مُحَمَّدَاہ فوراً پاؤں کھل گیا۔

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاذکار میں اس کا مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا، کہ ان کا پاؤں بھی سو گیا تو یا مُحَمَّدَاہ کہا۔ اچھا ہو گیا۔ (امام نووی، کتاب الاذکار، مطبع دارالتعاون مکہ ص ۱۳۵) اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا اور سے بھی مروی ہوا۔

أَهْلُ مَدِينَةٍ. میں قدیم سے یا مُحَمَّدَاہ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔ علامہ شہاب خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفاءِ امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔ هَذَا مِمَّا تَعَاهَدَهُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ

ترجمہ: یا محمد اہل مدینہ کا معمول تھا۔ (نسیم الریاض، ج ۳ ص ۲۵۵ دار الفکر بیروت) حضرت بلال بن الحارث مزینی سے قحط عام الزمادہ میں کہ بعد خلافت فاروقی ۱۸ ہجری میں واقع ہوا، ان کی قوم بنی مزینی نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجئے۔ فرمایا، بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے انھوں نے کہا، کیا۔ آخر ذبح کی کھال کھینچی تو زری سرخ ہڈی نکلی۔ یہ دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ندا کی یا مُحَمَّدَاہ پھر حضور اقدس، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی۔ ذکرہ فی الکامل (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۵۵۶، دار لصادر بیروت)

امام مجتہد فقیہ اجل عبدالرحمن ہذلی کو فی مسعودی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلہ تبع تابعین و اکابر مجتہدین سے ہیں، سر پر بلند ٹوپی رکھتے تھے جس میں لکھا تھا۔ مُحَمَّدَاہ یا مَنْصُورٌ اور

ظاہر ہے کہ الْقَلَمُ أَحَدِ اللِّسَانَيْنِ۔ (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے) ہشیم بن جمیل اطا کی کہ ثقات علمائے محدثین سے ہیں۔ انھیں امام جل کی نسبت فرماتے ہیں:

رَأَيْتُهُ وَعَلَى رَأْسِهِ قَلَنْسُوَةٌ أَطْوَلُ مِنْ ذِرَاعٍ مَكْتُوبٌ فِيهَا مُحَمَّدٌ يَا مَنْصُورُ. ذَكَرَهُ فِي تَهْذِيبِ التَّهْذِيبِ وَغَيْرِهِ

ترجمہ: میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ہاتھ بھر سے لمبی ٹوپی رکھتے تھے جس میں لکھا تھا۔ ”محمد یا منصور“ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۷۳ دارالمعرفۃ بیروت)

امام شیخ الاسلام شہاب ربی انصاری کے فتاویٰ میں ہے:

سُئِلَ عَمَّا يَقَعُ مِنَ الْعَامَّةِ مِنْ قَوْلِهِمْ عِنْدَ الشَّدَائِدِ يَا شَيْخَ فُلَانٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ مِنَ الْإِسْتِغَاثَةِ بِالْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِينَ وَالصَّالِحِينَ وَ هَلْ لِلْمَشَائِخِ إِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ أَمْ لَا فَاجَابَ بِمَا نَصُّهُ إِنَّ الْإِسْتِغَاثَةَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الصَّالِحِينَ جَائِزَةٌ وَلِلْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ إِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ

(الشیخ حسن العدوی مشارق الانوار، مکتبۃ اشرفیہ مصر ص ۵۹)

یعنی، ان سے استغا ہوا کہ عام لوگ سختیوں کے وقت انبیاء و مرسلین و اولیاء و صالحین سے فریاد کرتے ہیں اور یا رسول اللہ یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے مثل کلمات کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیاء انتقال کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟

انھوں نے جواب دیا کہ بیشک انبیاء و مرسلین و اولیاء و علماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔

علامہ خیر الدین رملی، استاذ صاحب در مختار فتاویٰ خیریہ میں فرماتے ہیں:-

يَا شَيْخُ عَبْدَ الْقَادِرِ نِدَاءٌ فَمَا الْمُوجِبُ لِحُرْمَتِهِ

(فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ ارگ بازار قندھار، افغانستان، ج ۲ ص ۲۸۲)

لوگوں کا کہنا کہ یا شیخ عبدالقادر، یہ ایک ندا ہے پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے؟

سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر کی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

سُئِلْتُ عَنْ يَقُولٍ فِي حَالِ الشَّدَاثَةِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ يَا عَلِيَّ أَوْ يَا شَيْخَ عَبْدِ الْقَادِرِ مَثَلًا هَلْ هُوَ جَائِزٌ شَرْعًا أَمْ لَا؟ أَجَبْتُ نَعَمْ. إِلَّا سَفَاةً بِالْأَوْلِيَاءِ وَنِدَاءَهُمْ وَالتَّوَسُّلُ بِهِمْ أَمْرٌ مَشْرُوعٌ وَشَيْءٌ مَرْغُوبٌ لَا يُنْكِرُهُ، إِلَّا مُكَابِرٌ وَمُعَانِدٌ وَقَدْ حُرِّمَ بَرَكَةُ الْأَوْلِيَاءِ الْكَرَامِ. الخ

یعنی، مجھ سے سوال ہوا اُس شخص کے بارے میں جو کہ مصیبت کے وقت میں کہتا ہے یا رسول اللہ! یا علی! یا شیخ عبدالقادر! (مثلاً) آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا، ہاں اولیاء سے مدد مانگنا اور انہیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسل کرنا شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا صاحب عناد، اور بے شک ■ اولیائے کرام کی برکت سے محروم ہے۔

امام ابن جوزی نے کتاب ”عیون الحکایات“ میں تین اولیائے عظام کا عظیم الشان واقعہ بسند مسلسل روایت کیا کہ وہ تین بھائی سوارانِ دلاور

ساکنانِ شام تھے، کہ وہ ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کرتے۔

فَاسْرَهُ الرُّومُ مَرَّةً. فَقَالَ لَهُمُ الْمَلِكُ إِنِّي أَجْعَلُ فِيكُمْ
الْمُلْكَ وَ أَزْوَاجُكُمْ بَنَاتِي وَتَدْخُلُونَ النَّصْرَانِيَّةَ فَأَبُوا وَقَالُوا يَا
مُحَمَّدَاهُ!

یعنی ایک بار نصارائے روم ان کو قید کر کے لے گئے۔ بادشاہ نے ان کو کہا، میں تم کو سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تم کو بیاہ دوں گا، تم نصرانی ہو جاؤ، انھوں نے نہ مانا اور ندا کی یا محمداہ۔

بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کرا کر دو صاحبوں کو اُس میں ڈال دیا، تیسرے صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا کر بچا لیا۔ وہ دونوں چھ مہینے کے بعد مع ایک جماعت ملائکہ کے بیداری میں ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے۔ انھوں نے حال پوچھا، فرمایا:

مَا كَانَتْ إِلَّا الْغَطْسَةُ الَّتِي رَأَيْتَ حَتَّى خَرَجْنَا فِي الْفِرْدَوْسِ
بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا تھا اس کے بعد ہم جنت اعلیٰ میں تھے۔

امام فرماتے ہیں:

كَانُوا مَشْهُورِينَ بِذَلِكَ مَعْرُوفِينَ بِالشَّامِ فِي الزَّمَنِ الْأَوَّلِ.
یہ حضرات زمانہ سلف میں شام میں مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف ہے۔

پھر فرمایا کہ شعراء نے ان کی منقبت میں قصیدے لکھے، ازاں جملہ یہ

بیعت ہے۔

سَيُعْطَى الصَّادِقِينَ بِفَضْلِ صِدْقِ

نَجَاةٍ فِي الْحَيَاةِ وَفِي الْمَمَاتِ

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے ایمان والوں کو ان کی سچائی کی برکت سے حیات و موت میں نجات بخشے گا۔ (شرح الصدور، مطبوعہ خلافت اکیڈمی سوات، ص ۸۹، ۹۰)

یہ واقعہ نہایت عجیب، نفیس اور روح پرور ہے میں بخیال تطویل اسے مختصر کر گیا۔ تمام و کمال امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور میں ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيَرْجِعْ إِلَيْهِ۔ یہاں مقصود اس قدر ہے، کہ مصیبت میں يَا رَسُولَ اللَّهِ! کہنا اگر شرک ہے تو مشرک کی مغفرت و شہادت کیسی؟ اور جنت الفردوس میں داخل ہونا کیا معنی؟ اور ان کی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا کیونکر معقول؟ اور ان آئمہ دین نے یہ روایت کیونکر مقبول اور ان کی شہادت و ولایت کس وجہ سے مسلم رکھی اور وہ مردانِ خدا خود بھی سلفِ صالح میں تھے، کہ یہ واقعہ شہر طرطوس سے آبادی سے پہلے کا ہے۔ گمنا ذکر فی الزوالیۃ نفیسا اور طرطوس ایک نگر ہے، یعنی دارالاسلام کی سرحد کا شہر، جسے خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے آباد کیا۔ گمنا ذکرہ الإمام الشیوطی فی تاریخ الخلفاء۔ ہارون الرشید کا زمانہ زمانہ تابعین و تبع تابعین تھا تو یہ تینوں شہدائے کرام اگر تابعی نہ تھے لا اقل تبع تابعین سے تھے۔

وَاللَّهُ الْهَادِي

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ اسْتَغَاثَ بِي فِي كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَى بِاسْمِي فِي شِلَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِي إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ فِي حَاجَتِهِ. قُضِيََتْ لَهُ، وَمَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يَفْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ سُورَةَ الْإِخْلَاصِ إِحْدَى عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ السَّلَامِ وَيُسَلِّمَ عَلَيْهِ. ثُمَّ يَخْطُو إِلَى جِهَةِ الْعِرَاقِ إِحْدَى عَشْرَةَ خُطْوَةً يَذْكُرُ فِيهَا اسْمِي وَيَذْكُرُ حَاجَتَهُ، فَإِنَّهَا تُقْضَى بِإِذْنِ اللَّهِ (بجہ الاسرار ص ۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابي مصر)

یعنی، جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے، وہ تکلیف رفع، اور جو کسی حاجت میں اللہ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت برآئے اور جو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورۃ اخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام پھیر کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر عراق شریف کی، طرف گیارہ قدم چلے۔ ان میں میرا نام لیتا جائے، اور اپنی حاجت یاد کرے، اس کی وہ حاجت روا ہو اللہ کے اذن سے۔

اکابر علمائے کرام و اولیائے عظام مثل امام ابو الحسن نور الدین علی بن جریر الحمی شطونوی۔ و امام عبداللہ بن اسعد یافعی مکی و مولانا علی قاری مکی صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ و مولانا ابوالمعالی محمد سلمی قادری و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اپنی تصانیف جلیلہ ہجۃ الاسرار و خلاصۃ المفائر و نزہۃ الخاطر و تحفۃ قادریہ و زبدۃ الآثار، وغیرہا میں یہ کلمات رحمت آیات حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے نقل و روایت فرماتے

۱۔ مزار مطہر لاہور میں واقع ہے۔ ۱۲۔

ہیں۔ یہ امام ابوالحسن نور الدین علی مصنف ہجۃ الاسرار شریف اعظم علماء و آئمہ قرأت و اکابر اولیاء و سادات طریقت سے ہیں۔ امام اجل حضرت ابو صالح نصر قدس سرہ سے فیض حاصل کیا۔ انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق نور اللہ مرقدہ سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضور پرنور سید السادات غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں:

یہ کتاب ہجۃ الاسرار، کتاب عظیم و شریف و مشہور اور اس کے مصنف علمائے قرأت سے عالم معروف و مشہور، اور ان کے احوال شریفہ کتابوں میں مذکور و مسطور۔

امام شمس الدین ذہبی، کہ علم حدیث و اسماء الزّجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار، اس جناب کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرّنین میں ان کے مدائح لکھے۔ امام محدث محمد بن محمد بن محمد جزری مصنف حسن حصین اس جناب کے سلسلہ تلامذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب مستطاب اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند و اجازت حاصل کی۔ اس سب باتوں کی تفصیل اور اس نماز مبارک کا دلائل شرعیہ و اقوال و افعال علماء و اولیاء سے ثبوت جلیل فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے رسالہ انوار الانوار من یم صلوة الاسرار میں ہے:

فَعَلَيْكَ بِهَا تَجِدُ فِيهَا مَا يَشْفِي الصُّدُورَ وَ يَكْشِفُ الْعَمَى
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

۲۔ اس کتاب میں امام شمس الدین ذہبی اور حسن المحاضرہ میں امام جلال الدین سیوطی نے اس جناب کو امام الاوحد لکھا، یعنی امام یکتا، بے نظیر، قدس سرہ۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الزبانی کتاب مستطاب لواقع الانوار فی طبقات الاخیار میں فرماتے ہیں:

سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید بازار میں تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے جانور کا پاؤں پھسلا۔ بہ آواز پکارا۔ یا سیدی محمد یا غمری۔ ادھر ابن عمر حاکم سعید کو بحکم سلطان چھمق قید کرنے کے لئے جاتے تھے۔ ابن عمر نے فقیر کی نداسنی۔ پوچھا یہ سیدی محمد کون ہیں؟ کہا۔ میرے شیخ۔ کہا، میں ذلیل بھی کہتا ہوں۔ یا سیدی محمد یا غمری لا حظنی۔ اے میرے سردار! اے محمد غمری! مجھ پر عنایت کرو۔“

ان کا یہ کہنا تھا کہ حضرت سیدی محمد غمری رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور مدد فرمائی، کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی جان پر بن گئی۔ مجبورانہ ابن عمر کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ (عبدالوہاب شعرانی امام، طبقات الکبریٰ، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ مصر، ج ۲ ص ۹۳)

اسی میں ہے:

سیدی محمد شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرہ خلوت میں وضو فرما رہے تھے، ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کہ غائب ہوگئی حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے جب تک وہ پہلی واپس آئے۔

ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع ہدایا لے کر حاضر آیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے، جب چور میرے سینے پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا، میں نے اپنے دل میں کہا، یا سیدی محمد

یا حنفی۔ اسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آ کر اس کے سینے پر لگی کہ غش کھا کر الٹا ہو گیا اور مجھے بہ برکت حضور، اللہ عز وجل نے نجات بخشی۔

(طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴)

اسی میں ہے۔

ولی ممدوح قدس سرہ، کی زوجہ مقدسہ بیماری سے قریب مرگ ہو گئیں، وہ یوں ندا کرتی تھیں۔

يَا سَيِّدِي أَحْمَدُ يَا بَدَوِي خَاطِرُكَ مَعِي

اے میرے سردار، اے احمد بدوی، حضرت کی توجہ میرے ساتھ ہے۔ ایک دن حضرت سیدی احمد کبیر بدوی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، کہ فرماتے ہیں، کہ کب تک مجھے پکارے گی اور فریاد کرے گی، تو جانتی نہیں کہ تو ایک بڑے صاحب تمکین (یعنی اپنے شوہر) کی حمایت میں ہے، اور جو کسی ولی کبیر کی درگاہ میں ہوتا ہے۔ ہم اس کی ندا پر اجابت نہیں کرتے۔ یوں کہو:

يَا سَيِّدِي مُحَمَّدُ يَا حَنْفِي.

یہ کہے گی تو تجھے اللہ تعالیٰ عافیت بخشے گا۔ ان بی بی نے یوں ہی کہا۔ صبح کو خاصی تندرست اٹھیں، گویا کبھی مرض نہ تھا۔

(امام عبدالوہاب شعرانی، طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴)

اسی میں ہے، حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرض موت میں فرماتے تھے:

مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ فَلْيَأْتِ إِلَى قَبْرِي وَيَطْلُبْ حَاجَتَهُ

أَقْضِيهَا لَهُ، فَإِنَّ مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ غَيْرُ ذِرَاعٍ مِّنْ تُرَابٍ وَكُلُّ رَجُلٍ
يَحْجِيهِ، عَنْ أَصْحَابِهِ ذِرَاعٌ مِّنْ تُرَابٍ فَلَيْسَ بِرَجُلٍ

۔ (امام عبد الوہاب شعرانی، طبقات الکبریٰ، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ مصر ج ۲ ص ۹۶)

جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پر حاضر ہو کر اپنی حاجت مانگے۔ میں
روا فرما دوں گا کہ مجھ میں تم میں یہی ہاتھ بھر مٹی ہی تو حائل ہے اور جس مرد
کو اتنی مٹی اپنے اصحاب سے حجاب میں کر دے وہ مرد ہی کا ہے۔

اسی طرح حضرت محمد بن فرغل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال شریفہ میں

لکھا ہے:

كَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ أَنَا مِنَ الْمُتَصَرِّفِينَ فِي
قُبُورِهِمْ فَمَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ فَلْيَأْتِ إِلَى قُبَالَةِ وَجْهِِي وَيَذْكُرْهَا لِي
أَقْضِيهَا لَهُ، (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۵)

فرمایا کرتے تھے۔ میں ان میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرف فرماتے
ہیں، جسے کوئی حاجت ہو میرے پاس میرے چہرے کے سامنے حاضر ہو کر
مجھ سے اپنی حاجت کہے میں روا فرما دوں گا۔

اسی میں ہے، مروی ہوا:

ایک دن حضرت سیدی مدین بن احمد اشمونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
وضو فرماتے وقت ایک کھڑاؤں بلادِ مشرق کی طرف پھینکی۔ سال بھر کے بعد
ایک شخص حاضر ہوئے اور وہ کھڑاؤں ان کے پاس تھی۔ انھوں نے حال
عرض کیا، کہ جنگل میں ایک بدوضع نے ان کی صاحبزادی پر دست درازی
چاہی۔ لڑکی کو اس وقت اپنے باپ کے پیر و مرشد حضرت سیدی مدین کا نام

معلوم نہ تھا، یوں ندا کی:

يَا شَيْخَ أَبِي لَاحِظْنِي: اے میرے باپ کے پیر و مرشد! مجھے
بچائیے۔ یہ ندا کرتے ہی، وہ کھڑاؤں آئی، لڑکی نے نجات پائی۔ وہ کھڑاؤں
ان کی اولاد میں اب تک موجود ہے۔ (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۲)

اسی میں سیدی موسیٰ ابو عمران رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:
كَانَ إِذَا نَادَاهُ مُرِيدُهُ، أَجَابَهُ، مِنْ مَسِيرَةِ سَنَةٍ أَوْ أَكْثَرَ.
جب ان کا مرید جہاں کہیں سے انھیں ندا کرتا، جواب دیتے اگرچہ
سال بھر کی راہ پر ہوتا یا اس سے زائد۔ (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱)
حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار شریف میں
ذکر مبارک حضرت سید اجل شیخ بہاء الحق والدین بن ابراہیم عطاء اللہ
الانصاری القادری الشطاری الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت ممدوح کے
رسالہ مبارکہ شطاریہ سے نقل فرماتے ہیں۔

”ذکر کشف ارواح یا احمد یا محمد در دو طریق است
یک طریق آنست یا احمد را در راست بگوید و یا محمد در
چپ بگوید و در دل ضرب کند۔
یا رسول اللہ!

طریق دوم آنست کہ یا احمد را در راست بگوید و در
چپ یا محمد و در دل وہم کند یا مصطفیٰ۔
دیگر ذکر یا احمد۔ یا محمد۔ یا علی۔ یا حسن۔ یا حسین۔
یا فاطمہ شش طرفے ذکر کند، کشف جمیع ارواح شود۔

و دیگر اسمائے ملائکہ مقرب ہمیں تاثیر دارند۔ یا
جبرئیل یا میکائیل یا اسرافیل۔ یا عزرائیل۔ چہار
ضربی۔

دیگر ذکر اسم شیخ، یعنی بگوید یا شیخ یا شیخ ہزار بار بگوید
کہ حرف ندارد از دل بکشد، طرف راست۔ ہر دو لفظ
شیخ را در دل ضرب کند۔“

(اخبار الاخیار ص ۳۰۵ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند)

حضرت سیّدی نور الدین عبدالرحمن مولانا جامی قدس سرہ السامی کتاب
فحات الانس شریف میں حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العلی کے حالات میں
لکھتے ہیں کہ مولانا روح اللہ روحہ نے قریب انتقال ارشاد فرمایا:

”از رفتن من غمناک مشوید کہ نور منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ بعد از صد و پنجاہ سال بر روح شیخ فرید الدین
عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ تجلی کردہ، مرشد او شد (اور فرمایا)
در حالتیکہ باشید مرایا د کنید۔ تا من شمارا مدد باشم، در ہر
لباسیکہ باشم۔“

اور فرمایا:

”در عالم مارا دو تعلق است۔ یکے بہ بدن و یکے
بشمار و چوں بہ عنایت حق سبحانہ، و تعالیٰ فرد مجرد شوم و
عالم تجرید و تفرید روئے نماید۔ آں تعلق نیز از آں شمار
خواہد بود۔“ (فحات الانس جامی اردو ص ۷۰۲، مطبوعہ مدینہ
پبلشنگ کمپنی کراچی)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، اطیب النعم فی مدح سید العرب
والعجم "میں لکھتے ہیں۔"

۱۔ وَصَلَّى عَلَيْكَ اللَّهُ يَا خَيْرَ خَلْقِهِ
وَيَا خَيْرَ مَا مَوْلٍ وَيَا خَيْرَ وَاهِبٍ
وَيَا خَيْرَ مَنْ يُرْجَى لِكَشْفِ رَزِيَّةٍ
وَمِنْ جُودِهِ قَدْ فَاقَ جُودَ السَّحَابِ
وَ أَنْتَ مُجِيرِي مَنْ هُجُومَ ظُلْمَةٍ
إِذَا انْشَبَتْ فِي الْقَلْبِ شُرُ الْمَخَالِبِ
اور خود اس کی شرح و ترجمہ میں کہتے ہیں: (فصل یازدہم)
"در ابہتال بہ جناب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
رحمت فرستد بر تو خدائے تعالیٰ اے بہترین خلق خدا و
اے بہترین کسیکہ امید داشتہ شود۔ اے بہترین عطا
کنندہ۔ وائے بہترین کسیکہ امید داشتہ باشد برائے
ازالہ مصیبت۔ وائے بہترین کسیکہ سخاوت او زیادہ
است از باران (بارہا گواہی میدہم) کہ تو پناہ دہندہ
منی از ہجوم کردن مصیبت و قتیکہ بخلا ند در دل بدترین

۱۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، اے اس کی بہترین مخلوق اور اے بہترین امیدگاہ
اور اے بہترین عطا فرمانے والے اور اے وہ بہترین ذات جس سے مصیبت زائل
کرنے کی تمنا کی جاتی ہے اور وہ کہ جس کی سخاوت بادلوں سے بھی زائد ہے۔ آپ
معائب کے ہجوم سے مجھ کو پناہ دینے والے ہیں جبکہ دل میں بدترین پنچے چبھ جائیں۔

چنگا لہا۔ (اھ ملخصاً) (اطیب النغم ص ۲۲، مجتہائی دہلی)

اسی کے شروع میں لکھتے ہیں:

ذکر بعض حوادثِ زماں کہ در آں حوادث لا بد

است از استمدادِ بروحِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم (اطیب النغم ص ۲)

اسی کی فصلِ اول میں لکھتے ہیں:

۲ ”بنظر نئے آید مرا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کہ جائے دستِ زدن اندوہ گیس است، و ہر

ہد تے۔“ (اطیب النغم ص ۴، مطبوعہ مجتہائی دہلی)

یہی شاہ صاحب قصیدہ مدحیہ ہمزئیہ میں لکھتے ہیں:

۱ یُنَادِی ضَارِعًا بِخُضُوعِ قَلْبٍ وَذَلٍّ وَابْتِهَالٍ وَالتَّجَاعِ

رَسُولَ اللَّهِ يَا خَيْرَ الْبَرَايَا نَوَالِكَ ابْتَغَى يَوْمَ الْقَضَاءِ

إِذَا مَا حَلَّ خَطْبُ مُذَلِّهِمْ فَأَنْتَ الْحِصْنُ مِنْ كُلِّ الْبَلَاءِ

إِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَبِكَ اسْتَنَادِي وَفِيكَ مَطَامِعِي وَبِكَ ارْتَجَاؤِي

۱ ذکر زمانہ کے ان بعض مصائب کا جن میں روحِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استمداد لینا ضروری ہے۔

۲ مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں نظر آتا، جو ہر غمگین کے لئے ہر شدت میں سہارا ہیں۔

۳ ترجمہ شعار: آہ و زاری، خضوعِ قلب، ذلت و ابتہال اور پناہ حاصل کرتے ہوئے خدا کرے اللہ کے رسول کو، اے بہترین مخلوق! قضاء کے دن میں آپ ہی کی عطا کا طالب ہوں۔ جبکہ کوئی بڑی مصیبت نازل ہو تو آپ ہی ہر مصیبت سے بچانے والے قلعہ ہیں، آپ ہی کی طرف میری توجہ ہے اور آپ ہی پر میرا اعتماد ہے اور آپ ہی سے امید اور طمع ہے۔

اور خود ہی اس کی شرح و ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ فصل ششم۔

”در مخاطبہ جناب عالی افضل الصلوٰت و اکمل التحیات

والتسلیمات ندا کند زار و خوار شدہ، بشکستگی دل و اظہار

بے قدری خود بہ اخلاص در مناجات و بہ پناہ گرفتن با

ایں طریق کہ اے رسول خدا! اے بہترین مخلوقات!

عطائے ترامی خواہم روز فیصل کردن و قتیکہ فرود آید

کار عظیم در غایت تاریکی۔ پس تو پناہ از ہربلا۔ بسوئے

تست روا آوردن من بسوئے تست پناہ گرفتن من و بہ

تست امید داشتن من۔ اھ ملخصاً۔ (ص ۳۳ مطبع مجتہائی)

یہی شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں قضائے حاجت کے

لئے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل کرتے ہیں:

”اوّل دو رکعت نفل، بعد ازاں یک صد و یازدہ بار

درود شریف و بعد ازاں یک صد و یازدہ بار کلمہ تمجید و

یکصد و یازدہ بار شَيْئاً لِّلّٰہِ یَا شَیْخُ عَبْدِ الْقَادِرِ

جِبِلَانِی

اسی انتباہ سے ثابت کہ یہی شاہ صاحب اور ان کے شیخ و استاذ حدیث

مولانا ابو طاہر مدنی جن کی خدمت میں مدتوں رہ کر شاہ صاحب نے حدیث

پڑھی۔ اور ان کے شیخ و استاذ و والد مولانا ابراہیم کردی، اور ان کے استاذ

مولانا احمد قشاشی، اور ان کے استاذ مولانا احمد شناوی اور شاہ صاحب کے

پہلے دو رکعت نفل اس کے ایک سو گیارہ مرتبہ درود شریف اور اس کے بعد ایک سو گیارہ

مرتبہ کلمہ تمجید اور ایک سو گیارہ بار، شَيْئاً لِّلّٰہِ یَا شَیْخُ عَبْدِ الْقَادِرِ جِبِلَانِی پڑھے۔

استاذ الاستاذ مولانا احمد تھلی کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث میں داخل اور شاہ صاحب کے پیر و مرشد شیخ محمد سعید لاہوری جنہیں انتباہ میں شیخ معمر ثقہ کہا، اور اعیان مشائخ طریقت سے گنا، اور ان کے پیر شیخ محمد اشرف لاہوری اور ان کے شیخ مولانا عبدالملک اور ان کے مرشد شیخ بایزید ثانی اور شیخ سنادی کے پیر حضرت سید صبغۃ اللہ بروہی اور ان دونوں صاحبوں کے پیر و مرشد مولانا وجیہ الدین علوی شارح ہدایہ و شرح وقایہ اور ان کے شیخ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہم الرحمۃ الملک الباری، یہ سب اکابر ناد علی کی سندیں لیتے اور اپنے تلامذہ اور مستفیدین کو اجازتیں دیتے اور یا علی یا علی کا وظیفہ کرتے وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ السَّاطِعَةُ، جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو فقیر کے رسائل انوار الانوار، اور حیات الموات فی بیان سماع الاموات کی طرف رجوع کرے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں حضرت ارفع و اعلیٰ امام العلماء نظام الاولیاء حضرت سیدی احمد زروق معری قدس سرہ استاد امام شمس الدین لقانی و امام شہاب الدین قسطلانی شارح صحیح بخاری کی مدح عظیم لکھی کہ وہ جناب ابدال سبوح و محققین صوفیہ سے ہیں، شریعت و حقیقت کے جامع، باوصف علو باطن ان کی تصانیف علوم ظاہری میں بھی نافع و مفید بکثرت ہیں۔ اکابر علماء فخر کرتے تھے کہ ہم ایسے جلیل القدر عالم و عارف کے شاگرد ہیں، یہاں تک کہ لکھا:

”بالجملہ مرد جلیل القدر یست کہ مرتبہ کمال اوفوق الذکر است۔“ پھر اہل جناب جلالت مآب کے کلام پاک سے دو چیس نقل کیں، کہ فرماتے ہیں:-

أَنَا لِمُرِيدِي جَامِعٌ لِشَتَائِهِ
إِذَا مَا سَطَا جَوْرُ الزَّمَانِ بِنَكْبَةٍ
وَأِنْ كُنْتُ فِي ضَيْقٍ وَكَرْبٍ وَوَحْشَةٍ
فَنَادِيًا زُرُوقًا بِسُرْعَةٍ

”یعنی میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیت بخشنے والا ہوں، جب ستم زمانہ اپنی نحوست سے اس پر تعدی کرے اور اگر تو تنگی و تکلیف و وحشت میں ہو تو یوں ندا کر“ یا زُرُوق“ میں فوراً آ موجود ہوں گا۔“ (بستان المحمدین، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص ۳۲۵، مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

علامہ زیاد ی پھر علامہ اجموری صاحب تصانیف کثیرہ مشہورہ پھر علامہ داؤدی محشی شرح منہج پھر علامہ شامی صاحب ردالمحتار حاشیہ درمختار، گم شدہ چیز کے ملنے کے لئے فرماتے ہیں کہ بلندی پر جا کر حضرت سید احمد بن علوان یمنی قدس سرہ کے لئے فاتحہ پڑھے، پھر انھیں ندا کرے کہ یا سیدی احمد یا ابن علوان۔

شامی مشہور و معروف کتاب ہے، فقیر نے اس کے حاشیے کی عبارت اپنے رسالہ حیاۃ الموات کے ہاشم تکملہ پر ذکر کی۔ (علامہ ابن عباد بن شامی، ردالمختار، مطبوعہ دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر، ج ۳ ص ۳۵۵)

غرض یہ صحابہ کرام سے اس وقت تک کے اس قدر آئمہ و اولیاء علماء ہیں جن کے اقوال فقیر نے ایک ساعت قلیلہ میں جمع کئے۔ اب مشرک کہنے والوں سے صاف صاف پوچھنا چاہیے کہ عثمان بن حنیف و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر، شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے اساتذہ و مشائخ تک سب کو کافر و مشرک کہتے

ہو، یا نہیں؟ اگر انکار کریں تو الحمد للہ، ہدایت پائی اور حق واضح ہو گیا اور بے دھڑک ان سب پر کفر و شرک کا فتویٰ جاری کریں، تو ان سے اتنا کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے، ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو تو کسے کہا، اور کیا کچھ کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور دل میں جان لیجئے کہ جس مذہب کی بنا پر صحابہ سے لے کر اب تک کے اکابر سب معاذ اللہ مشرک و کافر ٹھہریں۔ مذہب خدا اور رسول کا کس قدر دشمن ہوگا۔

صحیح حدیثوں میں آتا ہے، کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے، خود کافر ہے، اور بہت آئمہ دین نے مطلقاً اس پر فتویٰ دیا جس کی تفصیل فقیر نے اپنے رسالہ النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عذی الثقلید ۱۳۰۵ھ میں ذکر کی، ہم اگرچہ بحکم احتیاط تکفیر نہ کریں تاہم اس قدر میں کلام نہیں، کہ ایک گروہ آئمہ کے نزدیک یہ حضرات کہ یا رسول اللہ و یا علی و یا حسین و یا غوث الثقلین کہنے والوں کو کافر و مشرک کہتے ہیں، خود کافر ہیں، تو انھیں لازم ہے کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں، درمختار میں ہے۔

مَا فِیْہِ خِلَافٌ یُّؤَمَّرُ بِالِاسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَتَجْدِیدِ النِّکَاحِ
(فائدہ) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کرنے کے عمدہ دلائل سے التحیات ہے جسے ہر نمازی، نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے کہ:

السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ
سلام حضور پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں

اگر ندامت معاذ اللہ شرک ہے تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۝

اور یہ جاہلانہ خیال محض باطل کہ التحیات زمانہ اقدس سے ویسی ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں کی ادا ہے، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا۔
حاشا وکلا، شریعت مطہرہ نے نماز میں کوئی ایسا ذکر نہیں رکھا ہے جس میں صرف زبان سے لفظ نکالے جائیں اور معنی مراد نہ ہوں۔ نہیں نہیں بلکہ قطعاً یہی درکار ہے کہ التحیات للہ والصلوات والطیبات سے حمد الہی کا قصد رکھے اور السّلامَ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتا، اور حضور سے بالقصد عرض کر رہا ہوں کہ سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں اور شرح قدوری میں ہے۔

لَا بُدَّ أَنْ يُقْصَدَ بِالْفَاطِ التَّشْهَدِ مَعَانِيَهَا الَّتِي وُضِعَتْ لَهَا مِنْ عِنْدِهِ كَأَنَّهُ يُحْيِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَ يُسَلِّمُ عَلٰی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم وَعَلٰی نَفْسِہِ وَعَلٰی اَوْلِیَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰی.

تشہد کے الفاظ میں اس کے ان معانی کا قصد کرنا ضروری ہے جن کے لئے یہ الفاظ موضوع ہیں گویا اللہ کی تعظیم کر رہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج رہا اور خود اپنے اوپر اور اولیاء اللہ پر۔
تنویر الابصار، اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ:

(وَيَقْصُدُ بِالْفَاطِ) التَّشْهَدُ مَعَانِيَهَا مُرَادَةً لَهُ، عَلَى وَجْهِ
الْإِنْشَاءِ كَأَنَّهُ، يُحْيِي اللَّهَ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ وَعَلَى نَفْسِهِ وَعَلَى
أَوْلِيَائِهِ (لَا الْأَخْبَارَ) عَنْ ذَلِكَ ذِكْرُهُ فِي الْمُجْتَبَى

(تنویر الابصار مع رد المحتار، مطبوعہ بیروت ج ۱ ص ۳۴۲)

تشہد کے الفاظ سے ان کے معانی مراد ہونے چاہیں، بطور انشا گویا
خدا کی تعظیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے آپ پر اور اللہ کے اولیاء پر سلام
بھیج رہا ہے، اس سے مراد صرف خبر دینا نہ ہو۔

علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں۔

يَقْصُدُ مَعَانِيَهُ مُرَادَةً لَهُ عَلَى أَنَّهُ، يَنْشِئُهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا مِنْهُ

(مراقی الفلاح مع شرح الطحاوی مطبعة الازہریہ مصر، ص ۱۶۵)

اس کے معانی مراد ہوں، گویا اپنی طرف سے سلام و تحیت کا انشاء
کر رہا ہے۔

اسی طرح بہت علماء نے تصریح فرمائی، اس پر بعض سفہائے منکرین یہ
عذر گھڑتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام پہنچانے پر ملائکہ مقرر ہیں تو ان میں ندا جائز
ہے اور ان کے وراء میں ناجائز۔ حالانکہ یہ سخت جہالت بے مزہ ہے۔ قطع
نظر بہت اعتراضوں سے جو اس پر وارد ہوتے ہیں، ان ہوشمندوں نے اتنا
بھی نہ دیکھا کہ صرف درود و سلام ہی نہیں بلکہ امت کے تمام اقوال و افعال و
اعمال روزانہ دو وقت سرکار عرش وقار حضور سید الابرار صلی علیہ وسلم میں عرض
کئے جاتے ہیں اور یوں ہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور والدین
واعزاء و اقارب سب پر عرض اعمال ہوتی ہے۔

فقیر نے وہ سب حدیثیں اپنے رسالہ ”سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ ۱۲۹۷ھ میں جمع کیا ہیں، یہاں اسی قدر بس ہے کہ امام اجل عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ إِلَّا وَتُعَرَّضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ غُدْوَةً وَعَشِيًّا فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَأَعْمَالِهِمْ
(محمد عبد الباقی زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، دار المعرفۃ بیروت، ج ۵ ص ۳۳۷)
یعنی کوئی دن ایسا نہیں جس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ اعمال امت پیش نہ کئے جاتے ہوں۔

تو حضور کا اپنے امتیوں کو پہچاننا، ان کی علامت اور ان کے اعمال دونوں وجہ سے ہے: فَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

بے ربط ہیں، فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ بہ توفیق اللہ عزوجل، اس مسئلے میں ایک مبسوط کتاب لکھ سکتا ہے، مگر منصف کے لئے اسی قدر وافی اور خدا ہدایت دے تو ایک حرف کافی۔

إِكْفِنَا شَرَّ الْمُضِلِّينَ يَا كَافِي وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَ
مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ حُمَاةِ الدِّينِ الصَّافِي . آمِينَ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

کتاب ماخذ

نام مصنف	نام کتاب
	(۱) صحاح ستہ
ابو ذکریا نووی	(۲) کتاب الاذکار
خفاجی	(۳) نسیم الریاض
	(۴) الکامل
	(۵) تہذیب التہذیب
	(۶) فتاویٰ شہاب ربی
ابن جوزی	(۷) عیون الحکایات
جلال الدین سیوطی	(۸) شرح الصدور
شیخ عبدالحق	(۹) اخبار الاخیار
عبدالرحمن جامی	(۱۰) نفحات الانس
شاہ ولی اللہ	(۱۱) اطیب النعم

ان کتب کے علاوہ اور کتب کے، حوالہ جات بھی ہیں!

مجموعی تعداد باسٹھ (۶۲) ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَفَى الْقَيُّ عَمَّنْ آثَرَ بِنُورِهِ كُلُّ شَيْءٍ

حُضُورِ پُر نور
کے سایہ نہ
ہونے کا بیان

تصنیف لطیف

امام اہل سنت مجددِ ائمہ دین و سبب
اعظمِ بركات سيدنا الشاہ امام
احمد رضا خاں قاضی اعظم دہلی

تقدیم

حضور پُر نور علیہ السلام کو قرآن نے نور کہا ہے۔ امت مسلمہ کے عقیدے کے مطابق آپ نور ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو سراپا معجزہ بنایا تھا، آپ کی ذات سے کچھ احوال و کیفیات بشریت کے تقاضوں کے مطابق سرزد ہوئے تھے اور کچھ نورانیت کے تقاضوں کے مطابق، آپ کا سایہ نہ ہونا، یہ آپ کی نورانیت کی وجہ سے تھا۔

احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ آپ کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں تھا اور نہ ماہتاب کی روشنی میں۔
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم و تقویٰ کو سب ہی مانتے ہیں آپ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ”سایہ سایہ والی چیز سے لطیف ہوا کرتا ہے اور اللہ نے عالم خلق بلکہ عالم امر میں بھی کوئی مخلوق آپ سے زائد لطیف پیدا نہیں کی ہے تو پھر آپ کا سایہ کیونکر ہو سکتا تھا؟
بہر حال اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے سمجھنے کے لئے نفی الہی کا مطالعہ فرمائیں، قمرالتمام میں بھی اس مسئلے پر گفتگو ہے۔

مرتب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور کے سایہ نہ ہونے کے اثبات و احقاق اور مخالفین کے اسکات و ازہاق میں یہ پر نور رسالہ ایمانی قلوب کو انوار الہی سے پر نور کر دینے والا ہے۔

الحمد لله الذي خلق قبل الاشياء نور نبينا من نوره وخلق الانوار جميعا من لمعات ظهوره فهو صلى الله تعالى عليه وسلم نور الانوار و ممد جميع الشمس والاقمار سماه ربه في كتابه الكريم نوراً و سراجاً منيراً فلولاً انارته لما استنارت شمس ولا تبين يوم من امس ولا تعين وقت للخميس صلى الله تعالى عليه و على المستنيرين بنوره المحفوظين عن الطمس جعلنا الله تعالى منهم في الدنيا و يوم لا يسمع الا همس.

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سایہ تھا یا نہیں۔ بتیو اتوجروا۔

الجواب:

بے شک اس مہر سپہر اصطفاء، ماہ منیر اجتباء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، اور یہ امر احادیث و اقوال علمائے کرام سے ثابت اور اکابر آئمہ و فضلاء مثل حافظ رزین محدث و علامہ ابن سبع صاحب شفاء الصدور و

امام علامہ قاضی عیاض صاحب کتاب الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ و امام عارف باللہ سیّدی جلال المملۃ والدین محمد بنی رومی قدس سرہ و علامہ حسین بن محمد یار بکری و اصحاب سیرت شامی و سیرت حلبی و امام علامہ جلال المملۃ والدین سیوطی و امام شمس الدین ابو الفرج ابن جوزی محدث صاحب کتاب الوفاء و علامہ شہاب الحق والدین خفاجی صاحب نسیم الزیاض و امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ و منہج محمدیہ و فاضل اجل محمد زرقانی مالکی، شارح مواہب و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی و جناب شیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی و بحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی و شیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیرہم اجلہ فاضلین و مقتدایان کہ آج کل کے مدعیان خام کار کو ان کی شاگردی بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں، خلفاً عن سلف دائماً اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کرتے آئے، اور مفتی عقل و قاضی نقل نے باہم اتفاق کر کے اس کی تائیس و تشہید کی۔

لقد اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یکن یرویٰ له ظلّ فی شمس ولا قمر۔

(ابن جوزی کتاب الوفاء، ج ۲ ص ۴۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ)

یعنی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا، دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی محدث رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سے روایت کرتے ہیں۔

قال لم يكن لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ظل
ما قام مع شمس ألا غلب ضوءه ضوءها ولا مع السراج إلا غلب
ضوءه ضوءه.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے
ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ ان کا نور عالم افروز خورشید کی روشنی پر
غالب آ گیا اور نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیا میں، مگر یہ حضور تابش نور نے اس
کی چمک کو دبا لیا۔

امام علام حافظ جلال الملتہ والدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب
خصائص کبریٰ میں اس معنی کے لئے ایک باب وضع فرمایا اور اس میں حدیث
ذکوان ذکر کر کے نقل کیا۔

قال ابن سبع من خصائصه صلى الله تعالى عليه وسلم إن
ظله كان لا يقع على الارض وانه كان نوراً فكان اذا مضى في
الشمس او القمر لا ينظر له ظل قال بعضهم ويشهد له حديث
قوله صلى الله وسلم في دعائه واجعلني نوراً

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۶۹، دارالکتب الحدیثیہ، مصر)

یعنی ابن سبع نے کہا: حضور کے خصائص کریمہ سے ہے کہ آپ کا
سایہ زمین پر نہ پڑھتا تھا اور آپ نور محض تھے، تو جب آپ دھوپ یا چاندنی
میں چلتے آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا، اور اس کی شاہد وہ
حدیث ہے کہ حضور نے دعا میں عرض کیا کہ مجھے نور کر دے۔

نیز النموذج اللیب فی خصائص الحبيب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باب

ثانی فصلِ رابع میں فرماتے ہیں:

لَمْ يَقْعْ ظِلُّهُ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا رُءْيَىٰ لَهُ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَلَا

قَمَرٍ قَالَ ابْنُ سَبْعٍ لِأَنَّهُ كَانَ نُورًا قَالَ رَزِينٌ لِّغَلْبَةِ انْوَارِهِ.

(جلال الدین سیوطی، اخذ ج اللیب ص ۵۳ مطبع الکتاب لاہور)

یعنی: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑا اور حضور کا سایہ نظر نہ آیا دھوپ میں اور نہ چاندنی میں، ابن سبع نے فرمایا، یہ اس لئے کہ حضور نور ہیں۔ امام رزین نے فرمایا، اس لئے کہ حضور کے انوار سب پر غالب ہیں۔

امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفا شریف میں فرماتے ہیں۔

وَمَا ذَكَرَ مِنْ أَنَّهُ لَا ظِلَّ تَشْخِصُهُ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ لِأَنَّهُ كَانَ نُورًا

(شفاء شریف ج ۱ ص ۳۰۶)

یعنی ”حضور کے دلائل نبوت و آیات رسالت سے ہے وہ بات جو مذکور ہوئی کہ آپ کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اتمی

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔ دھوپ اور چاندنی اور جو روشنیاں کہ ان میں بہ سبب اس کے کہ اجسام، انوار کے حاجب ہوتے ہیں، لہذا ان کا سایہ نہیں پڑتا جیسا انوار حقیقت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پھر حدیث کتاب الوفاء ذکر کر کے، اپنی ایک رباعی انشاء کی (پڑھی) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سایہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بہ سبب حضور کی کرامت و فضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا، اور تعجب

ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سائے میں آرام کرتے ہیں۔

اُمّی و نکتہ دان عالم

بے سایہ و سائب عالم

پھر فرماتے ہیں:

یہ تحقیق قرآن عظیم ناطق ہے، کہ آپ نور روشن ہیں، اور آپ کے بشر ہونا اس کے منافی نہیں، جیسا کہ دہم کیا گیا اگر تو سمجھے تو ۱۱ نور علی نور ہیں۔

و هذا نصه الخفا جی (و) من دلائل نبوته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ما ذکر) بالبناء للمجهول و الذی ذکرہ ابن سبع، (من انه) بیان ما الموصولة (لا ظلّ لشخصه) ای جسده الشریف اللطیف اذا كان (فی شمس) و لا قمر مما تری فیہ الظلال لحجب الاجسام ضوء النیرین و نحوهما و علل ذلك ابن سبع بقوله (لانه) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (كان نوراً) و الانوار شفاقة لطيفة لا تحجب غيرها و الانوار لا ظلّ لها کما تشاهد فی انوار الحقيقة و هذا رواه صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظلّ و لم یقم مع شمس الا غلب ضوءه ضوءها و لا مع السراج الا غلب ضوءه ضوءه و قد تقدّم هذا و الکلام علیہ و رباعيتها فیہ و هی ۱۔

مَا جَرَّ لظِلِّ أَحْمَدَ أَذْيَالُ

فِي الْأَرْضِ كَرَامَةٍ كَمَا قَالُوا

هذا عجب و کم به من عجب و الناس بظله جميعا قالوا
وقالوا هذا من القيلولة و قد نطق القرآن بأنه النور المبين
و كونه بشرا لا ينا فيه كما توهم فان فهمت فهو نور علی نور فان
النور هو الظاهر بنفسه المظهر لغيره و تفصيله فی مشکوة
الانوار. انتهى

(علامہ شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض، ج ۳ ص ۲۸۲، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت)
حضرت مولوی معنوی قدس سرہ القوی دفتر پنجم، مثنوی شریف
میں فرماتے ہیں۔

چوں فناش از فقر پیرایہ شود او محمد وارے سایہ شود

(مثنوی شریف، دفتر پنجم ص ۷۷ مرکزی تحقیقات فارسی پاکستان)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مولانا بحر العلوم نے شرح میں فرما دیا:

در مصرع ثانی اشارہ بہ معجزہ آں سرور صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم کہ آں
سرور صلی اللہ علیہ وسلم را سایہ نمی افتاد۔

امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مواہب لدنیہ و منہج
محمدیہ میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ تھا، نہ دھوپ میں نہ
چاندنی میں۔ روایت کیا اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے پھر ابن سبع کا حضور
کے نور ہونے سے استدلال اور حدیث اہلنی نوراً سے استشہاد ذکر کیا۔

حيث قال: لم يكن له صلى الله تعالى عليه وسلم ظل في

شمس ولا قمر رواہ الترمذی عن ذکوان و قال ابن سبع کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوراً فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا یتظہر لہ ظلّ قال غیرہ و یشہد لہ قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نوراً. (مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۲۸۰، مطبوعہ مصر)
اسی طرح سیرت شامی میں ہے:

وزاد عن الامام الحکیم قال معناه لِنَلَّا يَطْأُ عَلَيْهِ كَافِرٌ فَيَكُونُ مَذْلَهُ لَهُ۔ (محمد بن یوسف الشامی، سبیل الہدیٰ والرشاد (سیرت شامی) ج ۲ ص ۱۲۳)
یعنی امام ترمذی نے فرمایا، اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر سایہ اقدس پر پاؤں نہ رکھے۔

اقول، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لئے جاتے تھے، کہ ایک یہودی حضرت کے گرد اپنے پاؤں سے عجیب حرکات کرتا جاتا، اس سے دریافت فرمایا، بولا بات یہ ہے کہ اور تو کچھ قابو ہم تم پر نہیں پاسکتے، جہاں جہاں تمہارا سایہ پڑتا ہے اسے پاؤں سے روندنا چلتا ہوں۔ ایسے خبیثوں کی شرارتوں سے حضرت حق عز وجلالہ، نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ فرمایا۔ نیز اسی طرح سیرت حلبیہ (ج ۳ ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ، بیروت) میں ہے قد وما فی شفاء الصدور محمد زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح میں فرماتے ہیں کہ حضور کے لئے سایہ نہ تھا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور نور ہیں، جیسا کہ ابن سبع نے کہا۔ اور حافظ رزین محدث فرماتے ہیں، کہ سبب اس کا یہ ہے کہ حضور کا نور ساطع تمام انوار عالم پر غالب تھا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حکمت اس کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو پہچانتا ہے اس سے کہ کسی کافر کا پاؤں ان کے سائے پر پڑے
(یعنی کسی کافر کا پاؤں حضور کے سائے پر نہ پڑے۔)

وہذا کلامہ: (زرقانی کی اصل عبارت)

(ولم یکن لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظلّ فی شمس
ولا قمر) لانہ کان نوراً کما قال ابن سبع و قال رزین بغلبة انوارہ
قیل حکمة ذلک صیانتہ عن ان یطأ کافر علی ظلّہ (رواہ
الترمذی الحکیم عن ذکوان ابی السّمان الزیات المدنی)

او ابی عمر والمدنی مولیٰ عائشہ رضی اللہ عنہا و کل
منہما ثقة من التابعین فهو مرسل لکن روی ابن المبارک و ابن
جوزی، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لم یکن للنبی صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظلّ و لم یقم مع الشمس قط الاّ غلب ضوء
ہ ضوء الشمس و لم یقم مع سراج قط الاّ غلب ضوء ہ ضوء
السراج و (وقال ابن سبع کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوراً
فکان اذا مٹی فی الشمس او القمر لا یتظہر لہ ظلّ) لان النور لا
ظلّ لہ (وقال غیرہ و یشہد لہ قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی
دعائہ) کما سئل اللہ تعالیٰ ان یجعل فی جمیع اعضائہ و جہاتہ
نورا. ختم بقولہ (واجعلنی نوراً) والنور لا ظلّ لہ و بہ اقیم
الاستشہاد انتہی) (علامہ زرقانی، زرقانی شرح مواہب لدنیہ ج ۴ ص ۲۵۳)

حضور کا سایہ آفتاب و ماہتاب دونوں میں نہ تھا، نہ نور تھے جیسا کہ
ابن سبع نے کہا اور رزین نے کہا کہ یہ آپ کے انوار کے غلبہ کی وجہ سے تھا

ایک قول یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر آپ کے سائے کو بھی قدموں تلے نہ روند سکے۔ اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کیا، یا ابو عمرو المدنی سے جو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے، یہ دونوں ثقات تابعین میں سے ہیں لہذا یہ روایت مرسل ہے، لیکن ابن مبارک اور ابن جوزی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب کبھی آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے آپ کی روشنی دھوپ پر غالب آ جاتی تھی، اسی طرح جب چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو چراغ کی روشنی پر آپ کی روشنی غالب آ جاتی تھی اور ابن سبع نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے، جب آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں تو آپ کا سایہ نہ ہوتا تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس کی تائید آپ کی اس دعا سے ہوتی ہے کہ آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ آپ کے تمام اعضاء کو نور بنا دے اور تمام جہات کو نور بنا دے۔ پھر آپ نے اس دعا کو اس قول سے ختم کیا کہ اے اللہ مجھ کو نور بنا دے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد دیار بکری کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم النوع الرابع ما اختص صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ من الکرامات میں فرماتے ہیں۔

لم یقع ظله علی الارض ولا رءىٰ له ظلّ فی شمس ولا قمر
(تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ مطبع عثمان عبدالرزاق)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا نہ دھوپ میں

اور نہ چاندنی میں نظر آتا۔

یعنی اسی طرح کتاب ”نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی الاطہار“ میں ہے۔ امام نسفی تفسیر مدارک شریف میں زیر قولہ تعالیٰ

لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ

خَيْرًا فرماتے ہیں۔ (پ ۱۸ النور آیت ۱۲)

قَالَ عِثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ اللّٰهَ مَا اَوْقَعَ ظِلَّكَ عَلٰی

الْاَرْضِ لِثَلَا يَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَهُ عَلٰی ذٰلِكَ الظِّلِّ

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور کا سایہ زمین پر نہ ڈالا کہ کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔

امام ابن حجر مکی افضل القری میں زیر قول قدس سرہ لم یساووک فی

علاک و قد حال سنامتک دونہم

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فضائل میں حضور کے برابر نہ

ہوئے، حضور کی چمک اور رفعت حضور تک ان کے پہنچنے سے مانع ہوئی، فرماتے ہیں:

هو مقتبس من تسميته تعالى لبيته نورا في نحو قد جاء

كم من الله نور و كتب مبين. و كان صلى الله تعالى عليه وسلم

يكشر الدعابان الله يجعل كلا من حواسه و اعضائه و بدنه نورا

اظهارا لوقوع ذلك و تفضل الله تعالى عليه به ليزداد شكره و

شكر امته على ذلك كما امرنا بالدعاء الذي في اخر البقرة

وقوعه و تفضل اللہ تعالیٰ به لذلك و مما یؤید انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صار نوراً انہ کان اذا مشی فی الشمس والقمر لا یتظہر لہ ظل لانہ لا یتظہر الا للکثیف وهو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد خلصہ اللہ تعالیٰ من سائر الکثافات الجسمانیۃ وصیرہ نوراً صرفاً لا یتظہر لہ ظل اصلاً

یعنی یہ معنی اس سے لئے گئے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نور رکھا مثلاً اس آیت میں کہ بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور تشریف لائے اور روشن کتاب اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ کثرت یہ دعا فرماتے کہ الہی میرے تمام حواس و اعضاء سارے بدن کو نور کر دے اور اس دعا سے یہ مقصود نہ تھا کہ نور ہونا ابھی حاصل نہ تھا کہ اس کا حصول مانگتے تھے بلکہ یہ دعا اس امر کے ظاہر فرمانے کے لئے تھی، کہ واقع میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام جسم پاک نور ہے اور یہ فضل اللہ عزوجل نے حضور پر کر دیا، جیسا ہمیں حکم ہوا ہے کہ سورہ بقرہ شریف کے آخر کی دعا عرض کریں، وہ بھی اسی اظہار وقوع فضل الہی کے لئے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور محض ہو جانے کی تائید اس سے ہے کہ دھوپ یا چاندنی میں حضور کا سایہ پیدا نہ ہوتا، اس لئے کہ سایہ تو کثیف کا ہوتا ہے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام جسمانی کثافتوں سے خالص کر کے نرا نور کر دیا، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ اصلاً نہ تھا۔

علامہ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ شرح ہمزئیہ میں فرماتے ہیں:
 لم یکن لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظلّ یظهر فی
 شمس ولا قمر. (ص ۵، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)
 یعنی: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں۔
 فاضل محمد فہمیہ کی اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و
 اہل بیتہ الطاہرین، میں ذکر خصائص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں
 ہے، وانہ لا فیء لہ۔ یعنی حضور کا ایک خاصہ یہ ہے کہ حضور کے لئے
 سایہ نہ تھا۔

مجمع البحار میں برمز شیعنی زبدہ شرح شفا شریف میں ہے:
 من اسمائہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم النور قبل من
 خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ اذا مشی فی الشمس
 والقمر لا یظهر ظلّ (الشیخ محمد طاہر، مجمع بحار الانوار، ج ۳ ص ۴۰۲، مطبوعہ لکھنؤ، انڈیا)
 حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک نور ہے، حضور کے
 خصائص سے شمار کیا گیا کہ دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ پیدا نہ ہوتا۔
 شیخ محقق مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز
 کتاب ”مدارج النبوۃ“ میں فرماتے ہیں:

”وَنَبُوْدُ مَرَّآں حَضْرَتِ صَلٰی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ،
 سایہ نہ در آفتاب نہ در قمر، رواہ الحکیم
 الترمذی من ذکوان فی نواذیر الاصول۔ و
 عجب است ازیں بزرگاں کہ ذکر نہ کردند چراغ

را۔ و نوریکہ ز اسمائے آں حضرت است، صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم، و نور را سایہ نمی باشد انتہی۔

ترجمہ: سرکار دو عالم ﷺ کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں نہ تھا، بروایت حکیم ترمذی از ذکوان، اور تعجب یہ ہے ان بزرگوں نے اس ضمن میں چراغ کا ذکر نہیں کیا اور نور حضور کے اسمائے مبارکہ میں سے ہے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (مدراج النہو ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

جناب شیخ مجدد، جلد سوم مکتوبات صدم میں فرماتے ہیں:

”اور اے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سایہ نبود۔ در عالم

شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تراست، چوں لطیف

ترے از وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عالم نباشد، اورا

سایہ چہ صورت دارد۔ (مکتوبات ج ۳ ص ۹۳، مطبوعہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) نیز اسی کے آخر مکتوب ۱۲۲ میں

فرماتے ہیں۔

۱۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، عالم شہادت میں ہر چیز کا سایہ، خود اس

چیز سے لطیف ہوتا ہے، چونکہ عالم میں آپ سے زائد کوئی چیز لطیف نہیں، نیز اسی

مکتوب میں فرماتے ہیں کہ واجب تعالیٰ کا سایہ کیوں کر ہوگا، پھر سایہ سے اہم ہوتا

ہے کہ مثل پیدا ہو سکتا اور یہ بھی کہ اصل لطیف نہیں ہے، جب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم، کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو خدائے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا کیوں

کر ممکن ہو سکتا ہے۔

واجب را تعالیٰ چراظن بود، کہ ظن موہم تولید مثل است و منہی از شائبہ عدم کمال لطافت اصل۔ ہر گاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را از لطافت ظن نبود، خدائے محمد را چگونہ ظل باشد (مکتوبات ج ۳ ص ۱۵۵، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی سورہ والضحیٰ میں لکھتے ہیں: سایہ ایشان بر زمین نمی افتاد۔ (تفسیر عزیز ج ۳ ص ۳۱۲)

فقیر کہتا ہے، غفر اللہ لہ، استدلال امام ابن سبع کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سراپا نور ہونے سے جس پر بعض علماء نے حدیث واجعلنی نوراً، سے استشہاد اور علمائے لاحقین نے اسے اپنے کلمات میں بنظر احتجاج یاد کیا، ہمارے مدعا پر دلالت واضح یہ ہے، کہ دلیل شکل اول بدیہی الانہتاج دو مقدموں سے مرکب صغریٰ یہ کہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں، اور کبریٰ یہ کہ نور کیلئے سایہ نہیں۔ جو شخص ان مقدموں کو تسلیم کرے گا، تو نتیجہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، آپ ہی پائے گا، اور دونوں مقدموں سے کوئی بھی مقدمہ ایسا نہیں ہے۔ جس میں مسلمان ذی عقل کو کوئی گنجائش گفتگو ہو، کبریٰ تو ہر عاقل کے نزدیک بدیہی اور مشاہدہ بصر اور شہادت بصیرت سے ثابت، کہ سایہ تو، اس جسم کا پڑے گا جو کثیف ہو، اور انوار کو اپنے ماروا سے حاجب، نور کا سایہ پڑے تو تنویر کون کرے۔ مثلاً دیکھو، آفتاب کے لئے سایہ نہیں اور صغریٰ، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہونا مسلمان کا تو ایمان ہے، حاجت بیان حجت نہیں، مگر تبکیہ معاندین کے لئے اس قدر اشارہ ضروری ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَا شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى

اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا O (پ ۲۲ الاحزاب آیت ۴۵، ۴۶)

اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا، گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈر

سنانے والا اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ چمکتا۔

یہاں سراج سے مراد چراغ ہے، یا ماہ یا مہر، سب صورتیں ممکن ہیں،

اور خود قرآن عظیم میں آفتاب کو سراج فرمایا: وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا

وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا۔ اور بنایا پروردگار نے چاند کو نور آسمانوں میں اور بنایا

سورج کو چراغ۔ اور فرماتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ O (پ ۶ المائدہ آیت ۱۵)

بہ تحقیق آیا تمہارے پاس خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور

کتاب روشن۔

علمائے فرماتے ہیں۔ یہاں نور سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہیں۔ اسی طرح آیہ کریمہ والنجم اذا هوىٰ (النجم: ۱) میں امام جعفر صادق اور

کریمہ وما اور یک ما الطارق النجم الثاقب (پ ۳۰ الطارق آیت ۲، ۳) میں

بعض مفسرین نجم اور نجم ثاقب سے ذات پاک سید لولاک مراد لیتے ہیں۔

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) (علامہ قاضی عیاض، شفا شریف ج ۱ ص ۲۸، ۳۵)

بخاری و مسلم وغیرہما کی احادیث میں بہ روایت ابن عباس رضی اللہ

عنہما حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دعا منقول، جس کا

خلاصہ یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَفِيْ سَمْعِيْ

نُورًا وَفِي عَصَبِي نُورًا وَفِي لَحْمِي نُورًا وَفِي دَمِي نُورًا وَفِي
شَعْرِي نُورًا وَفِي بَشَرِي نُورًا وَ عَنْ يَمِينِي نُورًا وَ عَنْ شِمَالِي نُورًا
وَ أَمَامِي نُورًا وَ خَلْفِي نُورًا وَ فَوْقِي نُورًا وَ تَحْتِي نُورًا وَ اجْعَلْنِي
نُورًا (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۶۱، مطبوعہ مطبع مجتہائی، دہلی)

کہ: اے اللہ میرے دل اور میری جان اور میری آنکھ، اور میرے
کان اور میرے گوشت و پوست و خون و استخوان اور میرے زیر و بالا و پس و
پیش و چپ و راست اور ہر عضو میں نور اور مجھے نور کر دے۔

جب وہ یہ دعا فرماتے ہیں، ان کے سننے والے نے انھیں ضیائے
تابندہ و مہر درخشندہ و نور الہی کہا۔ پھر اس جناب کے نور ہونے میں مسلمان کو
کیا شبہ رہا؟

حدیث ابن عباس میں ہے کہ ان کا نور چراغ و خورشید پر غالب آ
جاتا۔ اب خدا جانے غالب آنے سے یہ مراد ہے، کہ ان کی روشنیاں حضور
کے سامنے پھکی پڑ جاتیں، جیسے چراغ پیش مہتاب یا یکسر ناپدید و کالعدم
ہو جاتیں، جیسے ستارے حضور آفتاب، ابن عباس کی حدیث میں ہے:

اِذَا تَكَلَّمَ رُءِیَ كَالنُّورِ یَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَیْاهُ (شفاء شریف ج ۱
ص ۵۵ شامل ترمذی ص ۳۲، آمین کمپنی، دہلی)

جب حضور کلام فرماتے تو دندان مبارک سے نور چھٹتا نظر آتا۔
ہندو صاف کی حدیث میں وارد ہے:

یَتَلَا وَجْهَهُ تَلَا لُوا لَقَمَرٍ لَّیْلَةَ الْبَدْرِ اَقْنَى الْعَرَنِینَ لَهُ نُورٌ
یَعْلُوهُ یَحْسِبُهُ مَنْ لَمْ یَتَلَطَّ اَشْمَ اَنْوَارِ الْمُتَجَرِّدِ

یعنی: حضور اقدس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا۔ بلند بنی تھی، اور اس پر ایک نور کا بقیہ متحلی رہتا، کہ آدمی خیال نہ کرے تو ناک اس کی روشن نور کے سبب بہت اونچی معلوم ہو۔ کپڑوں سے باہر جو بدن تھا، یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں وغیرہ نہایت روشن و تابندہ تھا صلی اللہ تعالیٰ علی کل عضو من جسمہ الانوار الاعطر وبارک وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كان الشمس تجرى في وجهه (شفا شریف ج ۱ ص ۵۱)

گویا آفتاب ان کے چہرے میں رواں تھا۔

اور فرماتے ہیں: اذا ضحك يَتَلَوُّوْهُ الْجُبُرُ۔ (شفا شریف ج ۱

ص ۵۱) جب، حضور تبسم فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔

ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں:

لورأيتہ لقلت الشمس طالعة (خصائص کبریٰ ص ۱۷۹ دارالکتب

الحمدیہ، مصر)

اگر تو انھیں دیکھتا تو ضرور کہتا کہ آفتاب طلوع کر رہا ہے۔

ابو قرصافہ کی ماں اور خالہ فرماتی ہیں۔ داینا كان النور يخرج من

فیہ۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۹، دارالکتب بیروت) ہم نے نور سا نکلتا دیکھا

ان کے دہان پاک سے۔

احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد، کہ جب حضور پیدا ہوئے، ان کی

روشنی سے بصرہ اور روم و شام کے محل روشن ہو گئے۔ چند روایتوں میں ہے،

اضاء لہ ما بین المشرق والمغرب (علامہ یوسف بیہانی، انوار محمدیہ، ج ۱ ص ۲۳۰

مطبوعہ مکتبہ اشیق استانبول، ترکی) شرق سے غرب تک منور ہو گیا۔ اور بعض میں ہے: استلأت الدنيا کلها نوراً (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸، دارالکتب الحدیثیہ، مصر) تمام دنیا تور سے بھر گئی۔ حضرت آمنہ حضور کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں:

رأيت نوراً صاطعاً من راسه قد بلغ السماء

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۲۲)

میں نے ان کے سر سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا کہ آسمان تک پہنچا۔ ابن عساکر نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ میں (کپڑا) سیتی تھی، سوئی گڑ پڑی۔ تلاش کی، نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضور کے نور رخ مبارک کی شعاع سے سوئی ظاہر ہو گئی۔ (یعنی مل گئی) (تاریخ ابن عساکر بحوالہ خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۵۶)

علامہ قاسی مطالع السمرات میں علامہ ابن سبع سے نقل کرتے ہیں۔
كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يضيئ البيت المظلم من نوره

(علامہ محمد المجدی القاسی، مطالع السمرات، ص ۳۹۳، مکتبہ رضویہ فیصل آباد)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور مبارک سے خانہ تاریک روشن ہو جاتا۔
اب نہیں معلوم کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ ثابت نہ ہونے میں کلام کرنے والا آپ کے نور ہونے کا انکار کرے گا یا انوار کے لئے بھی سایہ مانے گا، یا مختصر طور پر یوں کہے کہ یہ تو پالیقیں معلوم کہ سایہ

جسم کثیف کا پڑتا ہے۔ نہ کہ جسم لطیف۔ اب مخالف سے پوچھنا چاہیے، تیرا ایمان گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم لطیف نہ تھا، عیاذاً باللہ، کثیف تھا، اور جو اس سے تحاشی کرے، تو پھر عدم سایہ کا انکار کیوں کرتا ہے؟

بالجملہ جب کہ حدیثیں اور اتنے اکابر آئمہ کی تصریحات موجود کہ اگر مخالف اپنے کسی دعوے میں ان میں سے ایک کا قول پائے، کس خوشی سے معرض استدلال میں لائے، جاہلانہ انکار، مکابرہ و کج بحثی ہے۔ زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے، خواہ دن کو رات کہہ دے اور شمس کو ظلمات۔ آخر کار مخالف جو سایہ ثابت کرتا ہے اس کے پاس بھی کوئی دلیل ہے، یا فقط اپنے منہ سے کہہ دیا، جیسے ہم حدیثیں پیش کرتے ہیں مخالف کے پاس بھی کوئی حدیث ہو تو وہ بھی دکھائے، ہم ارشادات علماء سند میں لاتے ہیں تو بھی ایسے ہی آئمہ کے اقوال سنائے، یا نہ کوئی دلیل دے نہ سند، اور گھر بیٹھے اسے الہام ہوا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ تھا۔ مجرد ما و شما پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بے شک وہ بشر ہیں، مگر عالم علوی سے لاکھوں درجہ اشرف۔ اور جسم انسانی رکھتے ہیں، مگر ارواح و ملائکہ سے لا انتہا درجہ الطف۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

لَسْتُ كَمِثْلِكُمْ: میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص

۲۶۳، انجمن نقشبندیہ قصور)

ویروی کھیتکم: میں تمہاری ہیئت پر نہیں ہوں۔ (مسلم ج ۱ ص

۳۵۱، مجتبیٰ دہلی)

ویروی ایکم مثلی: تم میں سے کون مجھ جیسا ہے۔ (مسلم ج ۱

ص ۳۵۱)

آخر علامہ خفاجی کا ارشاد نہ سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونے کے منافی نہیں، اور اگر تو سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں۔ پھر صرف اس قیاس فاسد پر کہ ہم سب کا سایہ ہوتا ہے، ان کا بھی ہوگا۔ ثبوت سایہ ماننے اور اس کی نفی میں کلام کرنا عقل و ادب سے کس قدر دور پڑتا ہے۔

أَلَا إِنَّ مُحَمَّدًا بَشَرٌ لَّا كَالْبَشَرِ

بَلْ هُوَ يَا قُوتُ بَيْنَ الْحَجَرِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات ثابتہ وخصائص صحیحہ کے انکار میں اپنا کیا فائدہ دینی و دنیوی تصور کیا ہے۔ ایمان بے محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتا، اور وہ خود فرماتے ہیں:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری شریف ج ۱ ص ۷، مکتبہ ہاشمیہ میرٹھ، انڈیا)

آگاہ ہو جاؤ محمد بشر تو ہیں، بشر کی طرح نہیں، جس طرح یاقوت پتھروں کے

درمیان ہو۔ ۱۲

تم میں سے کوئی مسلمان نہیں ہونے کا جب تک میں اسے اس کے ماں، باپ اور اولاد اور سب آدمیوں سے پیارا نہ ہوں۔

یعنی حضور نے فرمایا کہ سب سے زیادہ مجھ کو عزیز اور پیارا جاننے والا ہی مومن ہو سکتا ہے، اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل و نکثیر مدائح میں مشغوف رہتا ہے۔ سچی فضیلتوں کو مٹانا اور شام و سحر نفی محاسن کی فکر میں رہنا دشمن کا کام ہے نہ کہ دوست اور محبت کا۔ جانِ برادر! کبھی تو نے سنا ہے، کہ تیرا محبوب تجھ کو مٹانے کی فکر میں ہے، اور پھر محبوب بھی کیسا جانِ ایمان اور کانِ احساس، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا اور اس نے تمام عالم کا بارتن نازک پر اٹھا لیا۔ تمہارے غم میں دن کا کھانا اور رات کا سونا ترک کر دیا۔ تم رات دن لہو و لعب اور اس کی نافرمانیوں میں مشغول۔ اور وہ شب و روز تمہاری بخشش کے لئے گریان و ملول۔ جب وہ جانِ رحمت و وکانِ رافت پیدا ہوا، دربار الہی میں سجدہ کیا اور رَبِّ هَبْ لِيْ اُمِّيْ فرمایا، اور جب قبر شریف میں اتارا تو لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا تو آہستہ آہستہ اُمِّی اُمِّی (مدارج النبوة ص ۵۶۸ مکتبہ نولکشور کانپور) فرماتے تھے۔

قیامت کے دن جب کہیں پناہ نہ مل سکے گی تو انہیں کے دامن میں پناہ ملے گی۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے، نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا الٰی غٰیْبِیْ (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) سنو گے، اور اس غم خوار امت کے لبِ مبارک پر امتی کا نعرہ ہوگا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، جب انتقال کروں گا تو صور پھونکنے کے وقت تک قبر میں امتی امتی پکاروں

گا۔ کان بجتنے کا یہی سبب ہے، کہ اکثر اوقات بلکہ ہر آن وہ آواز جاں گداز اس معصوم عاصی نواز کی بلند ہے جو گاہے ہم جیسے کسی غافل و مدہوش کے گوش تک پہنچی ہے۔ روح اس کا ادراک کرتی ہے۔ اسی سبب سے اس وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہوا، کہ جو محبوب ہر آن ہماری یاد میں ہے، کچھ دیر ہم ہجراں نصیب بھی اس کی یاد میں صرف کریں۔

وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار اور اس کی مدح و ستائش و نشر فضائل سے آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب ہے، یا یہ کہ حتی الوسع روشن چاند پر خاک ڈالے، اور بے سبب ان کی سچی اور روشن خوبیوں میں خواہ مخواہ انکار نکالے۔

اے عزیز! چشم خورد میں میں سرمہ انصاف لگا اور گوش قبول سے پنہا انصاف نکال۔ پھر یہ تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب و ملت کے عقلاء اور دانش مندوں سے پوچھنا، پھر اگر ایک منصف ذی عقل بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ کر کہ نشر محاسن و تکثیر مدائح نہ دوستی کا مقتضائے رفقا فضائل و نفی کمالات غلامی کے خلاف، تو تجھے اختیار ہے، ورنہ خدا و رسول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ۔ یقین جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹانے سے ہرگز نہ مٹیں گی۔

جان برادر! اپنے ایمان پر رحم کر۔ سمجھ اور بغور دیکھ کہ خدائے تعالیٰ سے کسی کا کیا بس چلے گا، اور جس کی شان وہ بڑھائے اسے کون گھٹا سکتا ہے۔ آئندہ تجھے اختیار ہے۔ ہدایت کا دار و مدار فضل الہی پر ہے۔ ہم پر محض بلاغ مبین تھا۔ اس سے بجز اللہ فراغت پائی اور اگر اب بھی تیرے دل میں کوئی شک و شبہ یا ہمارے کسی دعوے پر دلیل یا کسی اجمال پر تفصیل درکار

ہو تو فقیر کا رسالہ مسمیٰ بہ قمر التمام فی نفی الظلّ عن سید الانام علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام، جسے فقیر نے بعد درود اس سوال کے تالیف کیا، مطالعہ کیجئے، انشاء اللہ بیان شافی پاؤ گے، اور مرشد کافی۔ ہم نے اس رسالے میں اس مسئلہ کی غایت تحقیق ذکر کی ہے اور نہایت نفیس دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ حضور سراپا نور تابندہ و درخشندہ، ذی شعاع و اضاءت، بلکہ معدن انوار و افضل مضاہات بلکہ در حقیقت بعد جناب الہی کی جناب سے ایک علاقہ اور انتساب کے سبب اور بھی ثابت کیا ہے کہ ثبوت معجزات صرف اسی پر موقوف نہیں کہ حدیث شریف اور قرآن کریم میں بالتصریح ان کا ذکر نہ ہو بلکہ ان کے لئے تین طریقے ہیں اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ پیشوایان دین کا دأب لہ ان معاملات میں ہمیشہ قبول و تسلیم رہا ہے۔ اور اگر کہیں قرآن مجید، اور حدیث شریف سے ثبوت نہ ملا تو اپنی نظر کا قصور سمجھا نہ یہ کہ باوجود ایسے کافی ثبوت کے کہ احادیث اور آئمہ اکابرین کی تصریحات اور کافی دلیلیں سب کچھ موجود پھر بھی اپنی ہی کہتے جاؤ۔ انکار کے سوا کچھ زبان پر نہ لاؤ۔ اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد شریفہ اور اسباحث لطیفہ بھی ہیں۔ جو دیکھے گا، انشاء اللہ لطفِ جاں فزا پائے گا۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَصْہَارِہٖ وَاَنْصَارِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کتبہ: عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ

بمحمد ن المصطفیٰ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

۱۔ طریقہ

قصیدۂ نور

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
 سائے کا سایہ نہیں ہوتا نہ سایہ نور کا
 تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
 تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا
 چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
 کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
 یہ جو مہر و مہ پے ہے اطلاق آتا نور کا
 بھیک تیرے در کی ہے استعارہ نور کا
 میں گدا تو بادشہ بھر دے پیالہ نور کا
 نور دن دوتا ترا، دے ڈال صدقہ نور کا
 جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
 نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
 بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا
 ماہ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا
 انبیاء اجزاء ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
 اس علاقہ سے ہے ان پر نام سچا نور کا
 شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
 تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا
 نور کی سرکار سے پایا دو شمالہ نور کا

ہو مبارک تم کو ذوالتورین جوڑا نور کا
 ک گیسو ہ دین ی ابو آنکھیں
 کفہیں ان کا ہے چہرہ نور کا
 اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
 ہوئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

☆☆☆

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
 عَلٰی خَيْرِ خَلْقِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

☆☆☆

کتاب ماخذ

نام مصنف	نام کتاب
ابو عیسیٰ ترمذی	(۱) ترمذی
جلال الدین سیوطی	(۲) خصائص کبریٰ
	(۳)
قاضی عیاض	(۴) شفا
خفاجی	(۵) نسیم الریاض
مولانا ردوی	(۶) مثنوی
احمد قسطلانی	(۷) مواہب اللدنیہ
حسین دیار بکری	(۸) کتاب النخیس
	(۹) نور الابصار
محمد بن عمر	(۱۰) تفسیر مدارک
ابن حجر	(۱۱) افضل القرئی
علامہ سلیمان جمل	(۱۲) فتوحات احمدیہ
فاضل بن محمد فہمیہ	(۱۳) اسعاف الراغبین
یوسف نبہانی	(۱۴) مجمع البحار
عبدالحق محدث دہلوی	(۱۵) مدارج النبوۃ
شیخ احمد سرہندی	(۱۶) مکتوبات مجدد
علامہ قاسی	(۱۷) مطالع المسرات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُنَبِّهُ الْمُنِيَّةِ بِوَصُولِ الْحَبِيبِ إِلَى الْعَرْشِ وَالرُّؤْيَةِ

حضور پر نور عرش پر
تشریف لے گئے
اور دیدارِ الہی سے بے قید
بہت و مکان مُستفید ہوئے

تصنیف لطیف

ابن سنیّت مجددِ شمسِ دین و نبوت
احمد رضا خاں فاضلِ دیوبند

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور آپ جسمانی طور پر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ یہاں دو باتیں غور طلب ہیں، پہلی تو یہ کہ آیا آپ عرش پر بھی تشریف لے گئے یا نہیں؟ اور دوسری چیز یہ کہ آپ نے اللہ کا دیدار کیا یا نہیں؟ بعض روایات سے بہ ظاہر یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ آپ نے دیدار نہیں کیا چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے اللہ کا دیدار نہیں کیا اور وہ اس آیت سے استدلال کرتی ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (پ ۷ الانعام آیت ۱۰۳) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہیں۔

اس کے برعکس خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ

میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین ترین صورت میں دیکھا۔

بہر حال یہ مسئلہ معرکہ الارا ہے، اس کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت کے رسالہ ”منہ المینہ“ سے ہوتی ہے، مطالعہ کیجئے اور اعلیٰ حضرت کی داد تحقیق دیجئے۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شب معراج نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے رب کو دیکھنا کس حدیث سے ثابت ہے۔ یٰسَنُوا توجروا۔

الجواب:

الاحادیث المرفوعہ۔ امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رئت ربى عز وجل

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب عز وجل کو دیکھا۔

امام علامہ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ اور علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں، یہ حدیث بسند صحیح ہے۔ ابن عساکر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَاِنَّ اللّٰهَ اعطى موسى الكلام و اعطانى الروية لوجه و فضلنى بالمقام المحمود و الحوض المورد.

بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا، مجھ کو شفاعت کبریٰ اور حوض کوثر سے فضیلت بخشی۔

وہی محدث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال لی ربی نحللت ابراہیم خلتی و کلمت موسیٰ تکلیما
و اعطیتک یا محمد کفا حا

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے میرے
رب عزوجل نے فرمایا، میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے
کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد مواجہہ بخشا کہ بے پردہ و حجاب تم نے میرا
جمال پاک دیکھا۔

فی مجمع البحار کفا حا اے مواجہۃ لیس بینہما حجاب
ولا رسول۔

ابن مردویہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:
سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهو یصف
سدرۃ المنتہی (و ذکر الحدیث الی ان قالت) فقلت یا رسول اللہ
ما رأیت عندها یعنی ربہ

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی کا وصف بیان
فرماتے تھے، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! حضور نے اس کے پاس کیا
دیکھا؟ فرمایا مجھے اس کے پاس اپنے رب کا دیدار ہوا۔

اخبار الصحابہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہما سے مروی:

اما نحن بنوها شم فنقول ان محمدا رای ربہ مرتین
ہم بنی ہاشم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ
بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

ابن اسحق عبد اللہ بن ابی سلمہ سے راوی:

ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس یسأله هل رای محمد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربہ فقال نعم

یعنی، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کروایا، کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں۔

جامع ترمذی و معجم طبرانی میں عکرمہ سے مروی، واللفظ للطبرانی عن ابن عباس۔

قال نظر محمد الی ربہ قال عکرمہ فقلت له نظر محمد الی ربہ

قال نعم جعل الکلام لموسى والخلة لا براهيم والنظر لمحمد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (زاد الترمذی) فقد رآی ربہ مرتین

یعنی، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ”محمد صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، عکرمہ ان کے شاگرد کہتے

ہیں، میں نے عرض کی، کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟

فرمایا: ہاں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے لئے کلام رکھا اور ابراہیم کے لئے دوستی

اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے دیدار اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دوبار دیکھا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے۔ امام نسائی اور امام ابن

خزیمہ و حاکم و بیہقی کی روایت میں ہے، والفظ للبیہقی۔

اتعجبون ان تكون الخلة لا براهيم والكلام لموسى

والرؤية لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کیا ابراہیم کے لئے دوستی، اور موسیٰ کے لئے کلام اور محمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے لئے دیدار ہونے میں تمہیں کچھ اچنبھا ہے۔
حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ امام قسطلانی و زرقانی نے فرمایا: اس
کی سند جید ہے۔

طبرانی معجم اوسط میں راوی:

عن عبد اللہ ابن عباس ان کان یقول ان محمداً صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم رای ربہ مرتین مرة ببصرہ و مرتہ بفواہہ
یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، بے شک محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اپنے رب کو دیکھا، ایک بار اس آنکھ سے اور ایک بار دل
کی آنکھ سے۔

امام سیوطی و امام قسطلانی و علامہ شامی و علامہ زرقانی فرماتے ہیں، اس
حدیث کی سند صحیح ہے

اور امام آلائہ و امام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:
ان محمداً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای ربہ عزوجل:
بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔
امام احمد قسطلانی و عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں، اس کی سند قوی ہے،
محمد بن اسحاق کی حدیث میں ہے:

ان مروان سأل ابا هريرة رضي الله عنه هل رای محمد
صلى الله تعالى عليه وسلم ربہ فقال نعم
یعنی مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، کیا محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا، ہاں!
اخبار: مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن معمر عن الحسن البصری انه كان يحلف بالله لقد

رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یعنی، امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر فرمایا کرتے، بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

اسی طرح امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے ہیں، راوی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الہی ہونا مانتے۔ وانه كان يشهد عليه انكارها اور ان پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا تھا ملتقطاً۔

یوں ہی کعب الاحبار عالم کتب سابقہ و امام ابن شہاب زہری قرشی و امام مجاہد محزومی مکی و امام عکرمہ بن عبداللہ مدنی ہاشمی و امام عطاء بن رباح قرشی مکی، استاد امام ابو حنیفہ اور امام مسلم بن صبیح ابوالکھلی کوفی و غیرہم جمیع تلامذہ عالم قرآن حبر الائمہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

اخرج ابن خزيمة عن عروة بن زبير اثباتها و به قال سائر

اصحاب ابن عباس وجزم به كعب الاحبار والزهري الخ

اقوال من بعدهم من آئمة الدين امام خلال السنه في الحق بن مروزي

سے راوی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ رویت کو عظمت مانتے اور

اس کی دلیل فرماتے، قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت

ربی۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، میں نے اپنے رب کو دیکھا۔

اھ مختصراً۔

نقاش اپنی تفسیر میں اس امام سند الانام رحمہ اللہ تعالیٰ سے راوی:

انہ قال اقول بحديث ابن عباس بعينه راى ربہ راہ راہ راہ

حتى انقطع نفسه

یعنی، انھوں نے فرمایا، میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معتقد ہوں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا دیکھا، دیکھا، دیکھا، یہاں تک فرماتے رہے کہ سانس ٹوٹ گئی۔

امام ابن الخطیب مصری مواہب شریف میں فرماتے ہیں۔ جزم بہ معمر و آخرون و هو قول الاشعری و غالب اتباعہ: یعنی امام معمر بن راشد بصری اور ان کے سوا اور علماء نے اس پر جزم کیا، اور یہی مذہب ہے امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری اور ان کے غالب پیرووں کا۔

علامہ شہاب خفاجی، نسیم الریاض شرح شفاۓ امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الاصح الرجح انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راى ربہ

بعین راسہ حین اسرى بہ کما ذهب الیہ اکثر الصحابة

مذہب اصح و رائج یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسری اپنے رب کو بہ چشم سر دیکھا جیسا کہ جمہور صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں، پھر علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب

میں فرماتے ہیں:

الرّاجع عند اکثر العلماء انه صلى الله تعالى عليه وسلم
 رای ربه بعین راسه لیلة المعراج
 جمہور علماء کے نزدیک رائج یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
 شب معراج اپنے رب کو انھیں آنکھوں سے دیکھا۔
 آئمہ متاخرین کے جدا جدا اقوال کی حاجت نہیں کہ وہ حد شمار سے
 خارج اور لفظ اکثر العلماء کہ منہاج میں فرمایا کافی و معنی واللہ اعلم۔

مسئلہ:

از کانپور محلہ بنگالی محل، مرسلہ حامد علی خاں و کاظم حسین ۱۱ محرم الحرام

۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہمارے نبی صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کا شب معراج مبارک عرش عظیم تک تشریف لے جانا علمائے
 کرام و آئمہ اعلام نے تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے، یہ محض جھوٹ
 ہے۔ اس کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بے شک علمائے کرام آئمہ دین عدول، ثقات معتمدین، اپنی
 تصانیف جلیلہ میں اس کی اور اس سے زائد کی تصریحات جلیلہ فرماتے ہیں،
 اور یہ سب احادیث ہیں۔ اگرچہ احادیث مرسل یا ایک اصطلاح پر معطل
 ہیں اور حدیث مرسل و معطل باب فضائل میں بالا جماع مقبول ہے خصوصاً
 جبکہ ناقلین ثقات عدول ہیں، اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو، تو
 ضرور ثبوت سند پر محمول اور مثبت ثانی پر مقدم اور عدم اطلاع اطلاع عدم
 نہیں، تو جھوٹ کہنے والا محض جھوٹا، مجازف فی الدین ہے۔ امام اجل سیدی

محمد بوسیری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف (الفصل السابع) میں فرماتے ہیں:

سَرِيَتْ مِنْ حَرَمٍ لَيْلًا إِلَى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِي دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ
وَبِتَّ تَرْقَى إِلَى أَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابِ قَوْسَيْنِ لَمْ تُذْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ
خَفَضْتَ كُلَّ مَقَامٍ بِإِلَاضَاةٍ
نُودِيَتْ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ
فَخَرَتْ كُلُّ فِخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرِكٍ
وَجُزْتُ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ

یعنی، یا رسول اللہ، حضور رات کے ایک تھوڑے سے حصہ میں حرم مکہ معظمہ سے بیت الاقصیٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے، جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ، قاب قوسین کی منزل پہنچے، جو نہ کسی نے پائی نہ کسی کو اس کی ہمت ہوئی، حضور نے اپنی نسبت سے تمام مقامات کو پست فرما دیا جب حضور رفیع کے لئے مفرد علم کی طرح ندا فرمائے گئے حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرما لیا جو قابل شرکت نہ تھا اور حضور ہر اس مقام سے گزر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا۔

یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلا شرکت جمع فرمائے اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحم گزر گئے، یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔ علامہ قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای انت دخلت الباب وقطعت الحجاب الی ان لم
ترک غایة لساع الی السبق من کمال القرب المطلق الی جناب
الحق ولا ترک موضع رقی و صعود و قیام و قعود لطالب رفعة
فی عالم الوجود بل تجاوزت ذلک مقام قاب قوسین او ادنی
فاوخی الیک ربک ما اوخی

یعنی، حضور نے یہاں تک حجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لئے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوڑی، اور تمام عالم وجود میں کسی طالب بلندی کے لئے کوئی عروج و ترقی یا اٹھنے بیٹھنے کی باقی نہ رکھی بلکہ حضور عالم مکان سے تجاوز فرما کر مقام قاب و قوسین او ادنیٰ تک پہنچے تو حضور کے رب نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

نیز امام ہمام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد قدس سرہ ام القرئی میں فرماتے ہیں۔۔

و ترقی به الی قاب قوسین و تلک السیاده القعاء
رُتَبٌ تسقط امانی حصریٰ دونها وما وراء هن وراء
حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی اور یہ سرداری لازوال ہے۔ یہ

مقامات ہیں کہ آرزوئیں ان سے تھک کر گر جاتی ہیں ان کے اس طرف کوئی مقام ہی نہیں۔

امام حجر کی قدس سرہ الہی اس کی شرح افضل القرئی میں فرماتے ہیں:

قال بعض الائمة والمعاريج ليلة الاسراء عشرة سبعة في السموات والثامن الى سدرمة المنتهى والتاسع الى المستوى والعاشر الى العرش.

بعض آئمہ نے فرمایا، شب اسراء میں معراجیں تھیں، سات ساتوں آسمانوں میں اور آٹھویں سدرہ المنتہی، نویں مستوی اور دسویں عرش تک۔
سیدی علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں اسے نقل فرما کر مقرر رکھا:

حيث قال قال شهاب المكي في شرح همزية بوصري عن بعض الائمة ان المعاريج عشرة الى قوله والعاشر الى العرش والروية:

معراجیں دس ہیں، دسویں عرش و دیدار تک۔

نیز شرح ہمزیہ امام کی میں ہے۔

لما اعطى سليمان عليه الصلاة والسلام الريح التي غدوها شهر ورواحها شهر اعطى نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم البراق فحمله من الفرض الى العرش في لحظة واحدة و اقل مسافة في ذلك سبعة الاف سنة و ما فوق العرش الى المستوى والرفرف لا يعلمه الا الله تعالى.

جب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح و شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحے میں لے گیا اور اس میں ادنیٰ مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس کی راہ ہے اور جو فوق العرش سے مستوی و رفرف تک رہی ہے تو خدا ہی جانے۔

اسی میں ہے:

لما اعطی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام الکلام اعطی نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثله لیلۃ اسراء و زیادة الدنوی والرویۃ بعین البصر و شان ما بین جبل الطور الذی نوحی بہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام وما فوق العرش الذی نوحی بہ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

جبکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دولت کلام عطا ہوئی، ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ویسی ہی شب اسرا ملی اور زیارت قرب اور چشم سر سے دیدار الہی۔

اس کے علاوہ اور بھلا کہاں، کوہ طور جس پر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں مافوق العرش جہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔

اسی میں ہے:

رقیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یبدنہ لیلۃ الاسراء الی السّماء ثم الی سدرۃ المنتہی۔ ثم الی المستوی ثم الی العرش

والرفرف والروية:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شب اسری آسمانوں تک ترقی فرمائی، پھر سدرۃ المنتہی، پھر مقام مستوی، پھر عرش ورفرف ودیدار تک۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ تعلقیات افضل القرئی میں فرماتے ہیں:

الاسراء به صلى الله تعالى عليه وسلم على بقطة بالجسد والروح من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى ثم عرج به الى السموات العلى ثم الى سدرۃ المنتهى ثم الى المستوى ثم الى العرش والرفرف.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج بدن وروح کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوئی، پھر آسمانوں پھر سدرہ پھر مستوی پھر عرش ورفرف تک

فتوحات احمدیہ شرح الہزیہ للشیخ سلیمان الجمل میں ہے:

رقبه صلى الله تعالى عليه وسلم ليلة الاسراء من بيت المقدس الى السموات السبع الى حيث شاء الله تعالى لكنه لم يجاوز العرش على الراجع

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی شب اسراء بیت المقدس سے ساتوں آسمان اور وہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عز و جل نے چاہا، مگر رائج یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔

اسی میں ہے:

المعاريج ليلة الالسرائ عشرة سبعة في السموات
والثامن الى سدرۃ المنتهى والتاسع الى المستوى والعاشر الى
العرش لكن لم يجاوز العرش كما هو التحقيق عند اهل المعاريج
معراجیں شب اسراء دس ہوئیں سات آسمانوں اور آٹھویں سدرہ
نویں مستوی دسویں عرش تک مگر روایان معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے عرش
سے اوپر تجاوز نہ فرمایا۔

اسی میں ہے:

بعد ان جاوز السماء السابعة رفعت له سدرۃ المنتهى ثم
جاوزها الى مستوى ثم زج به في النور فخرق سبعين الف
حجاب من نور مسيرة كل حجاب خمسة ايام ثم دلى له رفرف
اخضر فارتقى به حتى وصل الى العرش ولم يجاوزه فكان من ربه
قاب قوسين او ادنى۔

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمان ہفتم سے گزرے،
سدرہ حضور کے سامنے بلند کی گئی، اس سے گزر کر مقام مستوی تک پہنچے، پھر
حضور عالم نور میں ڈالے گئے، وہاں ستر ہزار پردے نور کے طے فرمائے، ہر
پردے کی مسافت پانچ سو برس کی راہ، پھر ایک سبز پچھونا حضور کے لئے لٹکایا
گیا، حضور اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے اور عرش سے ادھر گزر نہ فرمایا۔

اقول۔ شیخ سلیمان نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور
امام حجر مکی وغیرہ کی عبارات ماضیہ و آتیہ وغیرہا میں فوق العرش و لامکان کی

تصریح ہے۔ لامکان یقیناً فوق العرش ہے اور حقیقتاً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ عرش تک منہجائے مکان ہے اس سے آگے لامکان ہے اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روح اقدس نے وراء الوراء تک ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا پھر ۱۱ جانیں جو تشریف لے گئے۔ اسی طرح کلام امام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشارہ عنقریب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہی عرش ہے تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی نہ اس لئے کہ سیر اقدس میں معاذ اللہ کوئی کمی رہی بلکہ اس لئے کہ تمام اماکن کا احاطہ فرما لیا اور پر کوئی مکان ہی نہیں جسے کہیئے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا اور سیر قلب انور کی انتہا قاب قوسین اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے ورا کیا ہوگا کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سیدی علی وفا رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنئے امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں:

لیس الرجل من یقیده العرش وما حواه عن الا فلاك
والجنة والنار وان الرجل من نقد بصره الى خارج لهذا الوجود
كله وهناك يعرف قدر عظمة موجدہ سبحانه تعالیٰ.

مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطے میں ہے، افلاک و جنت و نار، یہی چیزیں محدود و مقید کر لیں، مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے، وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

امام علامہ احمد قسطلانی مواہب لدنیہ و منہج محمدیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ومنها انه (ای اللہ تعالیٰ بعینہ) یقظة علی الراجح رو کلمہ اللہ تعالیٰ فی الرفیع الاعلیٰ علی سائر الامکنہ و قد روی ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً لما اسری لی قربنی ربی حتی کان بینی و بینہ قاب قوسین او ادنیٰ.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور نے اللہ عزوجل کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا، یہی مذہب رائج ہے، اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضور سے اس بلند و بالاتر مقام میں کلام فرمایا جو تمام ممکنہ سے اعلیٰ تھا، اور بے شک ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شب اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔

اسی میں ہے:

قد اختلف العلماء فی الاسراء هل هو اسراء واحد او اسراء ان مرة بروحه و بدنه یقظة بروحه و جسده من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی ثم منا ما من المسجد الاقصی الی العرش فالحق انه اسراء واحد بروحه و جسده یقظة فی القصة کلها و الی هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثین و الفقہاء و المتکلمین ۝

علماء کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو۔ ایک بار روح و بدن اقدس کے ساتھ بیداری میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری روح و بدن مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک، پھر خواب میں وہاں سے عرش تک، اور حق یہ ہے کہ وہ ایک ہی اسراء ہے اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرش اعلیٰ تک بیداری میں روح و بدن اطہر ہی کے ساتھ ہے۔ جمہور علماء الحمد ثین و فقہاء متکلمین سب کا یہی مذہب ہے۔

اسی میں ہے:

المعاريج عشرة (الى قوله) العاشر الى العرش

معراجیں دس ہوئیں، دسویں عرش تک۔

اسی میں ہے، قد وردني اتيح عن انس رضي الله تعالى عنه قال:

عرج بي جبريل الى سدرۃ المنتهى و دنا الجبار رب

العزۃ فتدلي فكان قاب قوسين او ادنى تذليه على ما في حديث

شريك كان فوق العرش.

صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے ساتھ جبریل نے سدرۃ المنتہیٰ تک عروج

کیا اور جبار رب العزۃ جل جلالہ، نے دو و تدلی فرمائی تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ

ان سے کم کا رہا، یہ تدلی بالائے عرش تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ورد في المعراج انه صلى الله تعالى عليه وسلم لما بلغ

سدرۃ المنتهى جاءها بالرفرف جبريل عليه الصلاة والسلام وله

فطار به الى العرش.

حدیث معراج میں وارد ہوا کہ، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی پہنچے، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام رفرف حاضر لائے، وہ حضور اقدس کو لے کر عرش تک اڑ گیا۔

اسی میں ہے:

عليه يدل صحيح الاحاديث الآحاد الدالة على دخوله صلى الله تعالى عليه وسلم الجنة وصوله الى العرش او طرف العالم كما سيأتي كل ذلك بجسده يقظة.

صحیح آحاد حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب اسریٰ جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اس کنارے تک کہ آگے لامکان ہے اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔

حضرت سیّدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فتوحات مکیہ شریف باب ۳۱۶ میں فرماتے ہیں:

اعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما كان خلقه القرآن وخلق بالاسماء وكان الله سبحانه وتعالى ذكر في كتابه العزيز انه تعالى استوى على العرش على طريق التمدح والثناء على نفسه اذ كان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبه عليه الصلاة والسلام من هذا الاستواء نسبة على طريق التمدح والثناء به عليه حيث كان اعلى مقام ينتهى اليه من اسرى به من الرسول عليهم

الصلاة والسلام و ذلك يدل على انه اسرى به صلى الله تعالى عليه وسلم بجسمه ولو كان الاسر به رؤيا لما كان الاسراء ولا الوصول الى هذا المقام تمدا حاولا وقع من الاعراب انكار على ذلك.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا اور حضور اسماء الہیہ کی خود خصلت رکھتے تھے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استوا بیان فرمایا تو اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس صفت استویٰ علی العرش کے پر تو سے مدح و منقبت بخشی کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں اسراء منتہی ہو اور اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسرامع جسم مبارک تھا کہ اگر خواب ہوتا تو اسرا اور اس مقام استویٰ علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔

امام علامہ عارف باللہ سیّدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل:

انما قال صلى الله تعالى عليه وسلم على سبيل التمدح حتى ظهرت لمستوى اشارة لما قلنا من ان منتهى السير بالقدم المحسوس رائي العرش.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ یہاں تک کہ میں مستوی پر بلند ہوا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدم جسم سے سیر کا منتہی عرش ہے۔

مدارج النبوۃ شریف میں ہے۔

”فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پس گسترانیدہ شد
برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور او بر نور
آفتاب پس درخشید بہ آں نور بھر من نہادہ شدم من
بر آں رفرف و برداشتہ شدم تا بر سیدم بہ عرش۔“

اسی میں ہے:

”آوردہ اند کہ چوں رسید آں حضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم بہ عرش دست زد عرش بداماں اجلال
وے، اشعة اللمعات۔“

شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”بز حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاتر
ازاں ہیج کس نہ رفتہ و آں حضرت بہ جائے رفت کہ
آں جا جانست۔“

برداشت از طبیعت امکاں قدم کہ آں
اسرائیٰ بعدہ است من المسجد الحرام
تا عرصہ وجوب کہ اقصائے عالم است!

کانجانبہ جاست نے جہت و نے نشان و نام
نیز اسی کے باب رویۃ اللہ تعالیٰ فصل سوم زیر حدیث قد رای ربہ
مرتین، ارشاد فرمایا:

بتحقیق دید آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
پروردگار خود را جل و علاء دوبار یکے چوں نزدیک
سدرۃ المنتہی، بود، دوم چوں بالائے عرش آمد۔“

مکتوبات حضرت شیخ مجدد الف ثانی جلد اول مکتوبات ۲۸۳ میں ہے:

”آں سرور علیہ الصلاۃ والسلام در آں شب از
دارہ مکان و زماں بیرون جست و از تنگی امکان برآمدہ
ازل و ابد را آں واحد یافت و بدایت و نہایت ر
اور یک نقطہ متحد دید:

نیز مکتوب ۲۷۲، میں ہے:

”محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ محبوب
رب العالمین است و بہترین موجودات اولین و
آخرین بدولت معراج بدنی مشرف شد و از عرش و
کرسی در گزشت و از مکان و زماں بالا رفت۔“

امام ابن اصلاح کتاب معرفۃ النواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں:
”قول المصنفین من الفقہاء و غیرہم قال رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کذا و کذا و نحو ذلک کلمہ من قبیل
المعضل و سماہ الخطیب ابوبکر الحافظ مرسل و ذلک علی
مذہب من یسمی کل مالا یصل مرسل۔“

تلوٹ وغیرہ میں ہے: ان لم یذکر الواسطۃ اصلاً مرسل۔
مسلم الثبوت میں ہے:

”المرسل قول العدل قال علیہ الصلاۃ والسلام۔“
فوائح الرحمات میں ہے۔ ”الکل داخل فی المرسل عند اہل
الاصول۔“

انہیں میں ہے۔ ”المرسل ان كان الصحابي يقبل مطلقاً اتفاقاً
و ان كان من غيره فالأكثر و منهم الامام ابو حنيفة والامام مالك
والامام احمد رضي الله تعالى عنهم قالوا يقبل مطلقاً اذا كان
الراوي ثقة. الخ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

”لا يضر ذلك في الاستدلال به هنا لان المنقطع يعمل

به في الفضائل اجماعاً.“

شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:

”اخبار صلى الله تعالى عليه وسلم تقبل على و انه قسم

النار.“ نسیم الریاض میں فرمایا ”ظاهر هذا ان هذا مما اخبر به النبی

صلى الله عليه وسلم الا انهم قالوا لم يروه احد من المحدثين الا

ان ابن الاثير قال في النهاية ان عليا رضي الله تعالى عنه قال انا

قسم النار، قلت ابن الاثير ثقة وما ذكره على لا يقال من قبل

الرای فهو فی حکم المرفوع اھ ملخصاً۔ امام ابن الہمام فتح القدر

میں فرماتے ہیں: عدم النقل لا ينفي الوجود ”والله تعالى اعلم.“



کتب ماخذ

نام مصنف	نام کتاب
امام احمد بن حنبل	(۱) مسند احمد
جلال الدین سیوطی	(۲) خصائص کبریٰ
عبدالرؤف مناوی	(۳) تیسیر شرح جامع صغیر
ابو عیسیٰ ترمذی	(۴) ترمذی
طبرانی	(۵) معجم طبرانی
	(۶) بیہقی
علامہ بوسیری	(۷) قصیدہ بردہ
شرف الدین محمد	(۸) ام القرئی
ابن حجر مکی	(۹) افضل القرئی
عبد الغنی نابلسی	(۱۰) حدیقہ ندیہ
سلیمان جمل	(۱۱) فتوحات احمدیہ
عبدالوہاب شعرانی	(۱۲) الیواقیت والجواهر
محمد بن اسماعیل بخاری	(۱۳) صحیح البخاری
محی الدین ابن عربی	(۱۴) فتوحات مکیہ
ابن صلاح	(۱۵) معرفۃ انواع علم الحدیث
	(۱۶) مسلم الثبوت
ابن اثیر	(۱۷) نہایہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَهج السَّلامَہ فی حکم تقبیل الایہا مین فی الاقامہ

اذا نے واقامت
میںے انگوٹھے
چومنے کا بیان

تصنیف لطیف

امام اس سُنّت مجتہدِ اہم دین و سنت
اعظم حضرت عظیم الشان شہداء امام
احمد رضا خاں فاضل دیوبند

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم مطلوب شرع اور مقصود اسلام ہے۔ آپ سے بے پناہ عقیدت و عشق بنیاد اسلام ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم، جب اذان میں آپ کا نام نامی اسم گرامی سنتے تو اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگاتے اور درود وغیرہ پڑھتے، لیکن سوال یہ ہے کہ اذان کے علاوہ اقامت میں بھی انگوٹھے چومنے چاہئیں یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے میں اسی مسئلے کو حل فرمایا ہے، یہ رسالہ صرف اسی مسئلے پر مشتمل نہیں بلکہ آپ اس میں جا بجا اصول حدیث اور اصول فقہ کی قیمتی بحثیں بھی پڑھیں گے۔ درحقیقت اعلیٰ حضرت کے تمام رسائل کا یہی حال ہے کہ اگرچہ وہ کسی ایک مسئلے پر لکھے گئے ہیں مگر جب ان کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو لاتعداد دوسرے مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں اور اسی نظر سے آپ کے رسائل کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ط

مسئلہ:

از اپر برہما، شہر مانڈلے، سورتی مسجد، مرسلہ مولوی احمد مختار صاحب
قادری رضوی صدیقی میرٹھی۔

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

منقول از فتاویٰ امدادیہ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ جلد چہارم صفحہ ۵۷، ۵۸
سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس وقت مؤذن
اقامت میں اَشْهَدُ اَنْ مُّحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بولے تو سننے والا، دونوں
انگوٹھوں کو چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو آیا جائز یا
مستحب یا واجب یا فرض ہے؟ اور جو شخص اس کا مانع ہووے اس کا کیا حکم ہے؟
اور اگر نہیں رکھتا ہے تو آیا مکروہ یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اور جو مرتکب اس
فعل کا ہووے اس کا اور جو حکم کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جو روا۔
جدید یہ کہ اذان پر قیاس کر کے تحریر نہ فرماویں بلکہ در صورت جواز یا
عدم جواز کسی معتبر کتاب سے عبارت نقل کر کے تحریر فرمادیں۔

الجواب:

اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت
نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں، روایت کیا ہے ■
محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامی بعد نقل اس عبارت کے
لکھتے ہیں:

۱۔ و ذکر ذلک الجراحی و اطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء انتہی (جلد اول ص ۲۶۷ باب الاذان) مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے، اسی واسطے فقہانے اس کا بالکل انکار کیا ہے، یہ عبارت شامی کی ہے:

۲۔ ”ونقل بعضهم ان القہستانی کتب علی هامش نسخه ان هذا تختص بالاذان و اما فی الاقامة فلم یوجد بعد الاستقصاء التام والتبع (جلد اول باب الاذان ص ۲۶۷) یہی مفتی صاحب یصح فی المرفوع پر حاشیہ منہیہ لکھتے ہیں۔

۳۔ قلت و اما الموقوف فانه و ان کان منقولا لکن مع ضعف اسنادہ لیس فیہ کون هذا العمل طاعة بل هو رقية للحفظ عن مدو العوام یفعلونه باعتقاد کونه طاعة ۱۲ منہ حاشیہ صاحب فتاویٰ اشرفیہ بر عبارت شامی۔

۱۔ اس کو جراحی نے ذکر کیا اور طویل بحث کی، اس سلسلے میں مرفوع روایت صحت کو نہیں پہنچتی ہے۔ ۱۲۔

۲۔ اور ان میں سے بعض نے نقل کیا کہ قہستانی کے نسخے کے حاشیے پر لکھا کہ یہ اذان کے ساتھ مخصوص ہے اور اقامت میں کامل تلاش کے بعد بھی کوئی دلیل نہیں ملی ۱۲۔

۳۔ میں کہتا ہوں، موقوف تو اگرچہ وہ منقول ہے لیکن ضعف سند کے ساتھ ہی کوئی ایسا عمل نہیں جو موجب طاعت ہو بلکہ یہ آشوب چشم کا منتر ہے عوام اس کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔ ۱۲۔

گزارش و موجب زحمت وہی یہ ہے کہ ہفتہ گذشتہ میں ایک عریضہ دربارہ استفتاءے تقبیل الایہامین عند قول المؤذن اشہد ان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابلاغ خدمت کیا ہے۔ آج فتاوائے امدادیہ میں ایک صاحب نے عبارت مرقومہ بالا دکھائی جو بلفظہ ملاحظہ عالی میں پیش کر کے رفع شکوک کا خواستگار ہوں وہی ہذا:

(۱) علامہ شامی یا دوسرے محققین نے تقبیل کے بارے میں ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کر کے لم یصح فی المرفوع یا اس کے ہم معنی الفاظ تحریر کئے ہیں، ان سے حدیث کے مرفوع ہوتے کا انکار ہے یا کلیتاً تقبیل ہی کا ثبوت صحت کو نہیں پہنچتا۔

مفتی صاحب کی تحریر و حاشیہ خور غور طلب ہے، پھر ان کے معتقدین تقبیل مطلق کو غیر صحیح فرماتے ہیں، خود بہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا بہ تعلیم سیدنا خضر علیہ السلام، جامع الرموز نے کنز العباد سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں اثبات استحباب ہے۔ مجموعہ فتاویٰ جلد سوم ص ۴۲

طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۸ میں اسی روایت کو نقل کیا ہے، نیز فردوس دیلمی سے حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً لکھ کر حضرت خضر علیہ السلام سے عملاً روایت بطور تائید بیان کی علیٰ ہذا سادات احناف کی اکثر کتب میں موجود ہے۔

اعانتہ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین مصری ص ۲۴۷ (فقہ شافعی)

وفی الشنوائی ما نصہ من قال حین یسمع قول المؤذن اشہد ان محمد رسول اللہ مرحباً بحیبی و قرۃ عینی محمد بن

عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم یقبل ابہا میہ و یجعلہما علی عینیہ لم یعم ولم یرمد ابداً انتہی۔

(اعلیٰ الطالبین، فصل فی الاذان والاقامة ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت)
 شنوائی میں ہے جس نے مؤذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے سنا اور
 مرحبا بھی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے انگوٹھے چومے
 اور اپنی آنکھوں میں لگائے تو اندھانہ ہوگا، اور آشوب چشم میں مبتلا نہ ہوگا۔
 کفایت الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی فی مذہب سیدنا
 الام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصری جلد ۱ ص ۱۶۹ (فائدہ)

نقل صاحب الفردوس ان الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 لما سمع قول المؤذن اشہد ان محمداً رسول اللہ، قال ذالک
 وقبل باطن النملة السبابتین و مسح عینیہ فقال صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم من فعل مثل خلیلی فقد حلت علیہ شفاعتی قال
 الحافظ السخاوی ولم یصح ثم نقل عن الخضر انه علیہ الصلاة
 والسلام قال من قال حین یسمع قول المؤذن اشہد ان محمداً
 رسول اللہ مرحبا بحیبتی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ (صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ثم یقبل ابہا میہ و یجعلہما علی عینیہ لم
 یعم ولم یرمد ابداً و نقل غیر ذلک ثم قال ولم یصح فی
 المرفوع من کل هذا شیء واللہ تعالیٰ اعلم

صاحب فردوس نے نقل کیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب
 مؤذن کے اس قول کو سنتے کہ اشہد ان محمداً رسول اللہ تو یہ الفاظ کہتے اور

دونوں شہادت کی انگلیوں کا اندرونی حصہ چومتے اور آنکھوں پر لگاتے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میرے خلیل کی طرح کیا اس پر میری شفاعت حلال ہوئی۔ حافظ سخاوی نے کہا، کہ صحیح نہیں۔ پھر خضر سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مؤذن کے اس کلمہ، اشہد ان محمد رسول اللہ کو سن کر کہا، مرحبا بحبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اپنے دونوں انگوٹھے چومے اور اپنی دونوں آنکھوں پر لگائے وہ کبھی نابینا نہ ہوگا اور آشوب چشم میں مبتلا نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں مرفوع حدیث ثابت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامۃ الشیخ علی الصعیدی العدوی اسی شرح کے حاشیہ ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں (قولہ ثم یقبل الخ)

لم یبین موضع التقبیل من ابهامین الا انه نقل عن الشیخ العالم المفسر نور الدین خراسانی قال بعضهم لقیته وقت الاذان فلما سمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول اللہ ابهامی نفسہ و مسح بالظفرین اجفان عینیہ من المآقی الی ناحیۃ الصدغ ثم فعل ذلک عند کل تشهد مرۃ مرۃ فسالته عن ذلک فقال کنت افعله ثم ترکته فرضت عینای فرأیت صلی اللہ علیہ وسلم منا ما فقال لم ترکت مسح عینیک عند الاذان ان اردت ان عینک فعد الی المسح فاستیقظت و مسحت فبرئت و لم یعادونی مرضهما الی الان انتھی۔ فهذا یدل علی ان الاولی التکریر والظاهر انه حیث کان المسح بالظفرین ان التقبیل لهما واللہ

تعالیٰ اعلم۔

انگوٹھے چومنے کا مقام بیان نہیں کیا۔ البتہ شیخ عالم مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ میں ان سے اذان کے وقت ملا تو جب انھوں نے اشدھ ان محمد رسول اللہ سنا تو انھوں نے اپنے دونوں انگوٹھے چومے اور دونوں ناخن آنکھوں کے پوٹوں کو لگا کے کویوں کی طرف سے کپٹی کی طرف کیا پھر ایسا ہی ہر تشہد کے موقع پر ایک ایک بار کیا تو میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں یہ کیا کرتا تھا، پھر چھوڑ دیا تو میری آنکھیں خراب ہو گئیں۔ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا، کہ اذان کے وقت آنکھوں کو ہاتھ لگانا کیوں چھوڑ دیا، اگر تم اپنی آنکھیں ٹھیک کرانا چاہتے ہو تو وہ عمل دوبارہ شروع کر دو۔ جب میں بیدار ہوا تو وہی عمل کیا، تو میری آنکھیں ایسی تندرست ہوئیں کہ پھر اب تک بیمار نہ ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکرار بہتر ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ناخنوں کو لگانے کا حکم آیا ہے اس لئے چومنا بھی ان ہی کا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ان تمام عبارات میں کہیں تقبیل ابہامین پر نکیر ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحباب کا پتہ الفاظ صریحہ میں ملتا ہے۔ برخلاف اس کے صاحب فتاوائے اشرفیہ عبارت شامی پر حاشیہ لکھ کر (مباح ص ۲ ملاحظہ ہو۔) مان رہے ہیں پھر اس مباح کو بھی بدعت ٹھہرا رہے ہیں۔ اس تضاد و اشکال کو رفع فرما کر قاطع فیصلہ فرمایا جائے۔

صاحب فتاویٰ اشرفیہ عمل مانحن فیہ کو اپنے حاشیہ مذکورہ میں رقیہ مان کر

دعویٰ کرتے ہیں۔

”والعوام يفعلونه باعتقاد الطاعة“

(عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں)

یہاں صرف یہ اشکال ہے کہ اعتقاد قلب سے تعلق رکھتا ہے اس پر مفتی صاحب مذکور کو کس طرح اطلاع ہوئی در صورتیکہ ان کے نزدیک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی باوصف اعلام علام مافی الصدور علوم غیبیہ سے بے خبر ہیں۔ (معاذ اللہ)۔۔۔ بھی عامہ مومنین کے دلی خیال اور اعتقاد سے اطلاع ہوئی، خواہ وہ ہند میں ہوں یا کابل میں، ایران میں ہوں یا عرب شریف میں، غرض شرق میں ہوں یا غرب میں حیث یقول و العوام يفعلونه باعتقاد الطاعة یہاں بعض الناس نے سخت فتنہ برپا کر رکھا ہے۔

۱۔ مستر صد کہ جلد تر جواب باصواب سے اعزاز بخشیں۔ اجر کم اللہ تعالیٰ بجاہ طہ و یس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

مختار صدیقی

الجواب:

اس مسئلہ کی تحقیق بالغ و تنقیح بازغ میں بائیس سال ہوئے فقیر نے کتاب ”منیر العین فی حکم تقبیل الالبہامین“ لکھی کہ بیس سال ہوئے بمبئی میں چھپ کر ملک میں مفت تقسیم ہوئی اب میرے پاس صرف ایک نسخہ باقی ہے کہ آپ جیسے علم دوست حق پرست کی اعانت کو بغرض ملاحظہ مرسل ہے۔ ایک نسخہ بھی اور ہوتا تو ہدیہ حاضر کر دیتا، بعد ملاحظہ بیرنگ واپس فرمائیں، یہ رسالہ باذنہ تعالیٰ دربارہ حدیث وفقہ منکرین کے خیالات باطلہ عاطلہ کی تیغ کئی و صفرا شکنی کو بس ہے، لہذا ان سے زیادہ تعرض کی حاجت نہیں، صرف بعض امور جہالت فتوائے مذکور اجمالاً گزارش و باللہ توفیق۔

(۱) دعویٰ یہ کہ اذان میں کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور اس پر دلیل شامی کی جراحی سے نقل کہ ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجہ صحت کو نہیں پہنچی جو خود مشیر ہے کہ اس کی احادیث موقوفہ پر یہ حکم نہیں ورنہ مرفوع کی تخصیص کیوں ہوتی۔ عبارات کتب میں مفہوم مخالف بلاشبہ معتبر ہے۔ اسی شامی طالع قسطنطنیہ جلد ۵ ص ۵۲ میں ہے:

فان مفاهیم الكتب حجة ولو مفہوم لقب علی ما صرح به

الاصولون۔

ترجمہ: عبارات کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے خواہ وہ مفہوم لفظی ہو، علمائے اصول نے یہی تصریح کی ہے۔ (ت)

نیز جلد اول ص ۱۶۷ یفتی بہ عند السؤال لان مفاهیم الكتب معتبرة کما تقدم (سوال کے وقت اسی پر مفہوم ہوگا کیونکہ عبارات کتب میں

مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔
درمختار بیان سنن وضو میں نہر الفائق سے ہے:

”مفاهیم الکتب حجة بخلاف مفاهیم اکثر النصوص“

احادیث موقوفہ کیا روایت نہیں؟ لاجرم ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں کل ما یروے فی هذا فلا یصح رفعہ البتہ (اس سلسلہ میں جو کچھ مروی ہے اس کا مرفوع ہونا کسی طرح بھی صحیح نہیں) لکھ کر فرمایا:

قلت و اذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فیکفی العمل بہ لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بسنتی و
سنة الخلفاء الراشدین۔

یعنی اگرچہ اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں مگر جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے تو اس پر عمل کے لئے کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم پر لازم ہے میرا طریقہ اور میرے خلفائے راشدین کا طریقہ۔

(۲) صحیح کی نفی سے معتبر کی نفی جاننا فن حدیث سے جہالت پر مبنی۔ کتب رجال میں ہزار جگہ ملے گا باعتبار بہ ولا یحتج بہ (یہ معتبر ہے لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا) اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالا جماع کافی، اگرچہ حدیث صحیح بلکہ حسن، بھی نہ ہوں۔

(۳) فقہ میں روایت، روایت فقیہہ بھی ہے۔ بالفرض اگر حدیث معتبر مطلقاً منتهی تو اس سے روایت معتبرہ کی نفی یا جہل محض ہے یا نری غیر مقلدی کہ بے ثبوت حدیث روایت فقیہہ نہ مانی۔

(۴) یہیں یہیں اسی شامی میں قہستانی و فتاویٰ صوفیہ و کنز العباد سے صراحتاً اس کا استحباب منقول اور بصیغہ جزم بلا تعصب مذکور و مقبول تو شامی سے صرف نسبت حدیث ایک کلام نقل کر لانا اور اسی عبارت میں شامی کے حکم مقرر فقہی کو چھوڑنا صریح خیانت ہے۔

(۵) پھر روایت فقیہہ قصداً بچا کر وہ سالبہ کلیہ کہ ”کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں“ صاف اغوائے عوام ہے۔ کیا کتب فقہ میں ہزار سے کم اس کے نظائر ملیں گے کہ حکم فقہی پر جو حدیث نقل کی اس میں کلام کر دیا گیا مگر اس سے روایت فقہی نا معتبر نہ ہوئی، ہاں وہی غیر مقلدی کی علت پیچھے ہو تو کیا علاج!

(۶) اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہ ہونے پر شامی کا کلام نقل کیا کہ بعض نے قہستانی سے نقل کیا کہ انھوں نے اپنے نسخے کے حاشیے پر لکھا کہ دربارہ اقامت بعد تلاش کامل روایت نہ ملی اور انہیں شامی کا کلام نہ دیکھا کہ ایسی نقل نقل مجہول اور نقل مجہول محض نا مقبول، جلد دوم ص ۵۱۲ قول المعراج ورأیت فی موضوع الخ (ای معزوا الی المبسوط) لا یکفی فی النقل لجهالت، وہاں بواسطہ مجہول ناقل امام قوام الدین کا کی شارح ہدایہ تھے، یہاں شامی وہاں منقول عنہ بالواسطہ امام الائمہ سرخسی تھے یا خود محرر المذہب امام محمد اور یہاں قہستانی، ع

یہیں تفاوت رہ از کجا ست تابہ کجا

جب وہ بوجہ جہالت واسطہ مقبول نہ ہوئی تو اس کی کیا ہستی، مگر کیا

کیجئے کہ ع

عقل بازار میں نہیں بکتی!

(۷) لم یوجد اور موجود نہیں میں جو فرق ہے عاقل پر مخفی نہیں مگر عقل بھی

ہو، خالی تا یافت کی نقل ہے کہ شہادۃ علی النعمی سے زائد نہ ٹھہرے گی۔ آکد
الفاظ فتویٰ منقول اور بوجہ جہالت نامقبول ہوا۔ انھیں علامہ شامی کا کلام
سنیئے۔ عقود الذریعہ ج ۲ ص ۱۰۹

قال الزيلعي ان الفتوى على قولهما قال الشيخ قاسم في
تصحيحه ما نقله الزيلعي شاذ مجهول القائل.
درمختار میں ہے۔

عليه الفتوى الزيلعي و بحر معزياً للمغني لكن رواه العلامة قاسم
في تصحيحه بان ما في المغني شاذ لجھول القائل فلا يعول عليه.
(درمختار، باب الاجارة الفاسده، ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ مجتہائی دہلی)
شامی نے اسے مقرر رکھا۔

(۸) اس پر یہ ادعا کہ اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے، صریح
کذب ہے

(۹) اس پر کہنا کہ یہ عبارت شامی کی ہے بکف چراغی ہے۔ شامی میں قہستانی
سے بتقل مجہول یہ منقول کہ اس کی روایت نہ ملی، اگر بفرض غلط یہ نقل مجہول
مقبول بھی ہو اور عدم وجدان روایت عدم وجود روایت بھی تو نفی روایت
روایت نفی نہیں، ہذا کا اشارہ جانب نقل ہے نہ جانب حکم، فقہاء نے بالکل
انکار کیا، کس کے گھر سے لائے۔

(۱۰) ایں ہم بر علم تو، غایت درجہ یہ کہ قہستانی کا اپنا انکار ہوگا نہ کہ وہ فقہاء
سے کوئی قول نقل کر رہے ہیں، اور قہستانی کا بہ ایں معنی فقہاء میں شمار کہ ان کا
اپنا قول بلا نقل مسلم ہو باطل ہے، بلکہ نقل میں بھی ان کی حالت جو خود

یہی علامہ شامی عقود الدرر جلد ۲ ص ۲۹۷ میں بتاتے ہیں:

القہستانی کجارف سیل و حاطب لیل خصوصاً و استنادہ
الیٰ کتب الزاہدی المعتزلی اور کشف الظنون حرف النون میں علامہ
عصام اسفرائینی کا قول نہ دیکھنا کہ اس ادعائے باطل کی لگی نہ رکھے گا اور
بالکل کشف الظنون بلکہ علاج جنون کر دے گا، ہم نے پتہ بتا دیا، نہ ملے تو
پیش بھی کر دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۱) یہ بھی سہی تو کیسا ظلم شدید اور تعصب عنید ہے کہ مسئلہ اقامت میں
قہستانی کا اپنا قول بلا نقل بلکہ صرف روایت نہ پانا سند میں پیش کیا جائے اور
اسے انھیں ایک فقیہہ نہیں بلکہ فقہا کا انکار ٹھہرا دیا جائے اور یہیں یہیں مسئلہ
اذان میں جو یہی قہستانی خاص روایت فقہی نقل فرما کر استحباب بتا رہے ہیں
وہ مردود و نامقبول قرار پائے غرض بری امام اپنی ہوائے نفس سے ہے و بس۔
(۱۲) اقامت میں اذان سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے۔ یعنی بدعت و
بے اصل اذان میں بھی وہی مرض غیر مقلدی ہے کہ فقہاء، اگرچہ غیر مستحب،
فرمائیں گے مگر ان کا مردود اور بدعت مذمومہ ہونا غیر مسدود۔

(۱۳) نہیں نہیں نری غیر مقلدی نہیں بلکہ اجماع امت کا رد اور غیر سبیل
المؤمنین کا اتباع بد ہے جس پر قرآن عظیم میں نصلہ جہنم و ساءت
مصیرا (النساء: ۱۱۵) کہ وعید مؤکد ہے احادیث یہاں قطعاً مروی مرفوع
بھی اور موقوف بھی اور غایت ان کا، ضعف جس کا بیان قطعی منیر العین ہے
جس سے حق کی آنکھیں پر نور اور باطل کی ظلمتیں دور بلکہ خود اسی قدر
عبارت کہ منکر نے نقل کی منصف کو کافی کہ اس میں صرف لم یصح (صحیح
نہیں) کہا اور وہ بھی فقط احادیث مرفوعہ کو، اگر سب کو کہتے جب بھی نفی صحت

سے غایت درجہ اتنا معلوم ہوتا کہ ضعیف ہیں پھر ضعیف تعدد طرق سے حسن ہو جاتی اور مسائل حلال و حرام میں حجت قرار پاتی ہے اور نہ بھی سہی تو قطعاً باب فضائل اعمال میں حدیث ضعیف، بالاجماع مقبول اور مخالف اجماع، مردود و منخزل۔ اربعین امام ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ میں ہے:

لقد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال۔ (شرح متن اربعین نووی، قبیل حدیث اول، ص ۶، مطبوعہ قطر)

(۱۴) اجماع امت کا خلاصہ وہاں دشوار نہ تھا۔ مصیبت یہ ہے کہ جمہور وہابیہ کی بھی مخالفت ہوئی کہ تخصیص عدم صحت بہ احادیث مرفوعہ نے صحت بتائی، ملا علی قاری کی عبارت گزری تو قرون ثلاثہ میں اصل متحقق ہوئی، پھر بدعت و بے اصل کہنا اصول وہابیت پر بھی چھری پھیرنا ہے۔

(۱۵) سخت تر آفت یہ ہے کہ دیوبندیت کے امام اعظم جناب گنگوہی صاحب سے چل گئی اور وہ بھی بہت بری طرح کہ ان کی سنت، ان کی بدعت ان کی ہدایت ان کی ضلالت، یہ فاعل کو بدعتی، گمراہ ٹھہرائیں۔ ان کو منکر سنت، ضال، بد راہ بتائیں، پھر یہ کیا انھیں چھوڑے دیتے ہیں۔ یہ کہیں گے کہ بدعت و ضلالت کو سنت بتا کر سخت گم راہ، بے دین ہوئے کفی اللہ المومنین القتال۔ (لڑائی میں مومنوں کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے) اس کا مفصل منیر العین افادہ ۳۰ میں ملاحظہ ہو، مجمل یہ کہ یہ احادیث تقبیل گنگوہی صاحب کے نزدیک بھی، فضائل اعمال کی ہیں کہ اس پر ترغیب و ثواب ان میں مذکور ہے۔

مسند الفردوس کی حدیث میں بہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ل تحقیق علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل جائز ہے۔

ہے کہ انھوں نے اذان میں نام سن کر انگلیوں کے پوروں کو بوسہ دے کر آنکھوں پر پھیرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من فعل مثل ما فعل خلیلی فقد حلت علیہ شفاعتی
جو ایسا کرے جیسا میرے اس پیارے نے کیا اس پر میری شفاعت
حلال ہو جائے۔

جامع الرموز و کنز العباد وغیرہا میں ہے:

فانه صلی اللہ علیہ وسلم یكون له قائداً الى الجنة

(جامع الرموز، باب الاذان، ج ۱ ص ۱۲۵)

جو ایسا کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے
اسے جنت میں لے جائیں گے۔

اور یہ تو روایات عدیدہ میں ہے، جو ایسا کرے گا کبھی اندھا نہ ہوگا۔
نہ اس کی آنکھیں دکھیں۔ یہ کیا فضیلت و ترغیب نہیں۔ بہر حال یہ حدیثیں
فضائل اعمال کی ہیں اور گنگوہی صاحب براہین قاطعہ طبع دوم ص ۹۶ میں
فراہمے ہیں: ”سب کا مدعا یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست
ہے۔“ ظاہر ہے کہ یہاں درست یہاں بہ معنی جائز ہی ہے خصوصاً جبکہ امیر
المومنین، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثبوت لیں جیسا کہ عبارت علی
قاری میں گزرا۔ جب تو اس مسئلے میں قبول کی بھی حاجت نہ ہوگی کہ شیخین
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقلید کا خود احادیث صحیحہ میں حکم فرمایا۔

حدیث خلفاء کلام قاری میں گزری۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، (جامع

ترمذی، مناقب ابوبکر صدیقؓ)

ان دو کی پیروی کرو جو میرے بعد والی امت ہوں گے۔

رواہ احمد والترمذی وحسنہ و ابن ماجہ والزرقانی

والحاکم وصحہ ابن حبان فی صححہ عن حذیفۃ والترمذی و

الحاکم عن ابن مسعود و ابن عدی عن انس بن مالک رضی اللہ

تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ تقلید عام صحابہ ہمارے

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنہ کا مذہب ہے بلکہ وہابیہ کے نزدیک تین

قرن تک حکم تقلید بلکہ منصب تشریع جدید ہے کما بینا فی کتبنا فی الرد

علیہم (جیسے کہ ہم نے اپنی کتب میں ان کا رد کرتے ہوئے واضح کیا

ہے) بہر حال اس عمل کی دلیل جواز قرون ثلاثہ میں مستحق ہوئی اور گنگوہی

صاحب ص ۲۸ میں کہتے ہیں۔ "جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو"۔

سب سنت ہے اھ۔ تو روشن ہوا کہ جناب گنگوہی صاحب کے نزدیک اذان

میں نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا سنت ہے، اور حدیث سے ثابت ہے کہ

منکر سنت پر لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سنة لعنتهم لعنہم اللہ و کل نبی مجاب (الی قولہ) و

التارک لسننتی رواہ الترمذی عن ام المومنین والحاکم عنہا و

عن علی والطبرانی بلفظ سبعة لعنتهم و کل نبی مجاب عن عمر

و بن شغوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بسند حسن

کچھ لوگ ہیں جن پر میں نے لعنت کی، اللہ ان پر لعنت کرے، اور

ہر نبی کی دعا قبول ہے، ازاں جملہ ایک وہ کہ میری سنت کا منکر ہو۔

اب صاحب فتاویٰ اشرفیہ اپنا حکم گنگوہی صاحب سے دریافت کریں یا گنگوہی صاحب کے حق میں خود کوئی حکم فرمادیں۔

(۱۶) اب اقامت کی طرف چلے، شامی سے بحوالہ مجہول قہستانی کا روایت نہ پانا نقل تو کر لائے اور اس سے یہ نتیجہ کہ فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا، حالانکہ خلفائے کرام کا مسلک وہ ہے جو آنام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر ص ۱۴ میں فرمایا عدم النقل لا ینفی الوجود۔

(۱۷) عدم نقل کو نقل عدم ٹھہرانے کا رد خود اسی شامی میں جا بجا موجود، اذا نجمہ جلد اول ص ۶۰ میں بعد ذکر احادیث فرمایا:

قال العلماء هذه الاحادیث من قواعد الاسلام و هو ان كل من ابتدع شيئا من الخير كان له مثل اجر كل من يعمل به الى يوم القيمة۔

یعنی علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ حدیثیں دین اسلام کے قواعد سے ہیں، ان سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جو شخص کوئی اچھا کام نیا نکالے کہ پہلے نہ تھا، قیامت تک جتنے مسلمان اس پر عمل کریں سب کے برابر ثواب اس ایجاد کرنے والے کو ہو۔

(۱۸) بدعت و بے اصل کی بھی حقیقت سن لیجئے۔ فتح اللہ لمعین جلد ۳ ص ۴۰۲ فصل فی الاستبراء وغیرہ

لا اصل لها لا یقتضی الکراهة ولذا قال فی الدر ما قبل
انها بدعة ای مباحة حسنة

یعنی، بے اصل ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا اسی لئے درمختار

میں فرمایا کہ اسے جو بدعت کہا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نو پیدا جائز اچھی بات ہے۔

فرض کرو اگر اس سے بوجہ عدم نقل انکار مطلق ہی مقصود ہو، تو بحال عدم نقل احکام فقہاء جن کا نمونہ ہم نے ذکر کیا اس کے معارض ہوں گے اور ترجیح و توفیق و توجیہ و تحقیق کہ ہمارے رسائل وہابیہ میں ہے اس کی مونت جناب گنگوہی صاحب نے کم کر دی اور منکرین کو کسی عبارت خلاف سے شبہ ڈالنے کی گنجائش نہ رکھی کہ اس سے غایت درجہ مسئلہ عدم نقل میں اختلاف ثابت ہوگا، اور گنگوہی صاحب براہین ص ۱۳۷ میں فرماتے ہیں:

”اس کی کراہت مختلف فیہ ہوئی اور مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلا ضرورت جائز ہو جاتا ہے۔“

یہ وہاں کہی اور اتباع رخص حلال کر دینے کی داد دی ہے جہاں ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے، تو جہاں خود علمائے حنفیہ کے قول دونوں طرف ہوں تو بدرجہ اولیٰ بلا ضرورت مطلقاً جائز رہے گا اور منکر کے قول کے خلاف سے سند لائے، احمق کج فہم ٹھہرے گا۔ نہیں نہیں فقط یہ نہیں بلکہ گنگوہی صاحب کے خیال میں وقت اقامت بھی تقبیل مذکور سنت اور تھانوی صاحب کا اس پر انکار گمراہی و ضلالت اور بحکم حدیث موجب لعنت ہے۔ علماء فرماتے ہیں، اقامت احکام میں مثل اذان ہے۔ سوا مستثنیات کے، بلکہ ہدایہ میں ہے یروی انہ لا تکرہ الاقامة ایضاً لانہا احدى الاذنین۔ ترجمہ: اور یہ مروی ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں کیونکہ یہ بھی ایک اذان ہے اور عند التحقيق تنقیح مناط انتفائے خصوص کرے گی، تو اس کی دلیل جواز بھی متحقق ہوئی اور سنت ٹھہری، یہاں اس کی

جنس یعنی تقبیل اذان خود موجود ہے۔ گنگوہی ص ۲۸ میں ہے ”جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو، خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو، اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہو یا نہ ہو، وہ سب سنت ہے۔“

یہ اس چار سطری تحریر پر تلک عشرۃ کاملہ ہیں، وہ بھی، بہ نہایت اختصار۔ اب ڈیڑھ سطری منہیہ کی طرف چلے وباللہ التوفیق۔

(۲۱) علمائے کرام نے کہ نفی صحت میں مرفوع کی تخصیص فرمائی، اس کا مطلب یہ گڑھا کہ اس بارہ میں حدیث موقوف اگرچہ منقول ہے مگر ضعیف الاسناد ہے۔ کیا علماء نے یہ فرمایا تھا کہ اس بارہ میں حدیث مرفوع کوئی منقول ہی نہیں، یا یہ فرمایا تھا کہ جو منقول ہے ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے، یا یہ فرمایا تھا کہ ضعیف بھی نہیں بلکہ موضوع ہے۔ انہیں تین صورتوں میں اس اختراعی مطلب پر مرفوع و موقوف کا تفرقہ اور تخصیص کا فائدہ صحیح رہتا مگر ہر ذرا سے فہم والا بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ بہر وجہ علماء پر افترا ہے، علماء نے یہی بتایا ہے کہ اس بارہ میں احادیث مرفوعہ اگرچہ منقول ہیں مگر درجہ صحت پر نہیں بلکہ ضعیف ہیں۔ یہی اس بے معنی منہیہ نے حدیث موقوف میں کہا تو فرق کیا رہا۔ صراحۃً، تخصیص مرفوع باطل کرنے کو تخصیص مرفوع کا مطلب ٹھہرانا جنوں نہیں تو شدید مکاری ڈھٹائی ہے، مکاری نہیں تو سخت جنون و بے عقلی ہے (۲۲) بفرض باطل یہی مطلب سہی مگر یوں بھی کال نہ کٹا، امام الطائفہ گنگوہی صاحب ایمان لا چکے کہ یہاں مقبول ہے۔ اگر ضعیف حدیث اور طائفہ بھر کا دھرم قرون کی تثلیث، پھر حدیث موقوف و ضعیف موجود مان کر، بدعت و بے اصل کہنا کیسا۔

(۲۳) ایک بخاری دیانت یہ دکھائی کہ حدیث سے اس عمل کا طاعت ہونا نہیں نکلتا بلکہ رد سے بچنے کا ایک منتر ہے۔ الحق حیا و ایمان متلازم ہیں۔ یہ اعتراض اگر چل سکتا تو نہ موقوف و ضعیف بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح اگر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہوتا، اسے بھی اڑا دیتا۔ حدیثوں میں تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے، اسے اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے، اور منہیہ کہتا ہے کہ یہ کوئی طاعت ہی نہیں۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جس پر عظیم و جلیل ثواب موعود ہوں وہ سرے سے طاعت ہی نہیں ایک منتر ہے۔

(۲۴) حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، یوں پڑھے:

رضیت باللہ رباً و بالاسلام دیناً و بمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیاً۔ (القاصد الحسنہ، حرف الیم، حدیث ۱۰۲۱، ص ۳۸۴، مطبوعہ بیروت)

حدیث خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے، یوں کہے:

مرحبا بحبی و قرة عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (القاصد الحسنہ ص ۳۸۴) اسی طرح حدیث سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے

چوتھی روایت میں ہے، یوں کہے:

صلی اللہ تعالیٰ علیک یا رسول اللہ قرة عینی بک یا رسول اللہ اللہم متعنی بالسمع والبصر۔ (جامع الرموز، باب الاذان ج ۱ ص ۲۴۵)

پانچویں میں ہے درود پڑھے اور چھٹی میں ہے یوں کہے:

صلی اللہ تعالیٰ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب

قلبی یا نور بصری و یا قرة عینی. (المقاصد الحسنہ ص ۳۸۴)

ساتویں میں ہے یوں کہے:

اللہم احفظ حدقتی و نورهما ببرکۃ حدقتی محمد
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و نورهما. (المقاصد الحسنہ
ص ۳۸۵) منہیہ کے نزدیک یہ اللہ و رسول کے ذکر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم
پر درود، اللہ عزوجل سے دعا کچھ طاعت ہی نہیں، حالانکہ ذکر ہی روح
طاعت ہے اور دعا مغز عبادت اور درود کو مسلمان ایمان کا چین، چین کا
ایمان سمجھتے ہیں اگرچہ منہیہ منتر مانے۔

(۲۵) اس عمل مبارک کے فوائد میں ایک فائدہ جو یہ فرمایا گیا، کہ جو ایسا
کرے گا اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی نہ کبھی اندھا ہو، اس جرم پر وہ ذکر الہی
و درود و دعا سب طاعت سے خارج ہو کر رد کا منتر رہ گئے۔ نام محمد صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم سے اس عداوت کی کوئی حد ہے، صد ہا حدیثیں ہیں جن میں
تلاوت قرآن عظیم و تسبیح و تہلیل و حمد و تکبیر و لا حول و غیرہ اذکار جلیلہ پر منافع
جسمانیہ و دنیاویہ ارشاد ہوئے ہیں، جسے شوق ہو صحاح ستہ و ترغیب و ترہیب
امام منذری و جوامع امام جلیل سیوطی و حسن حصین امام جزری وغیرہ کتب
حدیث مطالعہ کرے۔ منہیہ کے دھرم میں یہ اسلامی ایمانی کلمے اور خود قرآن
عظیم سب منتر ہیں جنہیں طاعت سے کچھ علاقہ نہیں اعوذ باللہ من
الشیطن الرجیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۲۶) اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حکیم سے بڑھ کر حکیم

ہیں، ان کی رعایا میں ہر قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ عالی ہمت کہ اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ و رسول کے لئے یاد کریں، اپنی کوئی منفعت دنیوی تو دنیوی اخروی بھی مقصود رکھیں، یہ خالص مخلص بندے ہیں جن کی بندگی میں کسی ذاتی غرض کی آمیزش نہیں، ان کے لئے وصل ذات ہے جن کو فرمایا: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (پ ۲۱ العنکبوت آیت ۶۹) دوسرے وہ جن کو کسی طمع کی چاشنی ابھارے مگر نفع فانی کے گرویدہ نہیں باقی کی تلاش ہے، قرآن و حدیث میں نعیم جنت کا بیان ان کی نظیر سے ہیں، جن کو فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (پ ۱۱ سورہ التوبہ آیت ۱۱۱)

یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کے نفسوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

تیسرے وہ جن کو نفع عاجل کی امید دلانا زیادہ موید ہے جن کو فرمایا:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلَ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (پ ۲۹ سورہ نوح آیت ۱۰، ۱۱)

تو میں نے ان سے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا۔

اور فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِي يَهْدِي وَيُضِلُّ أَمَّا إِلَهُكُمْ فَهِيَ الْغَائِبَةُ (پ ۲۴ حَم السجده ص ۴۴) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اغزوا تغنموا و صوموا تصحوا و سافروا تستغنوا و فی

حدیث حجوات استغفوا (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲۲، باب اغزوا تغفوا، مصنف عبدالرزاق، باب فضل الحج)

جہاد کرو غنیمت پاؤ گے اور روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے اور حج کرو غنی ہو جاؤ گے۔

روی الاول الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والآخر عند الرزاق عن صفوان بن سلیم مرسلًا ووصلہ فی مسند الفردوس۔

چوتھے ۱۱ پست فطرت، دوں ہمت کہ امید نفع پر بھی نہ سرکیں جب تک تازیانے کا ڈر نہ دلائیں۔ قرآن و حدیث میں عذاب نار کے بیان ان کی نظری سے ہیں، جن کو فرمایا:

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وَ
 إِنَّهُمْ لَيَصَدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ط
 ۲ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمُشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
 الْقَرِينُ وَلَنْ يُنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ إِنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝
 (پ ۲۵ سورہ الزخرف آیت ۳۶-۳۹)

اور جو رحمن کے ذکر سے پہلو تہی کرے گا تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیں گے اور وہ ان کا ساتھی ہو جائے گا۔

۱۔ اور وہ یقیناً ان کو راہ راست سے روکتے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

۲۔ حتیٰ کہ جب وہ ہمارے حضور آئے گا، کہے گا اے کاش میرے اور تیرے

درمیان مشرقین کا بعد ہوتا تو، برا سا تھی ہے۔ اور آج تم کو نفع نہ ہوگا کیونکہ تم نے ظلم کیا ہے، بے شک تم عذاب میں شریک ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم يدع الله غضب عليه. رواه ابن ابی شیبہ فی المصنف عن ابی ہریرۃ و بلفظ من لم یسأل اللہ یعضب علیہ احمد و البخاری فی الادب المفرد و الترمذی و ابن ماجہ و البزار و ابن حبان و الحاکم و صححاه و للعسکری عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی المواعظ بسند حسن عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال قال اللہ تعالیٰ من لا یدعونی اغضب علیہ. اللہم صل و سلم و بارک علیہ و علی آلہ و صحبہ و ابنتہ و حزبہ ابدآمین۔ جو اللہ سے دعا نہیں کرتا، اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ (مصنف ج ۱۰ ص ۲۰۰، ف فضل الدعاء، مطبوعہ کراچی)

صاحب منہیہ اللہ عزوجل کی حکمتوں کو باطل کرنا اور طاعت کو صرف قسم اول میں منحصر کرنا چاہتا اور حدیث و قرآن کے تمام اذکار جنت و نار ترغیب و ترہیب کو لغو و فضول بلکہ اغوا و اضلال بتاتا ہے کہ بندوں کو مقصود سے دور کر کے مترجتر میں لاؤالا و سيعلم الذین ظلموا ایٰیٰ منقلب ینقلبون۔ ترجمہ: عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹ کھائیں گے (۲۷) عوام پر غیظ ہے کہ وہ یہ ذکر خدا اور رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ اعتقاد طاعت کرتے ہیں۔ الحمد للہ، مسلمانوں کے عوام آپ جیسے

خواص سے عقل و فہم و فضل و علم میں بدرجہا زائد ہیں۔ وہ اپنے رب عزوجل کے ذکر و دعا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر و محبت و تعظیم و توسل کو طاعت نہ جانیں تو کیا آپ کی طرح ذکر و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہر حیلہ ممکنہ باطل کرنے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح توہینوں کو عبادت مانیں۔ وہ رد چشم کا عمل ہی سہی، فرض کیجئے ایک شخص اپنی آنکھوں کے علاج کو جالینوس کا شیاپ یا ابن سینا کی سلائی لگاتا ہے اور ایک مسلمان سورہ فاتحہ و آیتہ الکرسی و اسم الہی نور صلاۃ نور سے علاج کرتا ہے، آپ کے دھرم میں دونوں برابر ہیں کہ ایک فعل مباح کر رہے ہیں، طاعت نہ یہ نہ وہ، مگر مسلمان جانتے ہیں کہ کہاں جالینوس و ابن سینا پر بھروسہ اور کہاں کلام اللہ نور ہدی و شفا و اسمائے الہیہ سے توسل و التجاہ ضرور طاعت اور اس کے حسن ایمان کی علامت ہے ولکن النجدیۃ لا یعلمون۔ (لیکن نجدی نہیں سمجھتے) بات یہ ہے کہ وعیدوں یا جسمانی، دنیاوی بلکہ اخروی منفعتوں، ثوابوں کے وعدوں سے بھی حاشا یہ مراد خدا اور رسول نہیں جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ ان وعیدوں سے بچنا یا ان کا منافع ملنا ہی مقصود بالذات بنا کر اسی غرض و نیت سے ذکر خدا و رسول جل جلالہ، و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرو کہ یہ تو قلب موضوع و عکس مقصود ہے۔ جو عبادت جنت کی نیت سے کرے کہ وہی اس کی مقصود بالذات ہو ہرگز عابد خدا نہیں، عابد جنت ہے۔

توریت مقدس سے منقول، اس سے بڑھ کر ظالم کون جو بہشت کی طمع یا دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرے، کیا اگر میں جنت و نار نہ بناتا مستحق عبادت نہ ہوتا، بلکہ اس سے مراد صرف ابھارنا ہے کہ اس طمع و خوف کے لحاظ سے عمل لوجہ اللہ کریں۔ مضرت سے بچنا یا منفعت جسمانی خواہ روحانی، دنیوی

خواہ اخروی کا ملنا مقصود بالغرض ہو جیسے حج میں تجارت، جہاد میں غنیمت، روزے میں صحت، نماز میں کسرت بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے عوام اپنے رب کی مراد سمجھے اور اس عمل میں وہی ان کا مقصود ہوا کہ اپنے رب جل و علا، اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس پر براہ محبت و تعظیم بوسہ دیتے ہیں اور یہ سب قطعاً طاعت و مراد شریعت ہے۔ اس کی برکت، اس کے طفیل، اس کے صدقے سے ہمیں یہ جسمانی فائدہ بھی ملے گا کہ آنکھیں نہ دکھیں گی، اندھے نہ ہوں گے، یہ عین وہی نیت ہے جو شارع کو ایسے وعدوں میں مقصود ہوتی ہے مگر خائب و خاسر، احمق و غادر وہ کہ ایسے وعدوں پھول کر اصل مقصود، خدا اور رسول کو بھول جائے اور ان کے ذکر و تعظیم و محبت کو نرا منتر بتائے نَسُوا اللَّهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ (پ ۲۸ الحشر: ۱۹) والعباد باللہ رب العالمین۔

(۲۸) غنیمت ہے کہ رد کا منتر مان کر منتر کے نام سے وہ محض بوجہ عدم روایات یا ضعف مروی بدعت بدعت کا بھوت تو اترا اور یہ عمل مباح ٹھہر ورنہ عدم ورود پر بدعت و بے اصل ہونے کے جو معنی آپ حضرات کے یہاں ہیں ان کا مصداق کسی طرح مباح نہیں ہو سکتا اگرچہ اعتقاد طاعت نہ ہو۔

(۲۹) یہ تو اوپر گزرا کہ اسی فعل کو، اذان میں ہو خواہ اقامت میں، محض مباح جاننا شریعت گنگوہیہ کے بالکل خلاف ہے کہ اس میں یہ عمل سنت ہے، تو عوام ہی ٹھیک سمجھے اور طاعت کے طاعت اعتقاد کرنے کو بدعت بتا کر تمہیں بدعتی بد مذہب ہوئے اگرچہ دیوبندیت کی معراج ترقی فی المروق من الدین کے بعد بدعت کی کیا گنتی ع

ما علی مثله بعد الخطاء (بعد از خطا اس کی مثل پر کیا لازم آئے)
 مگر یہاں یہ گزارش ہے کہ مباح بمعنی شامل فرض جس طرح امکان
 عام شامل وجوب ہے قطعاً یہاں مراد نہیں ورنہ فرض کو بھی طاعت سمجھنا گمراہی
 و بدعت ہو، لاجرم مباح بمعنی مساوی الطرفین نظیر امکان خاص مراد ہے، یعنی
 وہ فعل کہ محمود نہ مذموم۔ آپ نے اسے رد چشم کا مترینا کر ایسا ہی مباح
 سمجھا اور یہ شریعت گنگوہیہ سے کفر ہے۔ عالی جناب گنگوہی صاحب کے
 دھرم میں کوئی فعل ایسا مباح نہیں، اسی ص ۲۸ پر بولتے ہیں ”جس کے
 جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہو یا
 نہ ہو وہ سب سنت ہے، اور جس کے جواز کی دلیل نہیں خواہ ان قرون
 میں بوجود خارجی ہو یا نہ ہو سب بدعت ضلالت ہے۔“

ظاہر ہے کہ کوئی فعل ہو یا اس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہوگی یا
 نہیں، تیسری شق ناممکن ہے کہ یہ حصر عقلی دائرین الہی، والا ثبات ہے
 اور گنگوہی صاحب دو کلیہ دے گئے کہ شق اول کے سب سنت ہیں اور شق دوم
 کے سب ضلالت۔ اب وہ کون سا رہا کہ دونوں سے خارج ہو کر نرا مباح ہو
 بلکہ نہ ایک مباح کہ مکروہ تنزیہی و خلاف اولیٰ و مستحب یہ سب احکام شرعیہ
 یکسر اڑ گئے۔ یہ ہے وہ گنگوہی شریعت کا وہ تازہ جوہر جس پر ص ۲۹ میں یہ
 تاز ہیں کہ ”اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے، اس عاجز کو اپنے
 اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورتاً
 رکھتا ہوں“

کیا نفیس جوہر ہے کہ ادھر تو شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

آدھے احکام اڑ گئے ادھر آدھی وہابیت اپنا جوہر کر گئی، جس کا بیان منیر العین افادہ مذکور میں ہے۔ منیر العین نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر بھی تنبیہ نہ ہوا اور کیوں ہوتا کہ حضور اقدس عالم ماکان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح حدیث، صحیح بخاری شریف میں فرما چکے ہیں۔ ثم لا یعودون۔

(۳۰) مباح کا اعتقاد طاعت سے بدعت ہو جانا اگر اس سے یہ مراد کہ جو شے مباح محض ہے، جس کے فعل و ترک دونوں شرعاً مساوی، اسے فی نفسہ مامور بہ و مطلوب شرع اعتقاد کر دینا اسے بدعت کر دیتا ہے تو منہیہ والے کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ فعل مساوی الطرفین ہے اور عام عوام فی نفسہ اس کو مامور بہ یا مطلوب من جہت الشرع اعتقاد کرتے ہیں۔ اب یہاں وہ علم غیب کا مسئلہ جانگزائے اہل منہیہ ہوگا جو ہمارے سائل فاضل سلمہ نے ایراد کیا۔ اور اگر یہ مراد کہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے بدعت کر دیتا ہے تو شریعت مطہرہ پر محض افترا ہے بلکہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے قربت کر دیتا ہے اور ہر قربت طاعت ہے، تو اس میں اعتقاد طاعت ضرور حق اور اسے بدعت بتانا جہل مطلق، اشباہ والنظائر (ج ۱ ص ۳۲) میں ہے۔

اما المباحات فتختلف صفتها باعتبار ما قصدت لا جله

فاذا قصد به التقویٰ علی الطاعات او التوسل الیہا کانت عبادۃ اور مباحات تو ان کی صفت نیت کے لحاظ سے بدل جاتی ہے، تو اگر اس سے تقویٰ مراد ہے، اور نیکیوں کی طرف توسل مقصود تو یہ عبادت ہوگی۔ غزالیون (ج ۱ ص ۳۲) میں ہے، کل قرۃ طاعة ولا تنعکس، یہ اس ڈیڑھ سطری منہیہ پر تلک عشرۃ کاملۃ ہیں۔

بالجملہ منکرین کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ادعائے بے دلیل سے بدتر کوئی شے ذلیل نہیں۔ دربارہ اذان تو احادیث وارد اور اس کا استحباب کتب فقہ میں مصرح تو انکار نہیں مگر جہل مبین اور دربارہ اقامت اگر درود نہیں کہیں منع بھی نہیں اور بے منع شرعی منع کرنا ظلم نہیں۔ ادنیٰ درجہ منع کراہت ہے اور کراہت کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیل شرعی ادعائے منع شریعت پر افتراء و تہمت ہے۔

ردالمحتار جلد ۱ ص ۶۸۳

ويلزم منه ان يكون مكروهاً إلاّ بنهي خاص لان الكراهة

حكم شرعى فلا بدله من دليل

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکروہ ہو۔ ہاں جب خاص نہی تو مکروہ ہوگا کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اور حکم شرعی کے لئے دلیل چاہیئے۔

بحر الرائق، باب العیدین جلد ۲ ص ۱۷۶ ”لا يلزم من ترك

المستحب ثبوت الكراهة اذا لا بدلها من دليل خاص و ہابیہ کی

جہالت کہ جواز کے لئے ورود خاص مانگیں اور منع کے لئے دلیل خاص کی کچھ

حاجت نہ جانیں، اس اوندھی الٹی عقل کا کیا ٹھکانا۔ مگر علت وہی شریعت

مطہرہ پر افتراء، ردالمحتار کتاب الاثریہ جلد ۵ ص ۲۵۵ لیس الاحتیاط

فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة او الکراهة الذین لا

بدلہما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ الیٰہی الاصل۔ (ترجمہ:

احتیاط نہیں کرتے اللہ تعالیٰ پر افتراء میں حرمت و کراہت ثابت کرنے میں

جن کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے، البتہ اباحت کا قول کرنے میں احتیاط

کرنے میں جو کہ اصل ہے) ظاہر ہے کہ نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا عرفادلیل تعظیم و محبت ہے اور امور ادب میں قطعاً عرف کا اعتبار۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدير (ج ۱ ص ۲۴۹، باب صفة الصلوة) میں فرماتے ہیں:

”یحال علی المعهود حال قصد التعظیم، (تعظیم مقصود ہونے کے وقت اسے عرف پر محمول کیا جائے گا) اور تعظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً مامور بہ قال اللہ تعالیٰ لتؤمنوا باللہ ورسولہ و تعزروہ و توقروہ (پ ۲۶ الفتح: ۹) اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا، جب تک کسی خاص فرد سے منع شرعی نہ ثابت ہو جیسے سجدہ زیادات۔ امام عتابی پھر جامع الرموز پھر رد المحتار جلد ۵ ص ۳۷۹ میں ہے۔ ان المطلق یجری علی اطلاقہ الا اذا قام دلیل التقدینصا او دلالة فاحفظہ فانہ للفقیہ ضروری۔ (ترجمہ: مطلق اپنے اطلاق پر ہی رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ جب تقید پر کوئی صراحۃً یا دلالت دلیل قائم ہو، اسے اچھی طرح ملحوظ کر لو۔ کیونکہ یہ فقیہ کیلئے ضروری قاعدہ ہے۔) مگر ہے یہ کہ اشقیاء کے نزدیک تعظیم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً شرک و ظلم ہے۔ شریعت نے برخلاف قیاس بعض مواضع میں خدا جانے کس ضرورت سے ناچاری کو مقرر کر دی ہے لہذا مورد پر مقتصر رہے گی، باقی اسی اصل حکم پر شرک و بدعت و حرام ٹھہرے گی، فلہذا جہاں وارد ہوئی خدا کا دھراسر پر قہر درویش بجان درویش ماننی پڑی، وہ بھی فقط ظاہراً نہ دل سے، جیسے التحیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غائبانہ ندا کرنے کا شریعت نے حکم دیا، خدا جانے شریعت کو کیا ہو گیا تھا

کہ عین نماز میں یہ غیر خدا کی تعظیم اور اس پر دور و نزدیک سے پکارنا رکھ دیا
خیر قہراً جبراً التحیات کے لفظ تو پڑھ لو مگر انشائے معنی کا ارادہ نہ کرنا، وہ دیکھو
امام الطائفہ اسماعیل دہلوی صراط مستقیم حکم لگا رہے ہیں: کہ صرف ہمت در نماز
بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ
بدتر است از استغراق در خیال گاؤ و خر خود آلی آخر الکلمۃ الملعونۃ لعن اللہ
قانکھا و قابلہا۔

ترجمہ: ”نماز میں اپنے شیخ یا بزرگوں میں سے کسی دوسرے بزرگ حتی کہ
رسالت مآب ﷺ کی طرف توجہ صرف کرنا اپنے گدھے اور بیل کے خیال
میں مستغرق ہو جانے سے کئی درجے بدتر ہے۔“ آخر کلام ملعون تک، اللہ
تعالیٰ اس کلام کے قائل اور قبول کرنے والے کو اپنی رحمت سے دور رکھے۔
ولہذا وہابیہ تصریح کرتے ہیں کہ تشہد میں السلام علیک ایہا
النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے حکایت لفظ کا ارادہ کرے، قصد معنی نہ
کرے، تصریح کرتے ہیں کہ دور سے یا رسول اللہ کہنا شرک ہے، مگر بحمد اللہ
تعالیٰ مسلمانوں کے ایمان، میں تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عین
ایمان ایمان کی جان ہے، اور علی الاطلاق مطلوب شرع تو جو کچھ بھی جس
طرح بھی جس وقت بھی جب کبھی، اور جس جگہ بھی، تعظیم اقدس کے لئے بجا
لائے خواہ بعینہ منقول ہو یا نہ ہو، سب جائز و مندوب و مستحب و مرغوب و
مطلوب و پسندیدہ و خوب ہے جب تک اس خاص سے نہ آئی، جب تک
اس خاص میں کوئی حرج شرعی نہ ہو، وہ سب اس اطلاق ارشاد الہی، تعزودہ
و توفروہ میں داخل اور امثال حکم الہی کا فضل جلیل اسے شامل ہے، ولہذا
آئمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ جس قدر ادب و تعظیم حبیب رب

العالمین جل جلالہ، و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں زیادہ مداخلت رکھے اسی قدر زیادہ خوب ہے۔

فتح القدر امام محقق علی الاطلاق و منک و متوسط و قنای عالمگیر یہ وغیرہا میں ہے۔

کل ما کان ادخل من الادب والاجلال کان حسنا

(جس قدر بھی ادب و تعظیم میں کامل ہوا تھا ہی زیادہ اچھا ہے۔)

امام ابن حجر مکی، جوہر منظم (الفصل اول ص ۱۲) میں فرماتے ہیں:

تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بجميع انواع

التعظیم التي ليس فيها مشاركة الله تعالى في الألوهية امر مستحسن عنده من نور الله ابصارهم.

وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کا نور عطا فرمایا ہے وہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تمام اقسام و صورتوں کو امر مستحسن تصور کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہرگز باری تعالیٰ کے ساتھ شرکت کا کوئی پہلو نہیں۔

تو مسلمان اگر وقت اقامت بھی تقبیل کرے، ہرگز کوئی وجہ ممانعت

نہیں، اور اسے شرعاً ناجائز نہ کہے گا مگر وہ کہ شرع پر افترا کرتا یا نام و اکرام

سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام سے جلتا ہے۔ اسی طرح نماز و استماع قرآن

مجید و استماع خطبہ جن پر حرکت منع ہے اور ان کے امثال مواضع لزوم و مخدور

کے سوا جہاں کہیں بھی یہ فعل بہ نظر تعظیم و محبت حضرت رسالت علیہ افضل

الصلاۃ والتحیۃ ہو، جیسا کہ بعض مجاہدان سرکار سے مشہور ہے، بہر حال محبوب و

محمود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ، اتم و اعلم۔

الفقیہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمد المصطفیٰ النبی الامی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتاب ما خذ

نام مصنف

نام کتاب

- (۱) جامع الرموز
 - (۲) طحاوی شرح مراقی الفلاح
 - (۳) اعانۃ الطالبین
 - (۴) کفایت الطالب الرمانی
 - (۵) فتاویٰ شامی
 - (۶) عقود الدریہ
 - (۷) اربعین
 - (۸) مسند الفردوس
 - (۹) کنز العباد
 - (۱۰) براہین قاطعہ
 - (۱۱) فتح القدیر
 - (۱۲) فتح اللہ لمعین
 - (۱۳) مصنف
 - (۱۴) الاشباہ والنظائر
 - (۱۵) غز العیون
- ابوزید قیروانی
- ابوزکریا نووی
- ابن ابی شیبہ
حموی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قمر التمام فی نفی الظلّ عن سید الانام

حضور کے بعض
قصائد کا تذکرہ
اور سایہ نہ ہونے کا ذکر

تصنیف لطیف

احمد رضا خاں
ابن سنت مجدد المذہب دین و ملت
مفت اعظم پاکستان

تقدیم

حضور پر نور علیہ السلام کو قرآن نے نور کہا ہے۔ امت مسلمہ کے عقیدے کے مطابق آپ نور ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو سراپا معجزہ بنایا تھا، آپ کی ذات سے کچھ احوال و کیفیات بشریت کے تقاضوں کے مطابق سرزد ہوتے تھے اور کچھ نورانیت کے تقاضوں کے مطابق، آپ کا سایہ نہ ہونا، یہ آپ کی نورانیت کی وجہ سے تھا۔

احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ آپ کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں تھا اور نہ ماہتاب کی روشنی میں۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم و تقویٰ کو سب ہی مانتے ہیں، آپ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ”سایہ، سایہ والی چیز سے لطیف ہوا کرتا ہے اور اللہ نے عالم خلق بلکہ عالم امر میں بھی کوئی مخلوق آپ سے زائد لطیف نہیں پیدا کی تو پھر آپ کا سایہ کیونکر ہو سکتا تھا۔“ اس مسئلے کی توضیح و تشریح رسالہ نفی الہی میں کی جا چکی ہے، مزید صراحت کے لئے ”قمر التمام“ کا مطالعہ فرمائیں جو اسی مسئلے سے متعلق ہے۔

مرتب



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

وَمِنَ اللّٰهِ تَوْفِیْقُ الصّٰدِقِ وَالصّٰوَابِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی السَّرَاجِ الْمُنِیْرِ الشَّارِقِ وَالْقَمَرِ الزَّاهِرِ الْبَارِقِ وَعَلٰی اِلٰهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ

بے شک اس مہر سپہر اصطفاء، ماہ منیر اجتہاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا۔ اور یہ امر احادیث و اقوال آئمہ کرام سے ثابت، اکابر آئمہ و علماء فضلاء کہ آج کل کے مدعیان خام کار کو ان کی شاگردی بلکہ ان کے کلام کے سمجھنے کی لیاقت نہیں، خلفاء، سلفاً دائماً اپنی تصانیف میں اس معنی کی تصریح فرماتے آئے اور اس پر دلائل باہرہ و حجج قاہرہ قائم جن پر مفتی عقل و قاضی نقل نے باہم اتفاق کر کے ان کی تائیس و تشہید کی۔ آج تک کسی عالم دین سے اس کا انکار منقول نہ ہوا، یہاں تک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین میں ابتداء اور نیامذہب اختراع اور ہوائے نفس کا اتباع کیا اور بہ سبب اس سوء رنجس کے جو ان کے دلوں میں اس رؤف رحیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تھی، ان کے محو فضائل و رد معجزات کی فکر میں پڑے، حتیٰ کہ معجزہ شق القمر جو بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ بلکہ خود قرآن عظیم و وحی حکیم

کی شہادت تھ اور اہل سنت و جماعت کے اجماع سے ثابت، ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا۔ فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگواروں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی یا دنیاوی سمجھا ہے۔

اے عزیز، ایمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط ہے، جو ان سے محبت نہیں رکھتا واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام تک نہ آئی۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (مشکوٰۃ کتاب الایمان پہلی فصل)

ترجمہ: تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک میں اس کے ماں باپ اور اولاد، سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل و نکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے اور جو بات اس کی خوبی و تعریف کی سنتا ہے، کیسی خوشی و طیب خاطر سے اظہار کرتا ہے۔ نئی فضیلتوں کا میٹنا اور شام و سحر نفی اوصاف کی فکر میں رہنا کام دشمن کا نہ دوست کا۔ جانِ برادر تو نے کبھی سنا ہے، کہ جس شخص کو تجھ سے الفت صادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چپیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے، اور پھر محبوب بھی کیسا جانِ ایمان و کانِ احسان، جس کے جمال جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا۔

۱۔ منحصر ہے ۲۔ ناک

اور خامہ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا۔ کیسا محبوب جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھا لیا۔ کیسا محبوب جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو و لعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لئے شب و روز گریاں و طول، شب کہ اللہ جل جلالہ، نے آسائش کے لئے بنائی۔ اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہیں، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے۔ ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھٹکتا ہے۔ بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بیوا ہے اس کے بھی پاؤں دو گز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک دامان، عصمت پناہ اپنی راحت و آسائش کو چھوڑ، خواب و آرام سے منہ موڑ، جبین نیاز آستانہ، عزت پر رکھے ہے کہ الہی میری امت سیاہ کار ہے درگزر فرما اور ان کے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا۔ جب ۱۱ جان راحت کان رافت پیدا ہوا، بارگاہ الہی میں سجدہ کیا، اور رَبِّ هَبْ لِيْ اَمْتِيْ فرمایا۔ جب قبر شریف میں اتارا، لب جان بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ، نے کان لگا کر سنا۔ آہستہ آہستہ امتی فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں۔ حساب کا دغدغہ، ملک قہار کا سامنا۔ عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا۔ مجرمان بے یار دام آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوا نفسی نفسی اذہبوا الیٰ غیر کی کچھ جواب نہ پائیں گے۔ اس وقت یہی محبوب غمگسار کام آئے گا۔ قفل شفاعت اس کے

زور بازو سے کھل جائے گا۔ عمامہ سراقدس سے اتاریں گے، اور سر بسجود ہو کر ”اُمّتی“ فرمائیں گے۔ وائے بے انصافی، ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور اس کی مدح و ستائش و نشر فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور اس روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے۔ مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حسن پسند یا احسان دوست، مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانے، اس کی مخالفت کیجئے تو کوئی مضرت نہ پہنچے، اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات میسر، نہ دنیا و عقبیٰ میں کہیں ٹھکانا متصور، پھر اگر اس کے حسن و احسان پر والہ و شیدا نہ ہو تو اپنے نفع و ضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو۔

اے عزیز، چشم خرد میں سرمہ انصاف لگا۔ اور گوش قبول سے پدبہ نکال۔ پھر تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب و ملت کے عقلاء سے پوچھتا پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے، اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، آیا نشر فضائل و تکثیر مدائح اور ان کی خوبی سن کر باغ باغ ہو جانا، جاے میں پھولا نہ سانا، یار و محاسن، نفی کمالات اور ان کے اوصاف حمیدہ سے بہ انکار و تکذیب پیش آنا۔ اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضی، نہ یہ غلامی کے خلاف ہے تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا اور رسول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے میٹھے نہ ملیں گی۔

جانِ برادر، اپنے ایمان پر رحم کر۔ خدائے قہار جبار جل جلالہ، سے لڑائی نہ باندھ۔ وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں لکھ چکا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ: یعنی ارشاد ہوتا ہے، اے محبوب ہمارے ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمہارا بھی جہ چاہے ہوگا، اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا۔ آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نام نامی سے گونجیں گے، مؤذن اذانوں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس میں اور واعظین اپنے منابر پر، ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے۔ اشجار و احجار، آہو و سوسار و دیگر جاندار و اطفال شیر خوار و معبودان کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے ویسا ہی بہ زبان فصیح و بیان صحیح تمہارا منشور رسالت پڑھ کر سنائیں گے۔ چار اکناف عالم میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا غلغلہ ہوگا۔ جزا شقیائے ازل ہر ذرہ کلمہ شہادت پڑھتا ہوگا۔ مُسَبِّحَانِ مُلَاءِ اَعْلٰی کو ادھر اپنی تسبیح و تقدیس میں مصروف کروں گا، ادھر تمہارے محمود درود مسعود کا حکم دوں گا۔ عرش و کرسی ہفت آسمان اور اق سدرہ، قصور جنان جہاں اللہ لکھوں گا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ بھی تحریر فرماؤں گا۔ اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں۔ جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح و ستائش اور جمال صورت و کمال سیرت ایسی تشریح و توضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی۔ ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہو کر تمہاری تنقیص شان اور محو فضائل میں مشغول ہو تو میں قادر مطلق ہوں۔ میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا۔ آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صد ہا برس سے اپنی کتابوں سے ان

کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں تو اہل ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے، بیساختہ کلمہ شہادت پکارے اٹھے، لاکھوں بے دینوں نے ان کے محو فضائل پر کمر باندھی مگر میٹنے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بہ روز مترقی رہی، پھر ایسے مقصود سے تو یاس و ناامیدی کر لینا مناسب ہے، ورنہ برپ کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، بالآخر ایک دن تو نہیں تیرا ایمان نہیں۔

اے عزیز، سلف صالح کی روش اختیار کر اور ان کے قدم پر قدم رکھ، آئمہ دین کا وطیرہ ایسے معاملات میں دائماً تسلیم و قبول رہا ہے، جب کسی ثقہ معتمد علیہ نے کوئی معجزہ یا خاصہ ذکر کر دیا اسے مرحبا کہہ کر لیا اور حبیب جان میں بہ طیب خاطر جگہ دی۔ یہاں تک کہ اگر اپنے آپ احادیث میں اس کی اصل نہ پائی قصور اپنی نظر کا جانا، یہ کبھی نہ کہا کہ غلط ہے، باطل ہے، کسی حدیث میں وارد نہیں، نہ یہ ہوا کہ جب حدیث سے ثبوت نہ ملا تھا اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس ثقہ کے اعتماد پر اسے لکھتے آئے اور کیوں نہ ہو۔ مقتضی عقل سلیم کا یہی ہے کہ

فائدہ جلیلہ: جب ہم اسے ثقہ معتمد علیہ مان چکے اور وقوع ایسے معجزے کا یا اختصاص ایسے خاصہ کا ذات پاک سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعید نہیں کہ اس سے عجیب تر معجزات بہ تواتر حضور سے ثابت اور ان کا رب اس سے زیادہ پر قادر اور ان کے لئے اس سے بہتر خصائص بالقطع مہیا اور ان کی شان اس سے بھی ارفع و اعلیٰ، پھر انکار کی وجہ کیا ہے، تکذیب میں تو اس راوی سے ثقہ معتمد

علیہ ہونا ثابت ہو چکا اور وثوق و اعتماد اس کا بتاتا ہے، کہ
اگر من عند نفس کہہ دیتا خدا اور رسول پر مفتری ہوتا وَمَنْ
اَظْلَمَ مِنْ اِفْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا، ان وجوہ پر نظر کر
کے سمجھ لیجئے، کہ بالضرور اس نے حدیث پائی گو ہماری
نظر میں نہ آئی۔ ہر چند کہ فقیر کا یہ دعویٰ اس شخص کے
نزدیک بالکل بدیہی ہے جو خدمت حدیث و سیر میں رہا
اور اس راہ میں روش علماء کو مشاہدہ کیا۔ مگر نادانوں کے
افہام اور منکروں پر الزام کے لئے چند مثالیں بیان کرتا
ہوں۔

اولاً: جسم اقدس و لباس انفس پر مکھی نہ بیٹھنا، علامہ ابن سبع نے خصائص
میں ذکر فرمایا۔ علمائے نے تصریح کی، اس کا راوی معلوم نہ ہوا۔ اور باوجود
اس کے بلا تکیر اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرماتے آئے۔ شغائے قاضی عیاض
رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

كَانَ الذُّبَابُ لَا يَقَعُ عَلَى جَسَدِهِ وَلَا ثِيَابِهِ
مکھی آپ کے جسم اقدس اور لباس اطہر پر نہیں بیٹھتی تھی۔
امام علامہ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں:

بَابُ ذِكْرِ الْقَاضِي عِيَّاضٍ فِي الشِّفَا وَالْعِرَاقِي فِي مَوْلَدِهِ اِنَّ
مِنْ خَصَائِصِهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ لَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ
الذُّبَابُ وَ ذَكَرَهُ ابْنُ السَّبْعِ فِي الْخَصَائِصِ بِلَفْظِ اَنَّهُ لَمْ يَقَعْ عَلَى
ثِيَابِهِ ذُبَابٌ قَطُّ وَ زَادَ اَنَّ مِنْ خَصَائِصِهِ اَنَّ الْقُمَّلَ لَمْ يَكُنْ يُؤْذِيهِ

قاضی عیاض نے شفا میں اور عراقی نے اپنے مولد میں ذکر کیا کہ حضور کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مکھی آپ پر نہ بیٹھتی تھی۔

ابن سبع نے خصائص میں ان لفظوں سے ذکر کیا کہ آپ کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور یہ بھی زیادہ کیا کہ جوئیں آپ کو نہیں ستاتی تھیں۔
شیخ ملا علی قاری شرح شمائل ترمذی میں فرماتے ہیں:

وَنَقَلَ الْفَخْرُ الرَّازِيُّ أَنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى ثِيَابِهِ وَأَنَّ الْبَعُوضَ لَا يَمْتَصُّ دَمَهُ

رازی نے نقل کیا کہ مکھیاں آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھیں اور مچھر آپ کا خون نہیں چوستے تھے۔

علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں علماء کا وہ قول کہ اس کا راوی نہ معلوم ہوا، نقل کیا اور اس خاصہ کی نسبت لکھا کہ ایک کرامت ہے کہ حق سبحانہ، تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا کی اور اپنے نتائج افکار سے ایک رباعی لکھی کہ اس میں بھی اس خاصہ کی تصریح ہے، اور بعض علمائے عجم نے اسی بنا پر کلمہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کے سب حروف بے نقطہ ہوتے ہیں، ایک لطیفہ لکھا کہ آپ کے جسم مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی لہذا یہ کلمہ پاک کلی نقطوں سے محفوظ رہا کہ وہ شبیبہ مکھیوں کے ہیں۔ پھر اسی مضمون پر دوسری عبارت:

عبارتہ برمتہ و من دلائل نبوتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ان الذباب کان لا يقع علی ثیابہ هذا مما قالہ ابن الا فہم قالوا لا یعلم من روی هذه والذباب و احده ذبابة قيل انه سمی به لانه كلما اب ای كلما طرد رجع ومما اكرمه الله به لانه طهر الله

وهو مع استقذاره قد يحيى من مستقذر قيل و قد نقل مثلها عن
ولى الله العارف به الشيخ عبدالقادر الجيلانى ولا بعد فيه لان
معجزات الانبياء قد تكون كرامة لاولياء امته وفى رباعية لى م

من اكرم مرسل عظيم صلا

لم تدن ذبابة اذا ما خلا

هذا عجب ولم يذق

فى الموجودات من حلاه اصلاً

و تصرف بعض علماء العجم فقال محمد رسول الله ليس فيه
نقطة لان النقط تشبه الذباب عن اسمه و نعتہ كما قلت فى مدحه
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

لقد ذب الذباب فليس يعلمو

رسول الله محمود محمد

و نقطاً الحرف يحكيه بشكل

لذا كالحظ عنه عن قد تجرد

ان کی مکمل عبارت یہ ہے، آپ کے دلائل نبوت سے یہ بھی ہے کہ
مکھی آپ کے نہ تو ظاہری جسم پر بیٹھتی تھی اور نہ لباس پر، یہ ابن فہم نے کہا،
محدثین نے کہا کہ اس کا براوی معلوم نہیں۔ ذباب کا واحد ذبابہ ہے، کہتے
ہیں اس کا یہ نام اس لئے ہے کہ اس کو جب بھی بھگایا جاتا ہے واپس آ جاتی
ہے، یہ کرامت آپ کو اس لئے عطا ہوئی کہ اللہ نے آپ کو پاک رکھا
تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے

اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز نبی کا معجزہ ہوتی ہے وہ بطور کرامت ولی کے ہاتھ سے سرزد ہو جاتی ہے۔ اور میں نے (خفاجی) ایک رباعی کہی ہے:

آپ بزرگ ترین رسول ہیں، آپ پر بڑی رحمتیں نازل ہوں، جب آپ تنہائی میں جاتے ہیں تو کوئی مکھی آپ کے قریب تک نہیں آتی۔ یہ عجیب بات ہے کہ مخلوق میں کسی نے آپ کی مٹھاس کو نہ چکھا۔

اور بعض عجمی علماء نے کہا کہ محمد رسول اللہ میں کوئی نقطہ نہیں ہے اس لئے کہ نقطہ مکھی کے مشابہ ہوتا ہے۔ عیب سے بچانے کے لئے اور آپ کی تعریف کے لئے میں نے آپ کی مدح میں کہا ہے:

بلاشبہ اللہ نے مکھیوں کو آپ سے دور کر دیا تو آپ پر مکھی نہیں بیٹھتی ہے۔ اللہ کے رسول محمود و محمد ہیں اور حروف کے نقطے جو شکل میں مکھی کی طرح ہیں ان سے بھی اللہ نے اس لئے آپ کو محفوظ رکھا۔

ثانیاً: ابن سبع نے حضور کے خصائص میں کہا، جوں آپ کو ایذا نہ دیتی۔ علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس طرح ابن سبع سے نقل کیا اور برقرار رکھا کما مر اور ملا علی قاری شرح شمائل میں فرماتے ہیں: ومن خواصہ ان ثوبہ لم یقل اور:

ثالثاً: ابن سبع نے فرمایا: جس جانور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوار ہوتے عمر بھر دیباہی رہتا اور حضور کی برکت سے بوڑھا نہ ہوتا۔ علامہ سیوطی خصائص میں فرماتے ہیں:

باب: قال ابن سبع من خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم ان کل دابة ركبها بقيت على القدر الذي كانت عليه
ابن سبع نے کہا کہ آپ کے خصائص میں سے یہ تھا، کہ آپ جس
جانور پر سو رہتے تو وہ عمر بھر ویسا ہی رہتا۔

رابعاً۔ امام عبد الرحمن بن مغلہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر اعیان
نامہ ثالثہ سے ہیں، حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا روشنی میں دیکھتے ویسا ہی تاریکی میں۔ اس حدیث کو
بیہقی نے موصولاً مسند روایت کی اور علامہ خفاجی نے اکابر علماء مثل ابن
بشکوال و عقیلی و ابن جوزی و سہیلی سے اس کی تضعیف نقل کی یہاں تک کہ
ذہبی نے تو ”میزان الاعتدال“ میں موضوع ہی کہہ دیا۔ بہ ایں ہمہ خود علامہ
خفاجی فرماتے ہیں جیسا بنی بن مغلہ و غیرہ ثقات نے اسے ذکر کیا۔ اور حضور
والا کی شان سے بعید نہیں تو اس کا انکار کس وجہ سے کیا جائے:

وهذا نصه ملقطاً و حکى بقى بن مغلہ ابو عبد الرحمن
القرطبی مولده فی رمضان سنة احدى و مائتين و توفي سنة ست
و سبعين و مائتين عن عائشه رضی اللہ تعالیٰ عنہا انها قالت کان
النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یری فی الظلمة و فی روایتہ کما
یری فی النور ولا شک انه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان کامل
الخلق قوی السحواس فوقوع مثل هذا منه غیر بعید و قد رواه
الثقات فلا وجه لا نکاره.

بنی بن مغلہ ابو عبد الرحمن قرطبی نے کہا (رمضان ۲۰۱ھ تا ۲۷۶ھ)
عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تاریکی میں دیکھا کرتے تھے، اور ایک روایت میں ہے۔ ”جس طرح کہ روشنی میں دیکھتے تھے۔“ اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل الخلق قوی الحواس تھے تو آپ سے اس کیفیت کا وقوع بعید نہیں پھر اس کو ثقات نے روایت کیا ہے لہذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

خامساً. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس سب سے زیادہ یہ ہے کہ باوجود حدیث کے شدید الضعف وغیر متماسک ہونے کے احیاء والدین، وسعت و قدرت و عظمت شان رسالت پناہی پر نظر کر کے گردن تسلیم جھکائی اور سوا سلما و صدقا کچھ بن نہ آئی۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہوا، حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب عقبہ حجون پر گزر ہوا، حضور اشکبار و رنجیدہ و مغموم ہوئے، پھر تشریف لے گئے، جب لوٹ کر آئے چہرہ بٹاش تھا اور لب تبسم ریز۔ میں نے سبب پوچھا۔ فرمایا، میں اپنی ماں کی قبر پر گیا، اور خدا سے کیا کہ انھیں زندہ کر دے، وہ قبول ہوئی اور وہ زندہ ہو کر ایمان لائیں اور پھر قبر میں آرام کیا۔

اخرج الخطیب عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت حج بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقبۃ الحجون وهو حزین مغتم ثم ذهب و عاد و هو فرح متبسم فسألتہ فقال ذهب الی قبر امنی فسألت اللہ ان یحییہا فآمنت بی الیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے ہمراہ حج کیا، جب عقبہ حجون پر پہنچے تو رو رہے

تھے اور غمگین تھے، پھر آپ کہیں تشریف لے گئے جب واپس آئے تو سرور تھے اور تبسم فرما رہے تھے، فرماتی ہیں میں نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا، میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا، اس نے ان کو زندہ کیا، وہ ایمان لائیں اور پھر انتقال فرما گئیں۔

امام جلال الدین سیوطی خصائص میں فرماتے ہیں، اس کی سند میں مجاہیل ہیں اور سہیلی نے ام المومنین سے احیائے والدین ذکر کر کے کہا، اس کے اسناد میں مجہولین ہیں اور حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض، فقہی مجمع بخار الانوار روح احیاء ابوی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتیٰ امنا بہ قال فی اسنادہ مجاہیل و انہ ح منکر جد ايعارضہ ما ثبت فی الصحيح۔ بایں ہمہ اسی مجمع البحار میں لکھتے ہیں:

لے وفي المقاصد الحسنة وما احسن ما قال۔۔

لِلنَّبِيِّ مَزِيدُ فَضْلٍ عَلٰی فَضْلٍ وَ كَانْ بِهٖ رَوْفًا

فَاحْيِ اُمَّهٖ وَ كَذَا اَبَاهُ لَا يَمَانْ بِهٖ فَضْلًا لَطِيفًا

لنعلم فانقديم بذنا قدير و ان كان الحديث به ضعيفا
حاصل یہ کہ مقاصد میں ہے اور کیا خوب کہا، خدا نے نبی کو فضل پر
فضل زیادہ عطا فرمائے اور ان پر نہایت مہربان تھا، پس ان کے والدین کو
ان پر ایمان لانے کے لئے زعمہ کیا، اپنے فضل لطیف سے ہم تسلیم کرتے

لے نبی کے لئے فضیلت بالائے فضیلت ہے اور اللہ آپ پر مہربان تھا۔ اس نے
آپ کے والدین کو زعمہ کیا تاکہ وہ آپ پر ایمان لا کر فضیلت حاصل کریں،
تاکہ ہم جان لیں، اللہ اس پر قادر ہے۔ اگرچہ روایت اس سلسلے میں ضعیف ہے۔

ہیں کہ قدیم تو اس پر قدرت رکھتا ہے، اگرچہ جو حدیث اس معنی میں وارد ہوئی ضعیف ہے۔

اے عزیز، سنا تو نے یہ ہے طریقہ اراکین دین متین و اساطین شرع متین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت میں، نہ یہ کہ جو معجزہ و خاصہ حضور کا احادیث صحیحہ سے ثابت اور اکابر علماء برابر اپنی تصانیف معتبرہ مستندہ میں جن کا اعتبار و استناد آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے، بلا تکبر و منکر اس کی تصریح کرتے آئے ہوں اور اس کے ساتھ عقل سلیم نے ان پر وہ دلائل ساطعہ قائم کی ہوں جن پر کوئی حرف نہ رکھ سکے بائیں ہمہ اس سے انکار کیجئے اور حق ثابت کے رد پر اصرار حالانکہ نہ ان حدیثوں میں کوئی سقم مقبول و جرح معقول میدارد نہ ان آئمہ کے مستند با دلائل معتمد ہونے میں کلام کر سکو، پھر اس مکابرہ کج بخشی اور تحکم و زبردستی کا کیا علاج، زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے، چاہے دن کو رات کہہ دے یا شمس کو ظلمات، آخر تم جو انکار کرتے ہو تو تمہارے پاس بھی کوئی دلیل ہے، یا فقط اپنے منہ سے کہہ دینا۔ اگر بفرض محال جو حدیثیں اس باب میں وارد ہوئیں، نا معتبر ہوں اور جن جن علماء نے اس کی تصریح فرمائی انھیں بھی قابل اعتماد نہ مانو اور جو دلائل قاطعہ اس پر قائم ہوں، وہ بھی صالح التفات نہ کھی جائیں تاہم انکار کا کیا ثبوت اور وجود سایہ کا کس پر، اگر کوئی حدیث اس بارے میں آئی ہو تو دکھاؤ یا گھر بیٹھے تمہیں الہام ہوا ہو تو بتاؤ، مجرد ما دمن پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک
وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف و احسن، وہ انسان ہیں

مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار درجہ الطف، وہ خود فرماتے ہیں۔ لَسْتُ كَمِثْلِكُمْ، میں تم جیسا نہیں، رواہ الشيخان و یروی لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، میں تمہاری ہیئت پر نہیں و یروی اَيْكُم مِثْلِي، تم میں کون مجھ جیسا ہے، آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا، آپ کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونا منافی نہیں کہ اگر سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں۔ پھر اس قیاس فاسد پر کہ ہم سب کے سایہ ہوتا ہے، ان کے بھی ہوگا، تو ثبوت سایہ کا قائل ہونا عقل و ایمان سے کس درجہ دور پڑتا ہے۔

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ بَلْ هُوَ يَاقُوتٌ بَيْنَ الْحَجَرِ

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

القائے جواب: ایقاز دفع بعض ادہام و امراض میں، اس مقام پر باوجودیکہ قلب بحمد اللہ غایت اطمینان و تسلیم پر تھا مگر مرتبہ کاوش و تنقیح میں بوسوسہ ایک خدشہ ذہن ناقص میں گزرا تھا، یہاں تک کہ حق جل و علانی اپنے کرم عظیم سے فقیر کو اس کا جواب القا فرمایا۔ جس سے چشم تصور کو نور اور دل منتظر کو سرور حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ما اولی و الصلاة والسلام علیٰ هذا المولیٰ فاقول و باللہ التوفیق

احادیث صحیحہ سے ثابت کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، حضور رسالت میں نہایت ادب و وقار سے سر جھکائے آنکھیں نیچے کئے بیٹھے۔ رعب جلال سلطانی ان کے قلوب صافیہ پر ایسا مستولی ہوتا کہ اوپر نگاہ اٹھانا ممکن نہ تھا:

خ عن مسور بن مخرمة و مروان بن الحکم فی حدیث

طویل فی قصۃ الحدیثۃ ثم ان عروۃ جعل یرمق اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعینہ قال فواللہ ما تنخم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منهم ندلک بها وجہہ و جلدہ و اذا امرہم ابتدروا امرہ و اذا توضأ کا دو یقتلون علی وضوئہ و اذا تکلم خفضوا اصواتہم عندہ و ما یحدون الیہ النظر تعظیماً لہ فرجع عروۃ الی اصحابہ فقال ای قوم قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک و وفدت علی قیصر و کسری و النجاشی واللہ ان رایت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم محمداً

مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم حدیبیہ کے طویل مقدمے میں ذکر کرتے ہیں کہ عروہ اصحاب نبی کو گھور رہا تھا، اس نے کہا کہ بخدا رسول اللہ نے جب بھی ناک سگی تو کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں پڑی اور اس نے اپنے چہرے پر ملی اور اپنے جسم پر لگائی، جب آپ نے حکم دیا تو انھوں نے ماننے میں جلدی کی، جب آپ وضو فرماتے تو وہ وضو کا پانی لینے پر لڑنے کے قریب ہو جاتے، اور جب گفتگو فرماتے تو صحابہ اپنی آوازیں پست کر لیتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نگاہ نہ کر پاتے تھے، تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہا، میں قیصر و کسری و نجاشی کے درباروں میں آیا مگر ایسا کوئی بادشاہ نہ دیکھا جس کی تعظیم اس کے ساتھی ایسے کرتے ہوں جیسی محمد کی ان کے صحابی کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے علیہ شریف میں اکثر اکابر صحابہ سے حدیثیں وارد ہیں، کہ

وہ نگاہ بھر کر نہ دیکھ سکتے بلکہ نظر اوپر نہ اٹھاتے۔ کما سیاتی۔ بلکہ اس معنی میں کسی حدیث کے ورود کی بھی حاجت کیا تھی۔ عقل سلیم خود گواہی دیتی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ نوابوں اور والیوں کے حاضرین دربار ان کے ساتھ کس ادب سے پیش آتے ہیں۔ اگر کھڑے ہیں تو نگاہ قدموں سے تجاوز نہیں کرتی۔ بیٹھے ہیں تو زانو سے آگے قدم نہیں رکھتی۔ خود اس حاکم سے نگاہ چار نہیں کرتے، پس و پیش یا دائیں بائیں دیکھنا تو بڑی بات ہے، حالانکہ اس ادب کو صحابہ کرام کے ادب سے کیا نسبت۔ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور دربار اقدس کی حضوری ان کے نزدیک ملک السموات والارض کا سامنا، اور کیوں نہ ہوتا کہ خود قرآن عزیز نے انھیں صد ہا جگہ کان کھول کھول کر سنا دیا کہ ہمارا اور ہمارے محبوب کا معاملہ واحد ہے، اس کا مطیع ہمارا فرماں بردار اور اس کا عاصی ہمارا گنہگار۔ ان سے الفت ہمارے ساتھ محبت اور ان سے رنجش ہم سے عداوت، ان کی تکریم اور ہماری تعظیم اور ان کے ساتھ گستاخی، ہماری بے ادبی۔ لہذا جب ملازمت والا حاصل ہوئی، قلب ان کے خوف خدا سے ممتلیٰ اور گردنیں خم اور آنکھ نیچی اور آوازیں پست اور اعضاء ساکن ہو جاتے۔ ایسی حالت میں نظرایں و آں کی طرف کب ہو سکتی ہے، جو سایہ کے عدم یا وجود کی طرف خیال جائے، اور بالضرور ایسے سراپا ادب ہمہ تن تعظیم لوگوں کی نگاہ اپنے عرش پائے گاہ کی طرف بے غرض مہم نہ ہوگی۔ اس حالت میں نفس کو اس مقصود کی طرف توجہ ہوگی۔ مثلاً نظارہ جمال باکمال یا حضور کا مطالعہ افعال و اعمال تاکہ خود ان کا اتباع کریں۔ اور غائبین تک روایت پہنچائیں، کہ وہ حاملان شریعت تھے اور راویان ملت اور حاضری دربار اقدس سے ان کی غرض اعظم یہی تھی۔ جب نگاہ اس رعب و ہیبت اور

اس ضرورت و حاجت کے ساتھ اٹھی تو عقل گواہ ہے کہ ایسی حالت میں ادھر ادھر دھیان نہیں جائے گا، کہ قامت اقدس کا سایہ ہمیں نظر نہ آیا، آخر نہ سنا کہ ایک ان کا نماز میں مصروف ہوتا تکبیر کے ساتھ، دونوں جہان سے ہاتھ اٹھاتا، کوئی چیز سامنے گزرے اطلاع نہ ہوتی اور کیسا ہی شور و غوغا ہو کان تک آواز نہ جاتی، یہاں تک کہ مسلم بن ایک صحابی کہ تابعین میں ہیں نماز پڑھتے تھے، مسجد کا ستون گر پڑا، لوگ جمع ہوئے، شور و غوغا ہوا، انھیں مطلق خبر نہ ہوئی، یہی حالت صحابہ کی، حضور رسالت میں تھی اور دربار نبوت میں بارگاہ عزت باری۔

اے عزیز، زیادہ خوض بے کار ہے، تو اپنے ہی نفس کی طرف رجوع کر، اگر کسی مقام پر عالم رعب و ہیبت میں تیر گزر ہوا ہو، وہاں جو کچھ پیش آتا ہے اسے بھی اچھی طور پر ادراک کامل نہیں کر سکتا۔ نہ امر معدوم کی طرف خیال کیا جائے کہ مثلاً اگر تجھے کسی والی ملک سے ایسی ضرورت پیش آئے جس کی فکر تجھے دنیا و مافیہا پر مقدم ہو اور اس کے دربار تک رسائی کر کے اپنا عرض حال کرے تو تجھے اول تو رعب سلطانی دوسرے اپنی اس ضرورت کی طرف قلب کو نگرانی ہر چیز کی طرف توجہ سے مانع ہوں گے، پھر اگر تو واپس آئے اور تجھ سے سوال ہو، وہاں دیواروں میں سنگ موسیٰ تھا یا سنگ مرمر اور تخت کے پائے سیمیں تھے یا زریں اور مسند کا رنگ سبز تھا یا سرخ، ہرگز ایک بات کا جواب نہ دے سکے گا، بلکہ خود اسی بات کو پوچھا جائے کہ بادشاہ کے سایہ تھا یا نہ تھا، تو اگرچہ اس قیاس پر کہ سب آدمیوں کے لئے ظل ہے، ہاں کہہ دے مگر اپنے معائنے سے جواب نہ دے سکے گا۔

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تو اول روز ملازمت سے تا

آخر حیات جو کیفیت رعب و ہیبت کی طاری رہی ہماری عقول ناقصہ اس کی مقدار کے ادراک سے بھی عاجز ہیں۔ پھر ان کی نظر اٹھ سکتی اور چپ و راست دیکھ سکتی کہ سائے کے عدم یا وجود پر اطلاع ہوتی۔

ثم اقول۔ اپنے نفس پر قیاس کر کے گمان کرنا چاہیے کہ بعد مرور زمان و تکرر حضور کے ان کی اس حالت میں کمی ہو جاتی، بلکہ بالیقین روز بہ روز زیادہ ہوتی کہ باعث اس پر دو امر ہیں۔ ایک خوف کہ اس عظمت کے تصور سے پیدا ہو جو اس سلطانِ دو عالم کو، بارگاہِ ملک السموات والارض جل جلالہ، میں حاصل ہے، دوسری محنت ایمانی کہ مستلزم خشوع کو اور منافی جرأت و بے باکی اور یہ ظاہر کہ جس قدر دربار والا میں حضوری زائد ہوتی یہ دونوں امر جو اس پر باعث ہیں بڑھتے جاتے، حضور کے اخلاق و عادات اور رحمت و الطاف معائنے میں آتے حسن و احسان کے جلوے ہر دم لطف تازہ دکھاتے، قرآن آنکھوں کے سامنے نازل ہوتا۔ اور طرح طرح سے اس بارگاہ کے آداب سکھاتا کہ:

آداب بارگاہ:

ہمارا ان کا معاملہ واحد ہے، جو ان کا غلام ہے ۱۱ ہمارا قائد ہے۔ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل خط ہو جاتے ہیں۔ انھیں نام لے کر پکارنے والے سخت سزائیں پاتے ہیں۔ اپنے جان و دل کا انھیں مالک جانو، حضور زندہ بدست مردہ ہو جاؤ۔ ہمارا ذکر ان کی یاد کے ساتھ ہے۔ ان کا ہاتھ بعینہ ہمارا ہاتھ ہے، ان کی رحمت ہماری مہر، ان کا غضب ہمارا قہر۔ جس قدر ملازمت زیادہ ہوتی، حضور کی عظمت و محبت ترقی پاتی اور ۱۲ حال مذکور

یعنی خشوع و خضوع و رعب، ہیبت روز افزوں کرتی قال تعالیٰ زادتهم ایماناً و ایمان اور ایمان حضور کی تعظیم و محبت کا نام ہے، کمالاً تکمیلی۔

مقدمہ ثانیہ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پُر ظاہر کہ آدمی بلا وجہ کسی بات کے در پے تفتیش نہیں ہوتا اور جو بات عام و شامل ہوتی ہے اور تمام آدمی اس میں یکساں، کسی شخص خاص میں بالقصد اس کی طرف غور نہیں کرتا، مثلاً ہر ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہونا ایک امر عام ہے، لہذا بلا سبب کسی آدمی کی انگلیوں کو کوئی شخص اس مقصد خاص سے نہیں دیکھتا کہ اس کی انگلیاں پانچ ہیں یا کم، ہاں اگر پہلے سے سن رکھا ہو کہ زید کی انگلیاں چار ہیں، یا چھ، تو اس صورت میں البتہ بقصد مذکور نظر کی جائے گی۔ اسی طرح سایہ ایک امر عام شامل ہے، اگر بعض آدمیوں کا سایہ پڑتا اور بعض کا نہیں تو البتہ بیشک خیال جانے کی بات تھی، کہ دیکھیں حضور کے بھی سایہ ہے یا نہیں، نہ اس سے کوئی امر دینی مثل اتباع و اقتدا کے متعلق تھا کہ اس کے خیال سے بالقصد اس طرف لحاظ کیا جاتا۔ ہاں ایسی صورت میں ادراک کا طریقہ یہ ہے کہ بے قصد و توجہ خاص نظر پڑ جائے اور وہ صورت بعد تکرر مشاہدہ ذہن میں منقش اور مثل مربیات قصد یہ کے خزانہ خیال میں مخزون ہو جائے مثلاً زید کہ ہمارا دوست ہے، ہم اپنے مشاہدے کی رو سے بتا سکتے ہیں کہ اس کے ہر ہاتھ کی انگلیاں پانچ ہیں۔ اگرچہ ہم نے کبھی اس قصد سے اس کے ہاتھوں کو نہیں دیکھا ہے، مگر ہم نے اس کے ہاتھوں کو بار بار دیکھا ہے۔ صورت خزانہ میں محفوظ ہے، نفس اسے اپنے حضور حاضر کر کے بتا سکتا ہے لیکن ہم مقدمی اولیٰ میں ثابت کر آئے کہ یہ طریقہ

ادراک وہاں معدوم تھا کہ رعب و ہیبت اور امور مہمہ کی طرف توجہ اور حضور کے استماع اقوال و مطالعہ افعال ہمہ تن صرف ہمت اور نگاہ کا بسبب غایت ادب و خوف الہی کے اپنے زانو و پشت پا سے تجاوز نہ کرنا، اس ادراک بلا قصد سے مانع قوی تھا، علی الخصوص کسی شے کا عدم کہ وہ تو کوئی امر محسوس نہیں جس پر بے ارادہ بھی نگاہ پڑ جائے اور نفس اسے یاد رکھے، یہاں تو جب تک خیال نہ کیا جائے، عدم علم عدم حاصل نہ ہوگا۔ آدمی جب ایسے مقام رعب و ہیبت اور قلب کی مشغولی و مشغونی میں ہوتا ہے تو کسی چیز کی عدم رویت سے اس کے عدم پر استدلال نہیں کرتا اور جب اذہان میں بنا بر عادت اس کا عموم و شمول متمکن ہوتا ہے، تو برخلاف عادت اس کے معدوم ہونے کی طرف خیال نہیں جاتا بلکہ اس سے اگر تفتیش کی جائے، اور اس امر کی طرف خیال دلایا جائے تو خواہ مخواہ اس کا گمان اس طرف مسارعت کرتا ہے، کہ جب یہ امر عام ہے تو ظاہراً یہاں بھی ہوگا۔ میرا نہ دیکھنا کچھ نہ ہونے پر دلیل نہیں۔ میری نظر میں نہ آتا، اس وجہ سے تھا کہ اول میری نگاہ ادھر ادھر نہ اٹھتی تھی اور جو اٹھی بھی تو ہزار رعب و ہیبت اور نفسی کے امور دیگر کی طرف صرف ہمت کے ساتھ، ایسی حالت میں کیسے کہہ سکوں گا کہ تھا کہ نہ تھا۔

ثم اقول۔ یہ کیفیت تو اس وقت کی تھی جب صحابہ کرام حضور سے ملاقات ہوتے اور جو ہمراہ رکاب سعادت انتساب ہوتے تو وہاں باوجود ان وجوہ کے ایک وجہ اور بھی تھی کہ غالب اوقات صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم ہوتا، اور حضور ان کے پیچھے چلتے۔ ترمذی نے شمائل کی حدیث طویل میں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ یسوق اصحابہ، یعنی حضور والا صحابہ کرام کو اپنے آگے چلاتے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطَّأُ عَقْبَهُ

عقب رُجُلَانِ.

حاصل یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ دو

آدمی بھی حضور کے پیچھے چلے ہوں۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَمْشُونَ أَمَامَهُ وَ يَكُونُ ظَهْرُهُ الْمَلَكَةِ

اصحاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے چلتے اور پشت اقدس

فرشتوں کے لئے چھوڑتے۔

دارمی نے بہ اسناد صحیح مرفوعاً روایت کیا کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا: خَلُّوا ظَهْرِي لِلْمَلَائِكَةِ میری پیٹھ فرشتوں کے لئے چھوڑ دو۔

بالجملہ ہماری اس تقریر سے جو بالکل وجدانیت پر مشتمل ہے، کوئی

فخص اگر مکابرہ نہ کرے، بالیقین اس کا دل ان سب کیفیات کے صدق پر

گواہی دے۔ بخوبی ظاہر ہو گیا کہ ظاہراً اکثر صحابہ کرام کا خیال، اس طرف

نہ گیا اور اس معجزے کی انھیں اطلاع نہ ہوئی، اور اگر برسبیل تنزل ثابت و

ممبر بن ہو جانا نہ مانگئے تو ان تقریروں کی بنا پر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ عدم اطلاع

کا احتمال قوی ہے۔ قوت بھی جانے دو۔ اتنا ہی سہی کہ شک واقع ہو گیا، پھر

یہی استدلال سن کہ اگر ایسا ہوتا تو مثل حدیث ستون حنائہ مشہور و مستفیض

ہوتا، کب باقی رہا۔ حتم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے عدم شہرت بہ سبب عدم اطلاع

کے ہو کما ذکرنا و بالله التوفیق۔

مقدمہ ثالثہ۔ ہماری تنقیح سابق سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل کسی کو اس معجزے پر اطلاع نہ ہو اور کوئی اسے روایت نہ کرے، صغیر السن بچوں کو بعض اوقات اس قسم کی جراتیں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اسی طریقہ سے جو ہم نے مقدمہ ثانیہ میں ذکر کیا، ادراک کر سکتے ہیں، اسی سبب سے اکثر احادیث علیہ شریفہ ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشہور ہوئیں، نہ اکابر صحابہ سے۔

ترجمہ ابن ابی ہالہ میں فرماتے ہیں:

وَ كَانَ رَيْبُ رَسُولِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَا لِفَاطِمَةَ وَ خَالَ الْحَسَنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ فَكَانَ بِصَغَرِهِ يَتَسَعُ مِنَ النَّظَرِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَدِيهِمُ النَّظَرُ بِوَجْهِهِ لَكُونِهِ عِنْدَهُ دَاخِلُ بَيْتِهِ فَلَذَا أَشْهَرُ وَ صَفَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ دُونَ غَيْرِهِ مِنْ كِبَارِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَانَّهُمْ لِكِبَرِهِمْ كَانُوا يَهَابُونَ اطَّالَةَ النَّظَرِ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحَاطَ بِهِ نَظْرُهُ إِحَاطَةً الْهَالَةِ بِالْقَمَرِ وَالْأَكْمَامَ بِالثَّمَرِ هُنَّ لَهُ مَعَ قَالِهِ قَطْرُهُ۔ اور ہر ذی علم جانتا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمانہ نبوت میں صغیر السن تھے اور ان کا شمار بہ اعتبار عمر اصغر صحابہ میں ہے۔ اگرچہ یہ برکت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علم و فقاہت میں اکثر شیوخ صحابہ پر مقدم تھے۔

وَعَلَى تَفَنُّنٍ وَ أَصْفِيهِ بِوَصْفٍ يَغْنَى الزَّمَانَ وَ فِيهِ مَا لَمْ يُوصَفْ

صلى الله تعالى عليه وسلم

مقدمہ رابعہ۔ صحابہ کرام میں ہزاروں ایسے ہیں جنہیں طول صحبت

نصیب نہ ہوا اور بہت ایسے ہیں جنہوں نے سوائے جامع عظیم کے شرف زیارت نہ پایا۔ غیر مدینہ کے گروہ کے گروہ حاضر ہوتے اور عرصہ قلیلہ میں واپس جاتے، ایسی صورت اور مجمع کی کثرت میں موقع سایہ پر نظر اور اس کے ساتھ عدم سایہ کی طرف خیال جانا کیا ضرور ظاہر ہے کہ مجمع میں سایہ ایک کا دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتا، اور کسی شخص خاص کی نسبت امتیاز کرنا کہ اس کے لئے ظل ہے یا نہیں دشوار ہوتا ہے۔ علاوہ بریں یہ کس نے واجب کیا کہ ان اوقات پر حضور والا دھوپ یا چاندنی میں جلوہ فرما ہوں، کیا مدینہ طیبہ میں سایہ دار مکان نہ تھے یا مسجد شریف کہ اکثر وہیں تشریف رکھتے بے سقف تھی۔ احادیث سے ثابت کہ سفر میں صحابہ کرام حضور کے لئے سایہ دار پیڑ چھوڑ دیتے اور جو کہیں سایہ نہ ملا تو کپڑے وغیرہ کا سایہ کر لیا، جیسا کہ روز قدوم مدینہ طیبہ، سیدنا ابی بکر صدیق اور حجۃ الوداع میں واقع ہوا اور قبل از بعثت تو ابر سایہ کے لئے متعین تھا ہی، جب چلتے ساتھ چلتا اور جب ٹھہرتے ٹھہر جاتا۔ اور ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کے غلام میسرہ نے فرشتوں کو سراقدس پر سایہ کرتے دیکھا۔ اور سفر شام میں آپ کسی حاجت کو تشریف لے گئے تھے، لوگوں نے پیڑ کا سایہ گھیر لیا تھا، حضور دھوپ میں بیٹھ گئے، سایہ حضور پر جھک گیا۔ بحیرا عالم نصاریٰ نے کہا، دیکھو سایہ ان کی طرف جھکتا ہے، اور بعض اسفار میں ایک درخت خشک و بے برگ کے نیچے جلوس فرمایا، فوراً زمین حضور کے گرد کی سبزہ زار ہو گئی اور پیڑ ہرا ہو گیا، شاخیں اسی ساعت بڑھ گئیں اور اپنی کمال بلندی کو پہنچ کر سائے کے لئے حضور پر لٹک آئیں۔ چنانچہ یہ سب حدیثیں

کتب سیر میں تفصیلاً مذکور ہیں۔ اب نہ رہے مگر وہ لوگ جنہیں طول صحبت روزی نہ ہوا اور حضور کو آفتاب یا ماہتاب یا چراغ کی روشنی میں ایسی حالت میں دیکھا کہ مجمع بھی کم تھا اور موقع سایہ پر بالقصد نظر بھی کی اور ادراک کیا کہ جسم انور ہمسائیگی سایہ سے دور ہے، اور ظاہر ہے کہ ان سب کا احساس و انکشاف جن لوگوں کے لئے ہوا ہے وہ بہت کم ہیں، جن کے واسطے نہ ہوا، پھر اس طائفہ قلیلہ سے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص یا اکثر اس معجزے کو روایت کرے۔ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ مجرد خرق عادت باعث تو فرد داعی و نقل جمیع اکثر حاضرین ہے خادم حدیث پر کاشمیں فی نصف النہار روشن کہ صد ہا معجزات قاہرہ حضور سے غزوات و اسفار و مجامع عامہ میں واقع ہوئے کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں نے ان پر اطلاع پائی مگر ان کی ہم تک نقل صرف احاد سے پہنچی۔ واقعہ حدیبیہ میں انگشتان اقدس سے پانی دریا کی طرح جوش مارنا اور چودہ پندرہ سو آدمی کا علی اختلاف الرویات اسے پینا اور وضو کرنا اور بقیہ توشہ کو جمع کر دعا فرمانا اور اس سے لشکر کے سب برتن بھر دینا اور اسی قدر باقی بچ رہنا، ایسے معجزات میں ہیں اور بالضرور چودہ پندرہ سو آدمی سب کے سامنے اس کا وقوع ہوا اور سب نے اس پر اطلاع پائی مگر ان میں سے چودہ نے بھی اسے روایت نہ فرمایا۔ فقیر نے کتب حاضریہ احادیث خصوصاً وہ کتابیں سیر و فضائل کی جن کا موضوع ہی اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہے مانند ہشفائے قاضی و شرح خفاجی و مواہب لدنیہ و شرح زرقانی و مدارج النبوة و خصائص کبریٰ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ مطالعہ کیں، پانچ سے زیادہ راوی اس واقعے کے

نہ پائے۔ اسی طرح ردّ شمس یعنی غروب ہو کر سورج کا لوٹ آنا اور مغرب سے عصر کا وقت ہو جانا جو غزوۂ خیبر میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے لئے واقع ہوا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ عدم ظل کو اس سے اصلاً نسبت نہیں اور اس کا وقوع بھی ایک غزوہ میں ہو، کما ذکرنا، اور تعداد لشکر خیبر کی بالضرور یہ سب حضرات اس پر ہوں گے کہ ہر نمازی مسلمان خصوصاً صحابہ کرام کو بہ غرض نماز آفتاب کے طلوع و غروب زوال کی طرف لاجرم نظر ہوتی ہے۔

توریت میں وصف اس امت مرحومہ کا رعاة الشمس کے ساتھ وارد ہوا۔ کما رواہ ابو نعیم عن کعب الاحبار عن سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، یعنی آفتاب کے نگہبان کہ اس کے تبدل احوال اور شروق و افول و زوال کے جو یان و خبر گیراں رہتے تھے جب آفتاب نے غروب کیا ہوگا بالضرور تمام لشکر نے نماز کا تہیہ کیا ہوگا۔ دفعتاً شام سے دن ہو گیا، اور خورشید اُلٹے پاؤں آیا۔ کیا ایسے عجب واقعہ کو دریافت نہ کیا اور نہ معلوم نہ ہوا ہوگا کہ اس کے حکم سے لوٹا ہے جسے قادر مطلق کی نیابت مطلقہ اور عالم علوی میں دست بالا حاصل ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیکن کے سوا اگر کسی صاحب کو معلوم ہو کہ اتنی بڑی جماعت سے دو چار آدمیوں نے اور بھی اس معجزے کو روایت کیا تو نشان دیں۔

بالجملہ یہ حدیث واہبہ ہے، جس کی بنا پر ہم عقل و نقل و اتباع حدیث و علماء کو ترک نہیں کر سکتے، کیا یہ اکابر اس قدر نہ سمجھتے تھے یا انھوں نے دیدہ و دانستہ خدا اور رسول پر افترا گوارا کیا لا حول ولا قوۃ الا باللہ

العلی العظیم۔ بلکہ جب ایک راوی اس حدیث عدم ظل کے ذکوان ہیں۔ اور وہ خود صالح سمان زیارت ہوں یا ابو عمرو مدنی مولائے صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تردد فیہ الزرقانی۔ بہر تقدیر تابعی ثقہ، معتمد علیہ ہیں۔ کما ذکرہ ایضاً و..... اور تابعین و علماء ثقات، اہل ورع و احتیاط سے مظنون یہی ہے کہ غالب حدیث کو مرسل اسی وقت ذکر کریں گے جب انھیں شیوخ و صحابہ کثیرین سے اسے سن کر مرتبہ قرب و یقین حاصل کر لیا ہو۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ در صورت اسناد صدق و کذب سے اپنے آپ کو غرض نہ رہی جب ہم نے کلام کو اس کی طرف نسبت کر دیا جس سے سنا ہے، تو ہم بری الذمہ ہو گئے، بخلاف اس کے کہ اس کا ذکر ترک کریں اور خود لکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ایسا فرمایا۔ اس صورت میں بار اپنے سر پر رہا تو عالم ثقہ متورع محتاط بے کثرت و سماع و اطمینان کئی قلب کے ایسی بات سے دور رہے گا۔ اس طور پر تو ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہ ہونا بہت صحابہ نے دیکھا اور ان سب سے ذکوان کو سماع حاصل ہوا، اگرچہ ان کی روایات ہم تک نہ پہنچیں۔

هكذا ينبغي ان يفهم المقام وينقح المرام والله ولي
الفضل التوفيق والانعام هذا وقد بقي بعد خبايا في زوايا الكلام
لعلها يفوز بها فكر وهذا كله وقد وجه مما الهمني ربي بفضل
منه و نعمة لا يجد من قلبي ان ربي لذو فضل عظيم انه هو الرؤف
الرحيم ولا حول ولا قوة الا بالله العزيز الحكيم وظني الى بحمد
ربي الجليل قد أتيت في المسئلة ما يشفي العليل و يروي الغليل

ولا یخل بالكثیر ولا بالقلیل واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل
 انه حسبی و نعم الوکیل اماله ان یجبنی بها و کل من زل زلة و
 یجعلها ظلا ظلیلا علی رؤسنا یوم لا ظل الی ظله و ان یصلی علی
 ابھی اقمار الرسالة و ابهرها و اسنی شمس الکرامة و انورها
 الذی لم یکن له ظل فی شمس ولا قمر و فدیات و صله و علی
 صحبه و الہ متظللین باذیالہ والداعین الی نعم اظلالہ و علینا
 معهم اجمعین برحمة انه روف رحیم و آخر دعوانا ان الحمد للہ
 رب العلمین O

ختم شد

کتب ماخذ

نام مصنف	نام کتاب
قاضی عیاضؒ	(۱) شفاء شریف
جلال الدین سیوطی	(۲) خصائص کبریٰ
ملا علی قاری	(۳) شرح شائل ترغذی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بدر الانوار

جلد (2)

بزرگان دین کے
تبرکات کا اسلام
میں کیا مقام ہے

تصنیف لطیف

امام اہل سنت مجددِ ائم دین و ملت
اعلیٰ حضرت علامہ برکت شینا اٹا، استاد
احمد رضا خاں فاضل دیوبند

تقدیم

انبیائے کرام علیہم السلام و اولیائے عظام رضی اللہ عنہم کے جسم اقدس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز متبرک ہے۔ بنیادی طور پر اسلام میں بزرگان دین کے آثار و تبرکات کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ان کی تعظیم و تکریم اس لئے کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں بالآخر خدا کی یاد اور اس کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ قرآن نے ان تبرکات کو ”شعائر اللہ“ اور آیات اللہ“ سے تعبیر کیا ہے۔ صفا اور مروہ دو مشہور پہاڑ ہیں، جن پر حاجی صاحبان دوران حج چڑھتے ہیں اور ان کے درمیان سعی کرتے ہیں، اس تمام تگ و دو کی حقیقت تاریخی طور پر صرف اتنی ہے کہ اللہ کی ایک نیک بندی ہاجرہ علیہا السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی طلب میں اس مقام پر دوڑتی تھیں اور ان پہاڑیوں پر چڑھتی تھیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آئی۔ کیونکہ اس میں تلاش مقصود کے لئے جس لگن کا اظہار تھا اور اس کے لئے جو عملی کاوش تھی وہی عبد مومن میں پیدا ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو پہاڑیوں کو جنہیں اللہ کی نیک بندی سے ایک گو نہ تعلق ہو گیا تھا ”شعائر اللہ“ سے تعبیر فرمایا، ارشاد ہوا،

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (پ ۲ البقرہ آیت ۱۵۸)

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

پھر فرمایا:

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (پ ۱۷ الحج آیت ۳۲)

اور جو بھی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یہ (تعظیم) دلوں کی

پرہیزگار کی وجہ سے ہے۔

قرآن کریم نے بیت اللہ اور اس کے چپہ چپہ کو اپنی کھلی ہوئی نشانیوں کا مرکز قرار دیا ہے، جب ہم تاریخ کے آئینے میں ان تمام نشانیوں کو دیکھتے ہیں، جنہیں اللہ کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے، تو یہ سب کی سب اللہ کے نیک بندوں سے کوئی نہ کوئی نسبت رکھتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

فِيهِ اٰيٰتٌ ۭ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ (پ ۴ ال عمران آیت ۹۷)

اس میں (بیت المقدس) واضح ہیں (مثلاً) مقام ابراہیم ہے۔

اس آیت میں پوری وضاحت سے بتا دیا گیا کہ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی، وہ بھی ”آیہ پتہ“ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بزرگان دین کے تبرکات اسلام میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں، اور ان کی تعظیم و تکریم کسی طرح بھی شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے، اور خدا کی عظمت شان کی معرفت کا زینہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس امت کے بزرگان دین کے تبرکات بھی اب تک موجود ہیں، اور انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ بعض لوگ احادیث کا انکار کرتے ہیں، اگر کچھ ضعیف حدیثیں ہیں تو اس کا مطلب یہ کب ہوا کہ تمام احادیث پر ضعف کا حکم بہ یک مشت تھوپ دیا جائے، اور اگر کہیں کچھ جعلی تبرکات ہیں، تو حقیقی آثار و تبرکات کے انکار کی کیا وجہ ہے؟ اس اجمال کی تفصیل اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ بدر الانوار فی اداب الآثار، (۱۳۲۶ھ) میں ملاحظہ ہو،

رسالے کے نام کا ترجمہ یہ ہے:

آثار (نشانات) کے آداب میں انوار کا چاند۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

فصل اوّل

مسئلہ:

از اجمیر شریف درگاہ معلّی، مرسلہ حضرت سید حبیب اللہ قادری، دمشق، طرابلسی، شامی، ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ ماقولکم، دام فضلکم۔ ایک شخص اپنے وعظ میں صاف انکار کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی تبرک اور حضور کے آثار شریفہ سے کوئی چیز اصلاً باقی نہیں، نہ صحابہ کے پاس تبرکات شریفہ سے کچھ تھا نہ کبھی کسی نبی کے آثار سے کچھ تھا۔ امید کہ اس کا جواب بحوالہ احادیث و کتاب ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله حمد ايكافتي فضله و انعامه و يحلنا برضاه
دارالمقامه دارا ذات بركة و سلامة لا مخافة فيها ولا سامة
والصلوة والسلام على نبي التهامة خير من لبس الجبة والنعل
والعمامة و على اله و صحبه ذوى الكرامة الناصحين لامته
المبلغين احكامه المعظمين اثاره بعده و امامه صلاة تنمي و تنمي
الى يوم القيمة،

ل بالكل ۱۲

اما بعد۔ یہ فتاویٰ ہیں متعلق تبرکات شریفہ و آثار لطیفہ کہ ان کا ادب کیسا ہے اور ان کے ثبوت میں کیا دیکھا ہے، اور بے سند ہوں تو کیا چاہئے۔ اور زیارت پر نذرانہ لینے، دینے، مانگنے کے مسئلے جن کا فقیر سے سوال ہوا، اور مجموع کا بدر الانوار فی آداب الآثار نام ٹھہرا والحمد للہ رب العالمین والصلوة علی المولے والہ اجمعین۔

ایسا شخص آیات و احادیث کا منکر اور سخت جاہل، خاسر یا کمال گم راہ فاجر ہے، اس پر توبہ فرض ہے اور بعد اطلاع بھی تائب نہ ہو تو ضرور گم راہ، بد دین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

دلیل (۱):

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى

لِلْعَالَمِينَ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ (پ ۴ آل عمران آیت ۹۶، ۹۷)

بے شک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کو راہ دکھاتا ہے، اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔

جس پر کھڑے ہو کر انھوں نے کعبہ معظمہ بنایا اور ان کے قدم پاک کا نشان اس میں بن گیا۔ اجلہ محدثین عبد بن حمید و ابن جزیر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ارزقی نے امام اجل مجاہد تلمیذ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آیہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کی۔

قال اثر قدمہ فی المقام اية بينة.

فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں قدم پاک کا اس

پتھر میں نشان ہو جانا یہ کھلی نشانی ہے جسے اللہ عزوجل آیت بَیِّنَات فرما رہا ہے۔
تفسیر کبیر (تحت آیت ۳/۹۶) میں ہے:

الفضيلة الثانية لهذا البيت مقام ابراهيم وهو الحجر
الذى وضع ابراهيم قدمه عليه فجعل الله ما تحت قدم ابراهيم
عليه الصلوة والسلام من ذلك الحجر دون سائر اجزائه كالطين
حتى غاص فيه قدم ابراهيم عليه الصلوة والسلام وهذا مما لا
يقدر عليه الا الله تعالى ولا يظهره الا على انبياء ثم لما رفع
ابراهيم عليه الصلوة والسلام قدمه عنه خلق فيه الصلابة
الحجرية مرة اخرى ثم انه تعالى ابقى ذلك الحجر على سبيل
الاستمرار و الدوام فهذه انواع من الايت العجيبة والمعجزات
الباهرة اظهرها الله تعالى في ذلك الحجر۔ (ج ۸ ص ۱۵۵، مطبوعہ مصر)
یعنی، کعبہ معظمہ کی دوسری فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ یہ وہ پتھر ہے
جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے
زیر قدم آیا، ترمٹی کی طرح نرم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا اور یہ خاص قدرت الہیہ و معجزہ
انبیاء ہے۔ پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا، اللہ
تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی تختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم
محفوظ رہ گیا، پھر اسے حق سبحانہ نے مدت ہا مدت باقی رکھا، تو یہ اقسام
اقسام کے عجیب و غریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر
فرمائے۔

۱۔ دھنس گیا ۱۲

ارشاد لعقل السليم (ج ۲ ص ۹۶۳) میں ہے:

ان كل واحد من اثر قدميه في صخرة صماء غوصه فيها
الى الكعبين وَاِلَانَةُ بعض دون بعض وبقائه دون سائر آيات
الانبياء عليه الصلوة والسلام و حفظه مع كثرة الاعداء الوفاء
سنة آية مستقلة.

یعنی، اسی ایک پتھر کو مولیٰ تعالیٰ نے متعدد آیات فرمایا۔ اس لئے کہ
اس میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نشان قدم ہو جانا ایک۔ اور ان کے
قدموں کا گتھوں تک اس میں پیر جانا، دو۔ اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہو جانا باقی
کا اپنے حال پر رہنا، تین۔ اور معجزات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں
اس معجزے کا باقی رکھنا، چار۔ اور باوصف کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا
محفوظ رہنا، پانچ۔ یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت اور ایک معجزہ ہے۔



دلیل (۲)

مولیٰ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ
مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ٥

بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان سے فرمایا
کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں

تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسیٰ و ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں۔ بے شک اس میں تمہارے لئے عظیم نشانی ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

وہ تبرکات کیا تھے؟ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہ، ان کی برکات تھیں کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے۔

ابن جریر (تحت آیت ۲/۲۳۸) و ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

وبقية مما ترك ال موسى عصاه ورضاض الالواح.

(تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۳۶۶، مصر)

تابوت سکینہ میں تبرکات موسویہ سے ان کا عصا تھا، اور تختیوں کی کرچیں۔
دکیج بن الجراح وسعید بن منصور وعبد بن حمید و ابن ابی حاتم (حدیث ۲۳۸۵، ۲۳۸۶) و ابو صالح تلمیذ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال كان في التابوت عصا موسى و عصا هرون و ثياب

موسى و ثياب هرون و لوحان من التوراة والمن و كلمة الفرج لا اله الا الله الحليم الكريم و سبحن الله رب السموات السبع و رب العرش العظيم والحمد لله رب العلمين. (۲/۴۷۰)

تابوت میں سے موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے عصا اور دونوں

حضرات کے ملبوس اور توریت کی دو تختیاں اور قدرے ۱۰۰ من کہ بنی اسرائیل پر اترا۔ اور یہ دعائے کشائش لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم الخ
معالم التنزیل (تحت آیت ۲/۲۴۸) میں ہے:

کان فیہ عصا موسیٰ و نعلاه و عمامة هرون و عصاه (ج ۱ ص ۲۵۷، مصر)
تابوت میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین اور ہارون
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ و عصا۔

دلیل (۳)

صحیح بخاری و صحیح مسلم (کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم) میں انس
رضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِالْحَلِاقِ وَ نَاوَلَ
الْحَالِقَ شَقَّهُ الْأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ
ثُمَّ نَاوَلَ الشَّقَّ الْأَيْسَرَ فَقَالَ اخْلُقْ فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ
أَقْسِمُ بِبَيْنِ النَّاسِ - (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب الحلق، پہلی فصل)

یعنی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی
جانب کے بال موٹڈنے کا حکم فرمایا۔ پھر ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا
کر وہ سب بال انھیں عطا فرما دیئے، پھر بائیں جانب کے بالوں کو حکم فرمایا
اور وہ ابو طلحہ کو دیئے کہ انھیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔

دلیل (۴)

صحیح بخاری شریف کتاب اللباس میں عیسیٰ بن طہمان سے ہے:
لَمِنْ أَيْكٍ سَپِيدٍ أَوْرِثَتْهُمُ حِزْمَتِي، جُو بَنِي إِسْرَائِيلَ بِرِثَازِلَ هُوَتِي۔ صَچ کے وقت گھر کے
مانند گرتی تھی اور پتوں پر آئس کریم کی طرح جم جاتی تھی۔ ۱۲

قَالَ خَرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بِنَعْلَيْنِ
لَهُمَا قِبَالَانِ فَقَالَ ثَابِتُ بْنُ الْبُنَانِيِّ هَذِهِ نَعْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (بخاری کتاب اللباس باب قبالة في نعل و من رای
قبالا واحدا واسعا)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے
کہ ہر ایک میں بندش کے دو تھے تھے، ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی نے
کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مقدس ہے۔

دلیل (۵)

صحیحین میں ابو بردہ سے ہے:

أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا كِسَاءً مَلْبَدًا
وَإِذَا رَغْلَيْهَا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوحُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي هَذَيْنِ. (بخاری کتاب اللباس باب الاكسية والخصائص، صحیح مسلم کتاب
اللباس، باب التواضع في اللباس)

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک رضائی یا کبیل اور ایک
موٹا تہبند ہمیں نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ وقت وصال اقدس، حضور پر نور صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ دو کپڑے تھے۔

دلیل (۶)

صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةً طَيَالِسَةً كَسَرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيَّاجٍ وَفَرَجِيهَا
مَكْفُوفِينَ بِاللِّدِيَّاجِ وَقَالَتْ هَذِهِ جُبَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبِضَتْهَا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبِسُهَا فَتَحْنُ نَفْسُهَا لِلْمَرَضَى نَسْتَشْفِي بِهَا

(مشکوٰۃ کتاب اللباس پہلی فصل بحوالہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۹)

یعنی، انھوں نے ایک ادنیٰ جتہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ
ریشمی تھی اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا، اور کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کا جتہ ام المومنین صدیقہ کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد
میں نے لے لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو دھو
کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔

دلیل (۷)

صحیح بخاری (ج ۲ ص ۸۷۵، باب یذکر فی الشیب) میں عثمان بن

عبداللہ بن مویب سے ہے:

قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا شَعْرًا مِّنْ شَعْرِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوبًا

(مشکوٰۃ کتاب اللباس، باب التزجل تیسری فصل)

میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک
کی ہمیں زیارت کرائی۔ اس پر خضاب کا اثر تھا۔

یہ چند احادیث خاص صحیحین سے لکھ دیں اور یہاں احادیث میں
کثرت اور اقوال آئمہ کا تواتر بشدت اور مسئلہ خود واضح اور اس کا انکار جہل
فاضح ہے، لہذا صرف ایک عبارت شفا شریف پر اقتصار کریں، فرماتے ہیں:

ومن اعظامہ و اکبارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظام
 جمیع اسبابہ و اکرام مشاہدہ و امکنتہ من مکة والمدينة و
 معاہدہ وما لمسہ او عرف بہ و كانت فی قلنسوة خالد بن الولید
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعرات من شعرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 فسقطت قلنسوته فی بعض حروبه فشد علیہا شدة انکر علیہ
 اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کثرة من قتل فیہا فقال
 لم افعلہا بسبب القلنسوة بل لما تضمنة من شعرہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم لثلاث سلب برکتہا و تقع فی ایدی المشرکین
 وروی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما واضعایده علی مقعد
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعہا علی
 وجہہ۔ (ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ ملتان)

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا ایک جزیہ بھی ہے،
 کہ جس چیز کو حضور سے کچھ علاقہ ہو، حضور کی طرف منسوب ہو، حضور نے
 اسے چھوا ہوا یا حضور کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو، اس سب کی تعظیم کی
 جائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے۔
 کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی، خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے ایسا
 شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابہ کرام نے انکار کیا اس لئے کہ اس شدید و سخت
 حملے میں بہت سے مسلمان کام آئے۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میرا
 یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مباد اس کی برکت
 میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ نہ لگیں۔

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو جگہ جلوس اقدس کی تھی اسے ہاتھ سے مس کر کے وہ ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیا۔

اللّٰهُمَّ ارزقنا حب حبیبک و حسن الادب معہ ومع اولیائک
امین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وسلم و علیہم اجمعین۔

خالد بن ولید کی حدیث ابو یعلیٰ اور عبداللہ بن عمر کی حدیث ابن سعد
نے طبقات میں روایت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

فصل دوم

مسئلہ:

از بستی مرسلہ مولوی مفتی عزیز الحسن صاحب ۹ شوال ۱۳۱۰ھ
جناب مولانا سراپا فیض، مجسم علم و حلم، معظم و مکرم دام مجدہم۔ پس از
سلام مسنون باعث تکلیف آں جناب یہ ہے ایک شخص برکت آثار بزرگان
سے منکر ہے اور کہتے ہیں کہ بزرگوں کے خرقہ و جبہ وغیرہ سے کوئی برکت
حاصل نہیں ہوتی۔ چونکہ وہ پڑھے لکھے ہیں، یہ امر قرار پایا ہے کہ اگر سو برس
سے قبل کے کسی عالم نے اپنی کتاب میں اس برکت کو تحریر کیا ہو، تو میں مان
لوں گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کے جبہ وغیرہ میں گفتگو
نہیں ہے۔ والسلام۔

الجواب:

برکت آثار بزرگان سے انکار آفتاب روشن کا انکار ہے۔ معہذا جب
برکت آثار شریفہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور یہ ظاہر
کہ اولیاء و علماء حضور کے ورثاء میں تو ان کے آثار میں برکت کیوں نہ ہوگی
کہ آخر وارث برکات و وارث ابراث برکات ہیں۔ فقیر غفرلہ، تعالیٰ کہ اتمام
حجت کے لئے چند عبارات آئمہ و علماء کہ سب آج سے سو برس پہلے اور
بعض پانسو چھ سو برس پہلے کے تھے، حاضر کرتا ہے۔ کتب مطبوعہ کا نشان جلد
و صفحہ بھی ظاہر کر دیا جائے گا، کہ مراجعت میں آسانی ہو۔

۱۔ امام اجل ابو زکریا نووی جن کی ولادت باسعادت ۶۳۱ھ اور

وفات شریف ۷۶۷ھ میں ہوئی، شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انی احب ان تاتیننی و تصلی فی منزل فاتخذہ مصلی فرماتے ہیں۔

فی هذا الحديث انواع من العلم و فيه التبرک بآثار الصالحین و فيه زیارة العلماء و الصلحاء الکبار و اتباعهم و تبریکهم ایاهم۔ (ج ۱ صفحہ ۴۷ نیز:)

اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں، اس سے صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، علماء و صلحاء کی زیارت کرنا، ان کی اتباع کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا۔ م

۲۔ اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان فی هذا فوائد كثيرة منها التبرک بالصالحین و آثارهم و الصلاة فی المواضع الی صلوایہا و طلب التبریک منهم (ج ۱ صفحہ ۲۳۳)

عتبان کی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں، منجملہ ان کے صالحین اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انھوں نے نماز پڑھی ہو اور ان سے طلب تبرک کرنا۔ م

۳۔ اسی میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فخرج بلال بوضوئه فمن نائل وناضح فرمایا فیہ التبرک بآثار الصالحین و استعمال فضل طہورہم و طعامہم و شرابہم و لباسہم۔ (ج ۱ صفحہ ۱۹۶)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا تھا (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۷۳) اور کوئی ملتا تھا، اس کی شرح میں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیکوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، ان کے بچے ہوئے پانی، کھانے پینے کی چیز اور لباس سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ م

۴۔ اسی میں زیر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

مَا يُؤْتِي بَانَاءَ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيهَا (مسلم ج ۲ ص ۲۵۶)
فرمایا، فیہ التبرک باثارا الصالحین (ج ۲ صفحہ ۲۵۶)

جو برتن بھی آپ کے پاس لایا جاتا تھا آپ اس میں ہاتھ ڈبو تے تھے، فرمایا، اس سے نیکوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ م

۵۔ اسی میں زیر حدیث ابوالبواب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَكَلَ مِنْهُ وَبَعَثَ بِفَضْلِهِ اَلْيَ: قَالَ الْعُلَمَاءُ فِي هَذِهِ اَنَّهُ
يَسْتَحَبُّ لِلْاَكْلِ وَالشَّارِبِ اَنْ يَفْضَلَ مِمَّا يَاكُلُ وَيَشْرَبُ فَضْلَهُ
لِيَوَاسِيَ بِهَا مَنْ بَعْدَهُ لَا سِيَّمَا اِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَبَرَّكُ بِفَضْلِهِ: (ج ۲ ص ۱۸۳)
اس میں سے کھایا اور پس خوردہ بھیج دیا، فرمایا، علماء کا کہنا ہے، کہ اس سے معلوم ہوا کھانے پینے والے کیلئے مستحب ہے کہ کھانے پینے کی چیز میں سے کچھ بچا دے تاکہ بعد والوں کو بھی کچھ مل جائے، بالخصوص اگر یہ شخص ایسا ہو کہ اس کے پس خوردہ کو تبرک سمجھا جاتا ہو۔ (م)

۶۔ اسی میں زیر حدیث:

سَأَلَ عَنْ مَوْضِعِ اَصَابِعِهِ فَتَبَعَ مَوْضِعَ اَصَابِعِهِ، فرمایا: فیہ

التبرک باثار الخیر فی الطعام وغیرہ (ج ۱، صفحہ ۱۸۳)

آپ کی انگلیوں کی جگہ کے بارے میں دریافت کیا اور آپ کی انگلیوں کی جگہ کو تلاش کیا، فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ کھانے وغیرہ میں آثار خیر سے تبرک حاصل کرنا چاہیے۔ م

۷۔ ایضاً، امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُونَ بِوُضُوئِهِ، (بخاری کتاب الصلوۃ، باب السترة بمكة وغيرها) فرماتے ہیں، استنبط منه التبرک لما يلامس اجساد الصالحين ج ۱ صفحہ ۳۸۱

تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو ملنے لگے، فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ جو چیز بھی نیکوں کے اجسام سے مس کرے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہیے۔ م

۸۔ اسی میں زیر حدیث:

اَنِّى وَاللّٰهُ مَا سَأَلْتُهُ لَا لِبَسْهَا اِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفْنِيَّ فَرَمَا،
فيه التبرک باثار الصالحين قال اصحابنا لا يندب ان يعد لنفسه
كفنا الا ان يكون من اثر ذى صلاح فحسن اعداده كما هنا انتهى
ملخصاً (ج ۲ صفحہ ۳۲۳)

بے شک، بخدا، میں نے اسے پہننے کے لئے طلب نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اسے اپنا کفن بنانے کے لئے طلب کیا تھا۔ فرمایا، اس سے نیکوں کے آثار سے تبرک ثابت ہوتا ہے، ہمارے اصحاب نے فرمایا، کسی شخص کے

لئے اپنے لئے کفن تیار کر رکھنا جائز نہیں ہاں اگر وہ نیکوں کے آثار والا کفن ہو تو اس کا تیار کر لینا جائز ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ م

۹۔ مولانا علی قاری کی متوفی ۱۰۱۳ھ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث سنن نسائی کے نیچے لکھا کہ طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقیہ آب وضوئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور سے مانگ کر اپنے ملک کو لے گئے، یہ فائدہ لکھ کر کہ:

فیه التبرک بفضلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و نقلہ الی البلاد نظیر ماء زمزم۔ فرمایا، ویؤخذ من ذلک ان فضلة وارثیہ من العلماء والصلحاء کذلک

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کرنا اور اس کو دوسرے ملکوں میں پہنچانا آب زمزم کی طرح جائز ہے۔ فرمایا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے وارثین علماء و صلحاء کے بچے ہوئے پانی سے بھی یہی برتاؤ جائز ہے۔

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۲۵ھ نے اشعۃ اللمعات (باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) میں فرمایا۔

”دریں حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضوئے و پس ماندہ آں حضرت و نقل آں بلاد و مواضع بعیدہ مانند آب زمزم، و آنحضرت چوں در مدینہ می بود آب زمزم را از حاکم مکہ می طلبید و تبرک می ساخت و فضلہ وارثان او کہ علماء و صلحا اند و تبرک بآثار و انوار ایشان

ہم بریں قیاس است۔ ج ۱ صفحہ ۱۷۱

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے وضو سے
بچے ہوئے پانی و پس خوردہ سے تبرک حاصل کرنا اور اس
کو دور دراز ممالک میں منتقل کرنا آب زمزم کی طرح جائز
ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں تھے تو مکہ
کے حاکم سے آب زمزم مانگا اور اس سے تبرک حاصل
کیا، آپ کے وارثین علماء و صلحا کے آثار و تبرکات و انوار
کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ م

۱۱۔ امام علامہ احمد بن محمد مصری مالکی، معاصر شیخ محقق دہلوی، نے کتاب
مستطاب ”فتح المتعال فی مدح خیر العال“ میں امام اجل، خاتم المجتہدین، ابوالحسن
علی بن عبدالکافی سبکی شافعی متوفی ۷۵۶ھ کا ایک کلام نفیس تبرک بہ آثار
امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی قدس سرار ہم میں نقل فرمایا:

وهذا لفظه حکي جماعة من الشافعية ان الشيخ العلامة
نقی الدین ابا الحسن علیا السبکی الشافعی لما تولى تدريس
دار الحديث بالاشرفية بالشام بعد وفات الامام النووى احدى
من يفتخر به المسلمون خصوصاً الشافعية أنشد لنفسه

وفى دار الحديث لطيف معنى
الى بسط لها اصبرواوى
لعلى ان امس بحر وجهى
مكانا مسه قدم النووى

و اذا كان هذا في آثار من ذكر فما بالك بالآثار من شرف الجميع به:
اور یہ ہے، ان کا ارشاد شافعیہ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ تقی
ابن سبکیؒ امام نووی کی وفات کے بعد شام کے دارالحدیث میں درس
حدیث کے لئے مقرر کئے گئے (مسلمان بالخصوص شافعیہ یہاں تدریس کو
ایک عظیم اعزاز سمجھتے تھے) تو یہ اشعار کہے۔

دارالحدیث میں ایک لطیف خصوصیت ہے، اس کے بچھونوں کی طرف
مائل ہوں۔ شاید میری جبین ناز کو اس مقام پر لگنا نصیب ہو جہاں نووی کے
قدم لگے ہوں۔

تو جب علماء کے آثار کا یہ حال ہے تو اس ذات کے آثار کا کیا حال
ہوگا جن سے تمام کو شرف حاصل ہوا۔

۱۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، متوفی ۱۱۶۲ھ فیوض الحرمین صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں۔

من اراد ان يحصل له ما للملاء السافل من الملكة فلا
سبيل الى ذلك الا الاعتصام بالطهارات والحلول بالمساجد
القديمة التي صلى فيها جماعات من الاولياء الخ

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے وہ مقام حاصل ہو جائے جو فرشتوں کے
نچلے طبقہ کا ہے تو اس کے لئے اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ پاکیزگی کو لازم
پکڑے اور پرانی مساجد میں جائے جہاں بزرگان دین نے نمازیں ادا کی
ہیں۔ م

۱۳۔ اسی میں ہے، صفحہ ۴۹

ان الانسان اذا صار محبوباً فكان منظور الحق و للملاء

الاعلیٰ عروسا جمیلا فکل مکان حل فیہ انعقدت و تعلقت بہ
 همم الملاء الاعلیٰ و انساق الیہ افواج الملئکة و امواج النور
 لاسیما اذا كانت همته تعلقت بهذا المكان و العارف الكامل
 معرفة و حالا له ہمة یحل فیہا نظر الحق یتعلق باہلہ و مالہ و بیته
 و نسلہ و نسبہ و قرابتہ و اصحابہ یشمل المال و الجاہ و غیرہ و
 یصلحہا فمن ذلک تميزت مائر الکمل من مائر غیرہم۔

انسان جب مقام محبوبیت پر پہنچ جائے تو وہ حضرت حق میں منظور ہوتا
 ہے اور ملائع اعلیٰ کے لئے دلہن کی مانند ہوتا ہے پھر ہر وہ جگہ جس میں وہ
 اترے گا، اس کے ساتھ ملا اعلیٰ کی ہمتیں وابستہ ہوں گی، فرشتوں کی فوجیں
 اور نور کی موجیں اس کی طرف متوجہ ہوں گی، بالخصوص جب اس کی ہمت اس
 مکان سے متعلق ہوگی، اور وہ عارف جو معرفت اور حال میں کامل ہوتا ہے
 اس کی ہمت میں حق تعالیٰ کی ایسی نظر ہوتی ہے جو اس کے، اس کے اہل،
 مال، گھر، نسل، نسب، قرابت، دوست، مال و جاہ وغیرہ سب ہی کا احاطہ کر
 لیتی ہے اور ان تمام چیزوں کی اصلاح کرتی ہے۔ اس لئے کاملین کے آثار
 دوسروں کے آثار سے ممتاز ہوئے۔

۱۳۔ اسی میں ہے، صفحہ ۵۷:

ان قام المعرفة لروحہ تحدیق و عناية بكل شئی من
 طريقة و مذهبہ و سلسلہ و نسبہ و قرابتہ و اکل ما یلیہ و ینسب
 الیہ و عنایتہ ہذہ یختلط بہا عناية الحق۔

جب وہ مقام معرفت پر فائز ہوتا ہے تو اس کی روحانی عنایت اس کی

ہر چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس کے طریقے، اس کے مذہب، سلسلے، نسب قرابت، غرضکہ ہر اس چیز کی طرف ہو جاتی ہے جسے اس سے تعلق ہوتا ہے، اور اس کی عنایت کے ساتھ عنایت الہیہ بھی مل جاتی ہے۔ م
۱۵۔ یہی شاہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں۔

ازیں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت
قبرو ایشاں والتزام فاتحہ خواندن و صدقہ و ادن برائے ایشاں
و اعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار و اولاد و منتسبان ایشاں۔
اس سے معلوم ہوا کہ پابندی سے مشائخ کا عرس
منانا، ان کی قبروں کی پابندی سے زیارت کرنا، فاتحہ،
صدقہ، اور ان کے آثار، اولاد اور نسبت رکھنے والوں سے
مکمل توجہ کا برتاؤ کرنا۔ م

۱۶۔ انھیں شاہ صاحب کی انفاس العارفین میں ہے: در
حرمین، شخصے از بزرگان خود کلاہ حضرت غوث الثقلین تبرک یافتہ
بود۔ شبے در واقعہ حضرت غوث الاعظم را دید کہ می فرمانید کہ ایں
کلاہ بہ ابو القاسم اکبر آبادی برساں۔ آں شخص برائے امتحان یک
جہہ قیمتی ہمراہ آں کلاہ کردہ گفت کہ ایں ہر دو تبرک حضرت غوث
الاعظم ہستید، حکم شد کہ بہ شمار سانم۔ حضرت شاں بسیار خوش شدہ
گرفتند، آں شخص گفت کہ برائے شکر حصول ایں تبرک اہل شہر را
عوت کدید، فرمودند کہ وقت صبح بیایید، مردمان بسیار بوقت صبح
آمدند و طعام ہائے خوب خوردند و فاتحہ خواندند بعد ازاں پرسیدند
کہ شما مرد فقیر ہستید ایں قدر طعام از کجا آمد، فرمود کہ جبہ را فرد

ختم و تبرک را نگاہ داشتیم، ہمہ گفت کہ اللہ الحمد کہ تبرک بہ مستحق
رسید۔ (انفاس العارفین مترجم اُردو ص ۷۷، اسلامک بک
فاؤنڈیشن لاہور)

حرمین میں ایک شخص (جو اپنے ہی بزرگوں میں سے تھا) کے
پاس غوث الثقلین کی ٹوپی تھی۔ ایک رات اس نے خواب
میں غوث الاعظم کو دیکھا، فرما رہے تھے، یہ ٹوپی ابو القاسم اکبر
آبادی کو پہنچا دو، اس شخص نے بطور آزمائش ایک قیمتی جہ بھی اس
ٹوپی کے ہمراہ کر دیا، اور کہا یہ دونوں تبرکات آپ کو غوث اعظم نے
بھجوائے ہیں۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ اس شخص نے کہا، ان تبرکات
کے ملنے کی خوشی میں اہل شہر کی دعوت کیجئے۔ فرمایا، صبح آنا، صبح بہت
لوگ آئے اور خوب کھانے کھائے، اور فاتحہ پڑھی، اس کے بعد
دریافت کیا، آپ تو فقیر منش لوگ ہیں، اتنا کھانا کہاں سے آیا،
فرمایا، تبرک تو میں نے حفاظت سے رکھا اور جہ فروخت کر کے
دعوت کی۔ وہ شخص بولے، خدا کا شکر ہے، تبرک مستحق کو پہنچا۔ م

اسی طرح صدہا عبارات ہیں، جن کے حصر و استقصاء میں محل طمع
نہیں۔ یہ سب ایک طرف، فقیر غفر اللہ تعالیٰ کہ حدیث سے ثابت کرے کہ
خود حضور پرورد سید یوم النشور افضل صلوات اللہ تعالیٰ و اجل تسلیمات علیہ و علی
و ذریۃ آثار مسلمین سے تبرک فرماتے وللہ الحجة البالغة۔ طبرانی معجم
اوسط اور ابو نعیم حلیہ میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم
رضی اللہ تعالیٰ نہما سے راوی:

۱۔ مکمل طور پر بیان ۲۔ م

قال كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يبعث الى

المطاهر فيوتى بالماء فيشربه يرجوبه بر كته ايدى المسلمين
(الاجم الاوسط، حديث ٤٩٨، ١/٢٢٣، رياض)

یعنی، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طہارت
گاہوں، مثل حوض وغیرہ سے جہاں اہل اسلام وضو کیا کرتے پانی منگا کر نوش
فرماتے اور اس سے مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت لینا چاہتے۔ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وکرم۔

علامہ عبدالرؤف مناوی، تیسیر ج ۲ صفحہ ۲۶۹ پھر علامہ علی ابن احمد
عزیزی، سراج المنیر ج ۳ صفحہ ۱۴۷ شروح جامع صغیر میں اس حدیث کی
نسبت فرماتے ہیں بہ اسناد صحیح۔ علامہ محمد حنفی اپنی تعلیقات علی الجامع (ج ۳ ص
۱۵۱) میں فرماتے ہیں:

يرجوا به بركة الخ لانهم محبوبون لله تعالى بدليل ان الله
يحب التوابين و يحب المطهرين

یعنی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقیہ آب وضوئے مسلمین میں
اس وجہ سے اس امید برکت رکھتے کہ وہ محبوبان خدا ہیں،، قرآن مجید میں
فرمایا۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا
ہے طہارت والوں کو۔

الله اكبر الله اكبر الله اعلى واجل اكبر.

یہ حضور پر نور سید المبارکین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جن کی خاک
نعلین پاک تمام جہان کے لئے تبرک، دل و جاں و سرمہ چشم دین و ایمان

ہے، وہ اس پانی کو جس میں مسلمانوں کے ہاتھ دھلے تبرک ٹھہرائیں اور اسے منگا کر بہ غرض حصول برکت نوش فرمائیں، حالانکہ واللہ مسلمانوں کے دست و زبان و دل و جان میں جو برکتیں ہیں سب انھیں نے عطا فرمائیں، انھیں کے نعلین پاک کے صدقے میں ہاتھ آئیں۔ یہ سب تعلیم امت و تنبیہ مشغولان خواب غفلت کے لئے تھا، کہ یوں نہ سمجھیں تو اپنے مولیٰ و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سن کر بیدار اور برکت آثار اولیاء و علماء کے طلب گار ہوں، پھر کیسا جاہل و محروم وہ فافہم طوم کہ محبوبان خدا کے آثار کو تبرک نہ جانے اور اس سے حصول برکت نہ مانے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین محمد و آلہ و صحبہ و اولیائہ و علمائہ و امتہ و حزبہ اجمعین امین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل سوم

مسئلہ غرہٴ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلے میں کہ تبرک آثار شریفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیسا اور اس کے لئے ثبوت یقینی درکار ہے، یا صرف شہرت کافی ہے، اور نعلین شریفین کی تمثال کو بوسہ دینا کیسا ہے اور اس سے توسل جائز ہے یا نہیں، اور بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ تمثال نعل شریف کے اوپر بعد بسم اللہ کے لکھتے ہیں اللہم ارنی بركة صاحب ہذین النعلین الشریفین اور اس کے نیچے، دعائے حاجت لکھتے ہیں، یہ کیسا ہے بینوا توجروا۔

۱۔ تصویر۔ م

۲۔ ربیع الاول کی پہلی تاریخ م

الجواب:

فی الواقع آثار شریفہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک سلفاً و خلفاً زمانہ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک بلا تکلیف رائج و معمول اور بہ اجماع مسلمین مندوب و محبوب، بکثرت احادیث صحیحہ و صحیح بخاری و مسلم و غیرہما صحاح و سنن و کتب حدیث اس پر ناطق جن میں بعض کی تفصیل فقیر نے کتاب البارقة الشارقة علی مارقة المشارقة میں ذکر کی اور ایسی جگہ ثبوت یقینی یا سند محدثانہ کی اصلاً حاجت نہیں، اس کی تحقیق و تنقیح کے پیچھے پڑنا اور بغیر اس کے تعظیم و تبرک سے باز رہنا سخت محرومی و کم نصیبی ہے۔ آئمہ دین نے صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے اس شے کا معروف ہونا کافی سمجھا ہے۔ امام قاضی عیاض شفا شریف (ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ ملتان) میں فرماتے ہیں:

من اعظامہ و اکبارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ و اکرام مشاہدہ و امکنتہ من مکة و المدينة و معاہدہ و ما لمسہ علیہ الصلاة والسلام او عرف بہ:

آپ کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ بھی کہ آپ کے تمام متعلقات، اور آپ سے متعلق تمام مقامات مکہ، مدینہ اور تمام ان چیزوں کی تعظیم کی جائے جن کو آپ نے مس کیا ہو یا جن کا تعلق آپ سے معروف ہو۔ م

اسی طرح طبقہ فطیقہ، شرقاً غرباً، عجماً عرباً، علمائے دین و آئمہ معتمدین نعل مطہر حضور سید البشر علیہ افضل الصلاة و اکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے، کتابوں میں تحریر فرماتے آئے، اور انھیں بوسہ دینے، آنکھوں سے

لگانے، سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے اور دفع امراض و حصول اغراض میں اس سے توسل فرمایا کئے اور بفضل الہی عظیم و جلیل برکات و آثار اس سے پایا کئے۔ علامہ ابو الیمن ابن عساکر و شیخ ابوالفتح ابراہیم بن محمد بن خلف سلمیٰ وغیرہا علمائے نے اس باب میں مستقل کتابیں تصنیف کیں اور علامہ احمد مقری کی فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلہ میں اجماع و نفع تصانیف سے ہے۔ محدث علامہ ابوالریج، سلیمان بن سلیم کلاعی و قاضی شمس الدین ضعیف اللہ رشیدی و شیخ فتح اللہ بیلونی حلبی معاصر علامہ مقری و سید محمد موسیٰ حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح و شیخ محمد بن فرج سبہتی و شیخ محمد بن رشید فہری سبہتی و علامہ احمد بن محمد تلمسانی، موصوف و علامہ ابو الیمن ابن عساکر و علامہ ابو الحکم مالک بن عبدالرحمن بن علی مغربی و امام ابوبکر احمد ابن امام ابو محمد عبداللہ بن حسین انصاری قرطبی و غیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نقشہ نعل مقدس کی مدح میں قصائد عالیہ تصنیف فرمائیے ان سب میں اسے بوسہ دینے، سر پر رکھنے کا حکم و استحسان مذکور اور یہی مواہب لدنیہ امام علامہ احمد قسطلانی و شرح مواہب علامہ زرقانی وغیرہما کتب جلیلہ میں مسطور و قد اُکثر ذلک فی کتابنا المذكور۔

علماء فرماتے ہیں جس کے پاس یہ نقشہ متبرکہ ہو ظلم ظالمین و شر شیاطین و چشم زخم حاسدین سے محفوظ رہے، عورت درِ روزہ کے وقت اپنے داسنے ہاتھ میں لے، آسانی ہو۔ جو ہمیشہ پاس رکھے نگاہ خلق میں معزز ہو، زیارت روضہ مقدس نصیب ہو یا خواب میں زیارت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہو۔ جس لشکر میں ہونہ بھاگے جس قافلے میں ہونہ لٹے، جس

۱۔ اور ہم نے اس کے اکثر کا خلاصہ اپنی مذکورہ کتاب میں کر دیا ہے۔ م

کشتی میں ہونہ ڈوبے، جس مال میں ہونہ چرے، جس حاجت میں اس سے توسل کیا جائے پوری ہو۔ جس مراد کی نیت سے پاس رکھیں حاصل ہو۔ موضع درد و مرض پر اسے رکھ کر شفا نین ملی ہیں۔ مہلکوں، مصیبتوں میں اس سے توسل کر کے نجات و فلاح کی راہیں کھلی ہیں۔

اس باب میں حکایات صلحاء و روایات علماء بکثرت ہیں کہ امام تلسمانی وغیرہ نے فتح المتعال وغیرہ میں ذکر فرمائیں، اور بسم اللہ شریف اس پر لکھنے میں کچھ حرج نہیں، اگر یہ خیال کیجئے کہ نعل مقدس قطعاً تاج فرق اہل ایمان ہے مگر اللہ عزوجل کا نام و کلام ہر شے سے اجل و اعظم و ارفع و اعلیٰ ہے یوں ہی تمثال میں بھی احتراز چاہیے۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نام الہی یا بسم اللہ شریف حضور کے نعل اقدس پر لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے، مگر اس قدر ضروری ہے کہ نعل بحالت استعمال و تمثال محفوظ عن الابدال میں تفاوت بدیہی ہے، اور اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانوران صدقہ کی رانوں پر جس فی سبیل اللہ داغ فرمایا تھا، حالانکہ ان کی رانیں بہت محل بے احتیاطی ہیں بلکہ سنن داری شریف (ج ۱ ص ۱۰۵) میں ہے۔

اخبرنا مالک بن اسمعيل ثنا مندل بن علي الغزي حدثني جعفر بن ابی المغيرة عن سعيد بن جبیر قال كنت اجلس الى ابن عباس فاكتب في الصحيفة حتى تمتلئ ثم اقلب نعلي فاكتب في ظهورهما والله تعالى اعلم و علمه جل مجده اتم و احکم۔

۱۔ اللہ کی راہ میں روکے ہوئے۔ م

مالک بن اسماعیل نے اپنی سند سے سعید بن جبیر سے روایت کی، انہوں نے فرمایا، میں حضرت ابن عباس کے بیٹھتا تھا اور صحیفہ پر لکھتا تھا، جب وہ پر ہو جاتا تھا تو میں اپنی جوتی پلٹ کر اس کی پشت پر لکھ لیتا تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ م

فصل چہارم

مسئلہ: مسئلہ حضرت سید حبیب اللہ زعمی دمشقی طرابلسی جیلانی وارد حال بریلی۔ ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ جو لوگ تبرکات شریف بلا سند لاتے ہیں، ان کی زیارت کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کل مصنوعی تبرکات زیادہ لئے پھرتے ہیں، یہ ان کا کہنا کیسا ہے اور جو زائر کچھ نذر کرے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خود مانگے اس کا مانگنا کیسا ہے؟ بینوا تو جو روا۔

الجواب:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار و تبرکات شریفہ کی تعظیم دین مسلمان کا فرض عظیم ہے۔ تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن عظیم میں ہے، جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے اس میں کیا تھا۔
بَقِيَّةُ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ ط (رد المحتار، کتاب

الحظروالا باحة)

موسیٰ و ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور حضرت

ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ وغیرہا ولہذا تواتر سے ثابت کہ جس چیز کو کسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا، صحابہ و تابعین و آئمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم و حرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے۔ اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی، کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں بلکہ جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعار دین سے ہے۔ شفا شریف و مواہب لدنیہ و مدارج شریف وغیرہا میں ہے۔

من اعظامہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظام جمیع

اسبابہ و ما لمسه او عرف بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۲/۴۷، ۴۸)

یعنی، رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جن کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ علاقہ ہو اور جنہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوا ہو یا جو حضور کے نام پاک سے مشہور ہوں۔

یہاں تک کہ برابر آئمہ دین و علمائے معتمدین نعل اقدس کی شبیہ و مثال کی تعظیم فرماتے رہے اور اس سے صدہا عجیب مددیں پائیں، اور اس کے باب میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جب نقشے کی یہ برکت و عظمت ہے تو خود نعل اقدس کی عظمت و برکت کو خیال کیجئے پھر ردائے اقدس و ختہ مقدسہ و عمامہ مکرمہ پر نظر کیجئے۔ پھر ان تمام آثار و تبرکات شریفہ سے ہزاروں درجے اعظم و اعلیٰ و اکرم و اولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناخن پاک کا تراشہ ہے کہ یہ سب ملبوسات تھے اور جزء بدن والا

۱۔ چادر شریف

ہے اور اس سے اجل و اعظم و ارفع و اکرم حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک کا موئے ۱۰ مطہر ہے۔ مسلمان کا ایمان گواہ ہے کہ ہفت آسمان و زمین ہرگز اس ایک موئے مبارک کی عظمت کو نہیں پہنچتے اور ابھی تصریحات آئمہ سے معلوم ہو گیا کہ تعظیم کے لئے نہ یقین درکار ہے نہ کوئی خاص سند بلکہ صرف نام پاک سے اس شے کا اشتہار کافی ہے۔ ایسی جگہ بے ادراک سند تعظیم سے باز نہ رہے گا مگر بیمار دل پر آزار دل جس میں نہ عظمتِ شانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروجہ کافی نہ ایمان کامل۔ اللہ عز و جل فرماتا ہے۔

إِنْ يَكْ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ، وَإِنْ يَكْ صَادِقًا يُصِبْكُمْ
بَعْضُ الَّذِي يَعِدْكُمْ (پ ۲۳ المؤمن آیت ۲۸)

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر اور اگر وہ سچا ہے تو تمہیں پہنچ جائیں گے بعض وہ عذاب جن کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔ اور خصوصاً جہاں سند بھی موجود ہو پھر تو تعظیم و اکرام و تکریم سے باز نہیں رہ سکتا۔ مگر کوئی کھلا کافر یا چھپا منافق والعیاذ باللہ تعالیٰ، اور یہ کہنا کہ آج کل اکثر لوگ مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں، اگر یوہیں مجمل بلا تعین شخص ہو، یعنی کسی شخص پر اس کی وجہ سے الزام یا بدگمانی مقصود نہ ہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں اور بلا ثبوت شرعی کسی خاص شخص کی نسبت حکم لگا دینا کہ یہ انہیں میں سے ہے جو مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں، ضرور ناجائز و گناہ و حرام ہے، کہ اس کا منشا صرف بدگمانی ہے اور بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۲ بال شریف - م

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بخاری کتاب الوصایا ج ۱ ص ۳۸۴، مسلم کتاب البر والصلة، ۳۱۶/۲)

بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔
آئمہ دین فرماتے ہیں:

انما ينشوء الظن الخبيث من القلب الخبيث

خبیث گمان خبیث دل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

تبرکات شریفہ جس کے پاس ہوں ان کی زیارت کرنے پر لوگوں سے اس کا کچھ مانگنا سخت شنیع ہے۔ جو تندرست ہو، اعضا صحیح رکھتا ہو، نوکری خواہ مزدوری اگرچہ ڈلیا ڈھوتے کے ذریعے سے روٹی کما سکتا ہو اسے سوال کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوى (مسند امام احمد بن

حنبل، ج ۲ ص ۱۹۲، بیروت)

غنی یا سکت والے تندرست کے لئے صدقہ حلال نہیں۔

علماء فرماتے ہیں:

ما جمع السائل بالتكدي فهو الخبيث

(رد المحتار کتاب الکرمیۃ)

سائل جو کچھ مانگ کر جمع کرتا ہے وہ خبیث ہے۔

اس پر ایک تو شاعت یہ ہوئی، دوسری شاعت سخت تر یہ ہے کہ دین کے نام سے دنیا کماتا ہے اور یَشْتَرُونَ بِأَيْشِي فَمَنَا قَلِيلًا کی قبیل میں داخل ہوتا ہے۔ تبرکات شریفہ بھی اللہ عزوجل کی نشانیوں سے عمدہ نشانیاں

ہیں، ان کے ذریعے سے دنیا کی ذلیل قلیل پونجی حاصل کرنے والا دنیا کے بدلے دین بیچنے والا ہے۔ شناعیت سخت تر یہ ہے کہ اپنے اس مقصد فاسد کے لئے تبرکات شریفہ کو شہر بہ شہر، در بہ در لئے پھرتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہ آثار شریفہ کی سخت توہین ہے۔

خلیفہ ہارون رشید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دار الحجۃ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی تھی، کہ ان کے یہاں جا کر خلیفہ زادوں کو پڑھا دیا کریں۔ ارشاد فرمایا کہ میں علم کو ذلیل نہ کروں گا، انھیں پڑھنا منظور ہے تو خود حاضر ہوا کریں، عرض کی وہیں حاضر ہوں گے مگر اور طلباء پر ان کو تقدیم دی جائے۔ فرمایا یہ بھی نہ ہوگا، سب یکساں رکھے جائیں گے۔ آخر خلیفہ کو یہی منظور کرنا پڑا۔ یونہی امام شریک نخعی سے خلیفہ وقت نے چاہا تھا کہ ان کے گھر جا کر شہزادوں کو پڑھا دیا کریں۔ آپ نے انکار کیا۔ خلیفہ نے کہا، آپ امیر المومنین کا حکم ماننا نہیں چاہتے۔ فرمایا، یہ نہیں بلکہ میں علم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔

رہا یہ کہ بے اس کے مانگے زائرین کچھ اسے دیں اور یہ لے اس میں تفصیل ہے۔ شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ ہے المعہود عرفاً کالمشروط لفظاً جو لوگ تبرکات شریفہ شہر بشہر لئے پھرتے ہیں ان کی نیت و عادت قطعاً معلوم کہ اس کے عوض تحصیل زر و جمع مال چاہتے ہیں۔ یہ قصد نہ ہو تو کیوں دور دراز سفر کی مشقت اٹھائیں، ریلوں کے کرائے دیں۔ اگر کوئی ان میں زبانی کہے بھی کہ ہماری نیت فقط مسلمانوں کو زیارت سے بہرہ مند کرنا ہے تو ان کا حال ان کے قال کی صریح تکذیب کر رہا ہے ان میں علی العموم لوگ ہیں، جو ضروری ضروری طہارت و صلوٰۃ سے بھی آگاہ نہیں۔ اس فرض قطعی کے حاصل کرنے کو کبھی دس پانچ کوس یا شہر ہی کے کسی عالم کے

۱۔ جو چیز عرفاً طے شدہ ہوتے ہیں وہ لفظاً مشروط کی طرح ہے۔ م

پاس گھر سے آدھ میل جانا پسند نہ کیا۔ مسلمانوں کو زیارت کرانے کے لئے ہزاروں کوس سفر کرتے ہیں۔ پھر جہاں زیارتیں ہوں اور لوگ کچھ نہ دیں، وہاں ان صاحبوں کے غصے دیکھئے۔ پہلا حکم یہ لگایا جاتا ہے، کہ تم لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ محبت نہیں، گویا ان کے نزدیک محبت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ایمان اسی میں منحصر ہے کہ حرام طور پر کچھ ان کی نذر کر دیا جائے، پھر جہاں کہیں ملے بھی مگر ان کے خیال سے تھوڑا ہو، ان کی سخت شکایتیں اور مذمتیں ان سے سن لیجئے، اگرچہ وہ دینے والے صلحاء و علماء ہوں اور مال حلال سے دیا ہو۔ اور جہاں پیٹ بھر کے مل گیا، وہاں لمبی چوڑی تعریفیں لے لیجئے، اگرچہ وہ دینے والے فساق، فجار بلکہ بد مذہب ہوں اور مال حرام سے دیا ہو، تو قطعاً معلوم ہے کہ وہ زیارت نہیں کراتے مگر لینے کے لئے اور زیارت کرانے والے بھی جانتے ہیں کہ ضرور کچھ دینا پڑے گا، تو اب یہ صرف سوال ہی نہ ہوا بلکہ بحسب عرف زیارت شریفہ پر اجارہ ہو گیا، اور وہ بہ چند وجہ حرام ہے۔ اولاً زیارت آثار شریفہ کوئی ایسی چیز نہیں جو زیر اجارہ داخل ہو سکے:

كما صرح به في رد المختار وغيره ان ما يؤخذ من
النصارى على زیارت بیت المقدس حرام و هذا اذا كان حراما
اخذہ من كفار دور الحرب كالروم وغيره هم فكيف من
المسلمين ان هو الا ضلال مبين۔

جیسے در مختار وغیرہ میں ہے کہ بیت المقدس کی زیارت کے سلسلے میں
نصاری سے جو لیا جاتا ہے وہ حرام ہے، تو جب دار الحرب کے کافروں سے،

جیسے رومی وغیرہم سے لینا حرام ہے تو مسلمانوں سے لینا کیسے جائز ہو، یہ تو کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

ثانیاً اجرت مقرر نہیں ہوتی۔ کیا دیا جائے گا۔ اور جو اجارے شرعاً جائز ہیں، ان میں بھی اجرت مجہول رکھی جانا اسے حرام کر دیتا ہے نہ کہ جو سرے سے حرام ہے کہ حرام در حرام ہوا اور یہ حکم جس طرح گشتی صاحبوں کو شامل ہے، مقامی حضرات بھی اس سے محفوظ نہیں جبکہ اسی نیت سے زیارت کراتے ہوں، اور ان کا یہ طریقہ معلوم و معروف ہو۔ ہاں اگر کسی بندہ خدا کے پاس کچھ آثار شریفہ ہوں اور وہ انھیں بہ تعظیم اپنے مکان میں رکھے اور جو مسلمان اس کی درخواست کرے محض لوجہ اللہ اسے زیارت کرا دیا کرے، کبھی کسی معاوضے، نذرانے کی تمنا نہ رکھے، پھر اگر وہ آسودہ حال نہیں اور مسلمان بطور خود قلیل یا کثیر بنظر اعانت اسے کچھ دے تو اس کے لئے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں، باقی گشتی صاحبوں کو عموماً اور مقامی صاحبوں میں خاص ان کو جو اس امر پر اخذ نذور کے ساتھ معروف و مشہور ہیں، شرعام جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی، مگر ایک وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو توفیق دے نیت اپنی درست کریں اور شرط عرفی کے رد کے لئے صراحۃً اعلان کے ساتھ ہر چلے میں کہہ دیا کریں کہ مسلمانوں یہ آثار شریفہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا فلاں دلی معزز و مکرم کے ہیں، کہ محض خالصاً لوجہ اللہ تمہیں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے، ہرگز ہرگز کوئی بد لایا معاوضہ مطلوب نہیں اس کے بعد اگر مسلمان کچھ نذر کریں تو اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ میں ہے: **ان الصریح یفوق الدلالة**

۱۔ بیشک صریح دلالت سے بالاتر ہے۔

اور اس کی صحت نیت پر دلیل یہ ہوگی کہ کم پر ناراض نہ ہو، بلکہ اگر جلسے گزر جائیں، لوگ فوج فوج زیارتیں کر کے یونہی چلے جائیں اور کوئی پیسہ نہ دے جب بھی اصلاً دل تنگ نہ ہو اور اسی خوشی اور شادمانی کے ساتھ مسلمانوں کو زیارت کرایا کرے۔ اس صورت میں یہ لینا دینا دونوں جائز و حلال ہوں گے اور زائرین کو مزدور دونوں اعانت مسلمین کا ثواب پائیں گے۔ اس نے سعادت و برکت دے کر ان کی مدد کی، انھوں نے دنیا کی متاعِ قلیل سے فائدہ پہنچایا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ. رواہ مسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ج ۲ ص ۲۲۴، باب استحباب الرقیۃ من العین الخ)

تم میں جس سے ہو سکے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچائے تو اسے چاہئے کہ نفع پہنچائے: (مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی پہلی فصل) اور فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

اللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیه:

(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء، در باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن)

اللہ اپنے بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے۔ (رواہ الشیخان)

علی الخصوص جب یہ تمکات والے حضرات سادات کرام ہوں تو اب ان کی خدمت اعلیٰ درجے کی برکت و سعادت ہے۔ حدیث میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جو شخص اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور

۲ زیارات کرانے والا۔ م

اس کا صلہ دنیا میں نہ پائے۔ میں بہ نفس نفیس روز قیامت اس کا صلہ عطا فرماؤں گا۔“

اور اگر زیارت کروانے والے کو اس کی توفیق نہ ہو تو زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ خود ان سے صاف صراحۃً کہہ دے کہ نذر کچھ نہیں دی جائے گی۔ خالصاً لوجہ اللہ اگر آپ زیارت کراتے ہیں، کرایے۔ اس پر اگر وہ صاحب نہ مانیں، ہرگز زیارت نہ کرے، کہ زیارت ایک مستحب ہے اور یہ لین دین حرام۔ کسی مستحب شے کے حاصل کرنے کے واسطے حرام کو اختیار نہیں کر سکتے۔ اشیاء و نظائر (۱۸۹/۱) وغیرہا میں ہے۔ لما حرم اخذہ حرم اعطاؤہ۔ درمختار میں ہے۔ ۲۔ الاخذ والمنعطی الثمان۔ اسی درمختار میں تصریح ہے کہ جو سندرست ہو اور کسب پر قادر ہو اسے دنیا حرام ہے، کہ دینے والے اس سوال حرام پر اس کی اعانت کرتے ہیں، اگر نہ دیں خواہی نحوای عاجز ہو اور کسب کرے اور اگر اس کی غرض زیارت کرنے والے صاحب نے قبول کر لی تو اب سوال واجرت کا قدم درمیان سے اٹھ گیا، بے تکلف زیارت کرے، دونوں کے لئے اجر ہے، اس کے بعد حسب استطاعت ان کی نذر کر دے۔ یہ لینا دینا دونوں کے لئے حلال اور دونوں کے لئے اجر ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ فقیر کا بھی معمول ہے اور توفیق خیر اللہ تعالیٰ سے مستول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

۱۔ جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔ ۲۔ دینے اور لینے والا دنوں گنہگار ہیں۔ م

فصل پنجم

مسئلہ بتاریخ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ

جناب من ایک نئی بات سنی گئی ہے، اس کی بابت عرض کرتا ہوں۔

اطمینان فرمائیے۔

سوال: نقل روضہ منورہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور نقل روضہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تعزیئے میں کیا فرق ہے، شرعاً کس کی تعظیم کم و بیش کرنا چاہیے، اعلیٰ کون افضل ہے۔ اور زیارت کرنا نقل روضہ منورہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درست ہے یا نہیں، یعنی نقل روضہ منورہ کو جو مقبول حسین خاں کے یہاں ہے، بعض لوگ یوں کہتے ہیں، کہ کاریگری کی کاریگری دیکھ لو، لفظ زیارت کا کہنا اور وقت زیارت درود شریف پڑھنا اور مثل اصل کے تعظیم کرنا نا درست ہے، ہرگز نہیں چاہیے۔ اتنا کہنا تو مثل کی نسبت درست کہتے ہیں، لا بالکل تعظیم کرنا محض برا بتاتے ہیں اور ایسے کرنے والے کو مثل ہنود کے جانتے ہیں۔ اس کا کیا جواب ہے۔

الجواب:

روضہ منورہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقل صحیح بلاشبہ معظمت دیدیہ سے ہے۔ اس کی تعظیم و تکریم بروجہ شرعی ہر مسلمان صحیح الایمان کا مقتضائے ایمان ہے۔

ع اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

ب میری مراد یہ ہے۔ م

اس کی زیارت بہ آداب شریعت اور اس وقت درود شریف کی کثرت ہر مومن کی شہادت قلب و ہدایت عقل سے مستحب و مطلوب ہے۔ علامہ تاج فاکہانی فخر منیر میں فرماتے ہیں:

من فوائد ذلك ان من لم يمكنه زيارة الروضة فليذر مثاليها فليستلمه مشتاقا لانه ناب مناب الاصل كما قد ناب مثال نعله الشريفة مناب عينها في المنافع والخصوص لشهادة التجربة الصحيحة ولذا جعلوا له من الاكرام والاحترام ما يجعلون للمنوب عنه.

یعنی، روضہ مبارک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقل میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ اقدس کی زیارت نہ ملے، وہ اس کی زیارت کرے اور شوق دل کے ساتھ اسے بوسہ دے، کہ یہ نقل اسی اصل کی قائم مقام ہے جس پر صحیح تجربہ گواہ ہے، وہ لہذا علمائے دین نے اس کی نقل کا اعزاز و اکرام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں۔

اسی طرح دلائل الخیرات و مطالع المسرات وغیرہا معتبرات میں ہے۔ اس بحث کی تفصیل جمیل فقیر کے رسالہ ”شفاء الوالہ فی صور الحبيب“ ۱۳۱۵ھ و مزارہ و نعالہ میں ہے۔ یہاں لفظ زیارت کی ممانعت محض جہالت ہے۔ اور معاذ اللہ درود شریف کی ممانعت اور سخت حماقت اور صراحت شریعت مطہرہ پر افتراء و تہمت ہے۔ علامہ طاہر فتنی، مجمع البحار میں اپنے استاذ حضرت عارف باللہ سیّدی علی متقی مکی، وہ اپنے استاد امام ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں۔

من استيقظ عند اخذ الطيب وشمه الى ما كان عليه صلى
الله تعالى عليه وسلم من محبته للطيب و عليه وسلم لما وقر في
قلبه من جلالته و استحقاقه على كل امته ان يلحظوا بعين نهاية
الاجلال عند روية شئ من اثاره او ما يدل عليها فهوات بما له
فيه اكمل الثواب الجزيل و قد استحبه العلماء لمن رأى شئاً من
آثاره صلى الله تعالى عليه وسلم، ولا شك ان من استحضر ما
ذكرته عند شمه للطيب يكون كالرائي بشئ من اثاره الشريفة في
المعنى فليس به الا اكثار من الصلاة و السلام عليه صلى الله
تعالى عليه وسلم حينئذ اه مختصراً۔ (مجمع بحار الانوار ج ۵ ص ۲۳۷)

جس شخص نے خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت حضور کی خوشبو سے محبت کو یاد
کیا اور آپ پر درود و سلام پڑھا، کیونکہ اس کے دل میں آپ کی عظمت و
وقار کا جذبہ تھا اور اسی وجہ سے وہ آپ کے آثار شریفہ کو عزت کی نگاہ سے
دیکھتا تھا، تو اس نے بڑے ثواب کا کام کیا اور درود شریف کو علمائے نے اس
کے لئے مستحب قرار دیا ہے، جو آپ کے آثار شریفہ میں کسی کا ملاحظہ کرے،
اور ظاہر ہے کہ خوشبو سونگھتے وقت حضور کی یاد کرتا ہے وہ معنی آپ کے آثار
شریفہ کا ملاحظہ کرتا ہے اس لئے اسے اس وقت بہ کثرت درود شریف پڑھنا
چاہئے۔ م

اسی ارشاد جمیل میں صاف تصریح جلیل ہے کہ تمام امت پر رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے آثار شریفہ سے کوئی چیز دیکھیں یا شے دیکھیں، جو حضور کے آثار

شریفہ سے کسی چیز پر دلالت کرتی ہو، تو اس وقت کمال ادب و تعظیم کے ساتھ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور لائیں اور درود شریف کی کثرت کریں، ولہذا جو خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت یاد کرے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے دوست رکھتے تھے، وہ بھی گویا معنی آثار شریفہ کی زیارت کر رہا ہے اسے اس وقت درود پڑھنے کی کثرت مسنون ہونی چاہیے، تو نقل روضہ مبارک صاف صاف مایدل علیہا میں داخل ہے، اس کی زیارت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حضور پر درود و تسلیم کیوں نہ مستحب ہوگی۔ ایسی تعظیم کرنے والے کو معاذ اللہ کفار و مشرکین کے مثل بتانا سخت ناپاک کلمہ بے باک ہے۔ قائل جاہل پر توبہ فرض ہے، بلکہ از سر نو کلمہ اسلام کی تجدید کر کے، اپنی عورت سے نکاح دوبارہ کرے کہ اس نے بلا وجہ مسلمانوں کو مثل کفار بتایا۔

رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكَفْرِ وَ قَالَ عَدُوَّ اللَّهِ وَ لَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا جَارَ عَلَيْهِ: رواه الشيخان عن أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ متفق عليه، (مشکوٰۃ کتاب الاداب باب حفظ اللسان، پہلی فصل)

جس نے کسی شخص کا کافر کہا اور دشمن خدا کہا اور ایسا نہیں ہے تو یہ

کلمہ اس پر جاری ہوگا۔ اسے شیخین نے ابوذر سے روایت کیا۔ م

یوں ہی اگر روضہ شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیٰ جدہ الکریم و علیہ کی صحیح نقل بنا کر محض بہ نیت تبرک بے آمیزش منکرات شرعیہ مکان میں رکھتے تو شرعاً کوئی حرج نہ تھا، مگر حاشا تعزیر

ہرگز اس کی نقل نہیں، نقل ہونا درکنار، بنانے والوں کو نقل کا قصد بھی نہیں۔ ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت جسے اس اصل سے نہ کچھ علاقہ نہ نسبت۔ پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بے ہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ و دشت بہ دشت اشاعتِ غم کے لئے ان کا گشت، اور اس کے گرد سینہ زنی، ماتم سازی کی شور افگنی، حرام مرثیوں سے نوحہ کنی، عقل و نقل سے کٹی چھنی۔ کوئی ان کچھیوں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغول طواف، کوئی سجدے میں گرا ہے، کوئی اس مایہ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا ہے، منتیں مانتا ہے، عرضیاں باندھتا، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے باجے تاشے، مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں۔ غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بے ہودہ رسموں نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ پھر وبال ابتداء کا وہ جوش ہوا، کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا، ریا و تفاخر اعلانیہ ہوتا ہے، پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے۔ روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں، رزق الہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔ پیسے مٹی ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اضاعت ہو رہی ہے، مگر نام تو ہو گیا، کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔ اب بہار عشرہ کے پھول کھلے۔ تاشے باجے بجتے چلے۔ رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن فاسقانہ۔ یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا، یہ ساختہ ڈھانچہ بعینہا حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں۔

ع اے مومنو اٹھاؤ جنازہ حسین کا

گاتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے وہاں کچھ نوج اتار باقی توڑتاڑ دفن کر دیئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جدا گانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کرام کربلا علیہم الرضوان والٹما کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے آمین۔

تعزیه داری کہ اس طریقہ نا مرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ان خرافات کے شیوع نے اصل مشروع کو بھی اب محذور مخطور کر دیا کہ اس میں اہل بدعت سے مشابہت اور تعزیه داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے۔ وما یؤدی الی مخطور مخطور۔ حدیث شریف میں ہے:

اتقوا مواضع التهم، (تہمت کی جگہوں سے پرہیز کرو) لہذا دربارہ کربلائے معلیٰ اب صرف کاغذ پر صحیح نقشہ لکھا ہوا محض بہ قصد تبرک بے آمیزش منہیات پاس رکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضا البریلوی

عفی عنہ بالنبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَتِيَانُ الْاَرْوَاحَ لِذِيَارِهِمْ بَعْدَ الرُّوْحِ

مُؤْمِنِينَ كِي رُوحِيں
اپنے گھروں ميں
آتی ہيں

تصنيف لطيف

ام اہل سنت مجدد عالم دين و نبوت
اعظم حضرت ميرزا قاسم احمد رضا خاں
فاضل دہلوی

تقدیم

اللہ تعالیٰ نے روح کو مرنے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم کے پنجرے سے آزاد ہو جاتی ہے، پھر سعید روحیں تو علین میں چلی جاتی ہیں اور وہ وہاں مقید نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ مقام ان کے لئے دار کرامت ہے، وہ جب چاہتی ہیں بہ اذن الہی جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کفار کی ارواح خبیثہ اگرچہ قفس عنصری سے رہائی پا جاتی ہیں مگر سجن میں مقید کر دی جاتی ہیں۔ ان مسائل کا تعلق ظاہر ہے کہ نہ تو مشاہدات سے ہے اور نہ ہی عقلیات سے، یہ تمام مسائل علوم غیبیہ سے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے بتائے بغیر ہم کو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ زیر نظر رسالے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل فرمایا ہے۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مسئلہ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۱ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے میں کہ جس وقت روح انسان کی اپنے جسم سے پرواز کر جاتی ہے، بعد اس کے پھر بھی کبھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ ثواب کی خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات وغیرہ طعام ہو یا روپیہ پیسہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر روح اپنے مکان پر آتی ہے تو کس کس دن آیا کرتی ہے؟ اور اس سے منکر (یعنی روحوں کے آنے سے انکار کرنے والا) گنہگار ہے یا نہیں؟ اور اگر گنہگار ہے تو کس گناہ میں شامل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

خاتمة المحدثین شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارة القبور میں فرماتے ہیں:

”مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تاہفت روز، تصدق از میت نفع می کند اورا بے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ است در آں احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضی از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد بہ میت را مگر صدقہ و دعا و در بعضی روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند، کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۱۷۰)

الممعات، باب زیارة القبور، مکتبہ نوریہ رضویہ سکمر، ج ۱ ص ۷۱۶

میت کے دنیا سے رخصت ہونے کے سات روز بعد تک اس کی جانب سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میت کی طرف سے صدقہ کرنا بہ اتفاق اہل علم، نفع بخش ہے۔ اس سلسلے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں، خصوصاً پانی، اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ میت کو صدقہ اور دعا کے سوا کچھ نہیں پہنچتا ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح اپنے گھر میں جمعہ کی رات کو آ کر دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم، م شیخ الاسلام کشف الغطاء عما للموتی علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں:

در غرائب و خزانہ نقل کردہ، کہ ارواح مؤمنین می آیند خانہائے خود را ہر شب جمعہ، و روز عید، و روز عاشورہ و شب برأت، پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود و ندائی کنند ہر یکے بہ آواز بلند و نگیں۔ اے اہل و اولاد من، و نزدیکان من مہربانی کنید بر ما بصدقہ الخ (فصل احکام دعا و صدقہ، ص ۶۶)

”غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مؤمنین کی روہیں اپنے گھروں پر ہر جمعہ کی رات، عید کے دن، عاشورے کے دن اور شب برأت کو آتی ہیں اور اپنے گھروں کے باہر غمگین حالت میں کھڑی ہوتی ہیں اور ہر ایک کو بہ آواز بلند و اندوہ ناک پکار کر کہتی ہیں اے میرے اہل و اولاد! اور میرے قریبی رشتہ دارو! مجھ پر برائے مہربانی صدقہ کرو۔“

اسی میں ہے:

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، در شرح الصدور
احادیث ششی در اکثر ازیں اوقات آوردہ، اگرچہ اکثرے
خالی از ضعف نیست“ (فصل احکام دعا و صدقہ، ص ۶۶)

اس عبارت میں اکثر کا لفظ صریح دلالت کر رہا ہے کہ بعض بالکل
ضعف سے خالی ہیں، یعنی بعض ضعیف نہیں۔ تو صاحب ”مایۃ مسائل“ کا
مطلقاً اس کی طرف نسبت کرنا کہ ”ایں روایات را ضعیف ہم فرمودہ اند“
کذب و افتراء ہے، یا جہل و اجتراء اور استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ
الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر جیسا کہ صاحب مائتہ
مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید و سفہ بعید ہے۔ حدیث حسن بھی بالا
جماع حجت ہے۔ غیر عقائد احکام حلال و حرام میں حدیث ضعیف بھی بالا
جماع حجت ہے۔ ہمارے آئمہ کرام حنفیہ و جمہور آئمہ کے نزدیک ہے۔
مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب
مسائل ادنیٰ طلبہ علم پر بھی روشن ہیں اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں
محصور نہ ہونا بھی علم حدیث کے ابجد خوانوں پر بین و مبرہن ہے، طرفہ یہ کہ
خود صاحب مائتہ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگان خاندان
دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی
تصانیف کثیرہ میں تو ... روایات غیر صحاح و روایات طبقہ رابعہ اور ان سے
بھی نازل تر سے استناد کیا ہے، جیسا کہ ان کتب کے ادنیٰ مطالعے سے واضح
و مبین ہے۔

امام اجل عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بہ سند صحیح حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً راوی:

وهذا لفظ ابن المبارک: قال

ان الدنيا جنة الكافر و سجن المؤمن و انما مثل المؤمن حين تخرج نفسه كمثل رجل كان في سجن فخرج منه فجعل يتقلب في الارض و يتفصح فيها۔ (كتاب الزهد لابن المبارک، باب في طلب الحلال، حدیث ۵۹۷، ص ۶۱۱، بیروت)

یعنی بے شک دنیا کافر کے لئے بہشت اور مسلمان کے لئے قید خانہ ہے۔ جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قید خانے میں تھا، اب اس سے آزاد کر دیا گیا، پھر زمین میں گشت کرنے اور با فراغت چلنے پھرنے لگا۔

ابوبکر کی روایت یوں ہے:

فاذا مات المؤمن یخلى به بسرح حيث شاء

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد حدیث ۱۶۵۷، ۱۳/۳۵۵، ادارة القرآن کراچی) جب مومن مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہئے جائے۔

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضرت سلمان فارسی و عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے۔ ایک

نے دوسرے سے کہا، کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا؟ تو پوچھا، کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ تو جواب دیا:

نعم اما المؤمنون فان ارواحهم في الجنة و هي تذهب
حيث شاءت (شعب الایمان، باب التوکل والتسلیم، حدیث ۵۵/۲، ۱۲۱ بیروت)
یعنی، ہاں مسلمانوں کی روہیں تو جنت میں ہوتی ہیں، انہیں اختیار
ہوتا ہے۔ جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں۔

ابن المبارک کتاب الزہد اور ابوبکر ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی
اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال ان ارواح المؤمنين في برزخ من الارض تذهب
حيث شاءت و نفس الكافر في سجين

(کتاب الزہد لابن مبارک، باب ما جاء فی التوکل، حدیث ۴۲۹، ص ۱۴۴)
یعنی بے شک مسلمانوں کی روہیں زمین کے برزخ میں ہیں، جہاں
چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافروں کی روہیں سجن میں مقید ہیں۔
ابن ابی الدنیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے راوی:

قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلة تذهب حيث شاءت
(شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا، باب مقرر الارواح ص ۹۸)
یعنی مجھے حدیث پہنچی ہے، کہ مسلمانوں کی روہیں آزاد ہیں، جہاں
چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور (ص ۱۰۵) میں فرماتے ہیں:
راجع ابن البران ارواح الشهداء فی الجنة و ارواح

غیرہم علی افنیۃ القبور فتسرح حیث شاءت
 امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا: رائج یہ ہے کہ شہیدوں کی روہیں
 جنت میں ہیں، اور مسلمانوں کی فتائے قبور پر جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی
 ہیں۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

انّ الروح اذا انخلعت من هذا الهيكل و انفكت من القيود
 بالموت تجول الى حيث شاءت

(تیسیر شرح جامع صغیر، تحت حدیث ان روح المؤمن الخ ج ۱ ص ۳۳۰، الریاض)
 بے شک جس وقت روح قالب (بدن) سے جدا ہوتی ہے اور موت
 کے باعث قیدوں سے رہا ہو جاتی ہے تو پھر جہاں چاہتی ہے، جو لاں
 (گردش) کرتی ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب بھی ”تذکرۃ الموتی“ میں لکھتے ہیں:

”ارواح ایثار (یعنی اولیائے کرام قدست اسراہم) از زمین و
 آسماں و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند۔ (تذکرۃ الموتی والقبور، اردو ترجمہ مصباح
 النور، نوری کتب خانہ ص ۷۵، ۷۶)

یعنی، اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی روہیں، زمین آسمانوں اور بہشت
 سے جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں، یعنی آزاد پھرتی ہیں۔

خزانۃ الزواہات میں ہے:

عن بعض العلماء المحققين ان الارواح يتخلص ليلة
 الجمعة و تنتشر فجاءوا الى مقابرهم ثم جاءوا الى بيوتهم

یعنی بعض علمائے محققین سے روایت ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی ہیں اور پھیلتی (پھرتی) ہیں۔ پہلے وہ اپنی قبروں پر آتی ہیں، پھر اپنے گھروں میں آتی ہیں۔

وستور القضاة مستند صاحب مائتہ مسائل میں فتاویٰ امام نسفی سے ہے:

إِنَّ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِينَ يَأْتُونَ فِي كُلِّ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ وَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَقْرُمُونَ بِفَنَاءِ بَيْوتِهِمْ ثُمَّ يَنَادِي كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِصَوْتٍ حَزِينٍ يَا أَهْلِي وَيَا أَوْلَادِي وَيَا أَقْرَبَاءِي اعْظِفُوا عَلَيْنَا بِالْصَّدَقَةِ وَ اذْكُرُونَا وَلَا تَنْسُونَا وَ ارحمونا في الخ

یعنی، بے شک مومنوں کی روحیں ہر شب جمعہ اور جمعہ کے دن، اپنے گھروں میں آتی ہیں اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ ”اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقے سے مہر کرو۔ ہمیں یاد کرو اور ہمیں بھول نہ جاؤ۔ ہماری غربت میں ہم پر ترس کھاؤ اور رحم کرو۔

نیز خزائنہ الروایات مستند صاحب مائتہ مسائل میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اذا كان يوم عيد او يوم جمعة او يوم عاشوراء اوليلة النصف من الشعبان تأتي ارواح الاموات و يقومون على ابواب بيوتهم فيقولون هل من احد يدكرنا هل من احد يترحم علينا هل من احد يدكر غربتنا الحديث.

یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، جب عید، یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برأت ہوتی ہے، اموات کی روحیں آ کر اپنے گھروں

کے دروازوں پر کھڑی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں ”ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے! الحدیث اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب التَّوَضُّعِ امام زہد و بی سے منقول۔ یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے احکام حلال و حرام کا۔ ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس (کافی) ہوتی ہیں، نہ کہ اس قدر کثیر و دافر۔

امام جلال المملۃ والدین سیوطی مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء زیر رثاء امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَجِدْهُ فِي شَيْءٍ مِنْ كُتُبِ الْأَثَرِ لَكِنْ صَاحِبِ اقْتِبَاسِ الْأَنْوَارِ وَ ابْنِ الْحَاجِّ فِي مَدْخَلِهِ ذِكْرًا فِي ضَمَنِ حَدِيثٍ طَوِيلٍ وَ كَفَى بِذَلِكَ سَنَدًا الْمَثَلُ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالْأَحْكَامِ
یعنی، میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار و ابن الحاج فی مدخلہ ذکر اہ فی ضمن حدیث طویل و کفی بذلک سندان المثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالأحكام
یعنی، میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی کتاب ”مدخل“ میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کے لئے اتنی ہی سند کافی ہے، کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔

باقی رہا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ قول کہ ارواح کا اپنے گھروں میں آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے، اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہے، نہ ظلیات صحاح کا۔ یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی بھی صحیح و صریح حدیثوں میں ہو کہ روحمیں آتی ہیں تو وہ حدیثیں بھی ان کے نزدیک مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے، اور تسلیم بھی کر لئے تو فقط عمل ہے، نہ فضل عمل۔ براہین قاطعہ لِمَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ

یوصل میں چار ورق سے زائد پر یہی عجوبہ پھیلا ہوا ہے۔

اقول۔ اگرچہ ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو، اگرچہ اسے نفیاً یا اثباتاً کسی طرح عقائد میں دخل نہ ہونا ثانی یا مثبت کسی پر اس نفی و اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی متحمل نہ ہو، سب باب عقائد میں داخل ٹھیرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں تا مقبول ٹھیریں، تو اولاً سیر و مغازی و مناقب یہ علوم کے علوم سب گاو خور دل و دریا برد ہو جائیں حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح در کنار، ضعاف بھی مقبول۔ سیرت انسان العیون میں ہے:

لا یخفی ان السیر تجمع الصحیح و السقیم والضعیف

والبلاغ والمرسل والمنقطع والعصل دون الموضوع و

قد قال الامام احمد وغيره من الائمة اذا روينا في الحلال

والحرام شددنا و اذا روينا في الفضائل و نحوها تساهلنا

((انسان العیون، خطبہ الکتاب مصطفیٰ البابی مصر، ۱/۳۳))

یہ بات مخفی نہ رہے کہ سیرت کی کتابیں، صحیح، سقیم

بلاغ، مرسل، منقطع، معصل پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان میں موضوعات

نہیں ہوتی ہیں۔ امام احمد وغیرہ آئمہ نے فرمایا کہ جب ہم حلال و حرام کی روایت

کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں اور فضائل وغیرہ میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔

اس بحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل

الابہامین میں ملاحظہ ہو۔ یہیں دیکھئے رٹائے مذکور امیر المومنین کیا فضائل

۱۔ گائے نے کھائے اور دریا میں غرق ہوئے۔ م

اعمال سے تھا۔ وہ بھی باب علم سے ہے جس میں خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔ ثانیاً علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ بھی علم ہے، نہ عمل۔ وفصل عمل تو غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔ ثالثاً دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں۔ رابعاً عقائد اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع آئمہ ہے، ضائع جائے، کہ احکام حلال و حرام میں کیا اعتقاد حلت و حرمت نہیں لگا ہوا ہے، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے، تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لئے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود، اور جب حلال و حرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں، اس سے کیوں بچیں۔ خامساً بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی خود مقبول مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے۔ اس پر یہ ثواب، یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظہریات مردود۔ سادساً اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی، کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی، انھوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں۔ جب تک قطعیات نہ ہوں، کچھ نہ سنیں گے۔ ع قدم عشق پیشتر بہتر۔ سابعاً۔ ختم الہی کا ثمرہ دیکھئے۔ اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ ان بہ یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تیکنائے اعتقادات میں داخل کرایا، تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دال ہیں، مردود ٹھہریں، اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو ایک محض بے اصل و بے سند حکایت سے سند لائے کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ ”مجھ کو دیوار کے پیچھے کا

بھی علم نہیں۔“ حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہ نے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کر کے صاف فرمادیا تھا کہ:

ایں سخن اصلے نہ دارد و روایت بدال صحیح نشدہ است

یہ بات بے اصل ہے اور اس کی روایت پایہ صحت تک نہیں پہنچی

ہے۔ ۲

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لئے بے اصل و بے سند، بے سرو پا حکایت مقبول و محمود۔ اور پھر دعوائے ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۵ کذلک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار

بالجملۃ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے ہے، نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہئے اس کے لئے اتنی سندیں کافی و وافی۔ منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم و یقین نہیں تو ٹھیک ہے۔ اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث ۶ مردود نہیں قرار پا سکتے۔ اور اگر دعوائے نفی کرے، یعنی کہے، مجھے معلوم و ثابت ہے کہ روحمیں نہیں آتیں، تو پھر وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی، تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم و ستم۔ آنے کے بارے میں تو اتنی کتب اور علماء کی عبارات ہیں، مگر نفی و انکار کے لئے کون سی روایت ہے۔ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے تو ادعائے بے دلیل محض باطل و ذلیل۔ یہ کیسی ہٹ دھری ہے کہ طرف مقابل پر روایات موجود، صرف بر بنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف سے نہ روایت کا نام و نشان اور

ادعائے نفی کا بلند نشان۔ روحوں کا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً و اثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا اور دعوائے نفی کے لئے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

امین ۝ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جلّ مجدہ و اتمّ و احکم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا بریلوی عفی عنہ

بمحمد بن المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَرَكَاتُ الْإِمْدَادِ لِأَهْلِ الْإِسْتِمْدَادِ

خدا کے بندگان
خاص سے
قَد و طلب کرنا

تصنیف لطیف

احمد رضا خاں
ابن ابی سنیّت مجدد الدین و نبوت
اعظم علیہ السلام شہادۃ ام

یعنی اللہ تعالیٰ عنہ
فاصلان بیدینا

تقدیم

انبیائے کرام و اولیائے عظام اللہ سے تقرب خاص رکھنے کی وجہ سے ہماری مدد کرتے ہیں۔ یہ مدد روحانی بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی بھی، زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی۔ بزرگانِ دین کا اپنے متوسلین کو مدد دینا بحکم الہی ہوتا ہے، وہ اللہ کی اذن کے بغیر کچھ نہیں کرتے ہیں۔ ان کا نہ تو اللہ پر زور چلتا ہے اور نہ زبردستی، بلکہ اللہ کا ان پر سراسر فضل اور عین عنایت ہے کہ ان کے طفیل دوسروں کی مرادیں برآتی ہیں۔ بزرگانِ دین سے مدد طلب کرنا درحقیقت اللہ ہی سے مدد طلب کرنا ہے کیونکہ وہ ”من دُون اللہ“ نہیں ہیں بلکہ ولی اللہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے کو پوری شرح کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ م

برکات الامداد لاهل الاستمداد

۱۱.....۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسئلہ از سہوان محلہ شہباز پورہ مرسلہ احمد نبی خان

۱۳ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیت وَیُتٰکَ نَسْتَعِیْنُ کے

معنی ایک شخص یوں بیان کرتا ہے کہ استعانت غیر حق سے شرک ہے۔

دیکھ حصر نستعین اے پاک دیں استعانت غیر سے لائق نہیں

ذات حق بیشک ہے نعم المستعان حیف ہے گر غیر حق کا ہو دھیان

اور علماء صوفیائے کرام کا عقیدہ یوں ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مصلح

الدین سعدی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی ایمان تھا کہ۔

نداریم غیر از تو فریاد رس

توئی عاصیان را خطا بخش و بس

اور حضرت مولانا نظامی گنجوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی دعا میں عرض کرتے تھے۔

بزرگا بزرگی دہا بے کسم

توئی یادری بخش و یاری رسم

اے بزرگ! بزرگی عطا فرما کہ میں بے کس ہو، تو ہی حمایت کرنے

والا ہے اور میری مدد کو پہنچنے والا ہے۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قصہ دلچسپ و عبرت

انگیز بیان کرتا ہے جو تحفة العاشقین میں لکھا ہے، کہ ایک روز آپ نماز

پڑھتے تھے، جب نستعین پر پہنچے، بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو فرمایا۔ جب رب العالمین اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ فرمائے اور میں غیر حق سے مدد مانگوں۔ مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا۔ دوسری آیت شریف جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کی کہ اِنِّیْ وَجْهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ (الانعام ص ۷۹) ہے بیان کرتا ہے اور بہت سی آیات شریفہ اور احادیث پاک اور قول علماء و صوفیاء بتاتا ہے۔ لہذا مستدعی خدمت عالی ہوں کہ تردید اس کی مرحمت ہو کہ اس شخص سے بیان کروں۔ جواب قرآن کا قرآن سے حدیث کا حدیث سے، اقوال کا اقوال سے ارشاد فرمائیے گا اور معنی لفظی ہوں۔ بیتواتوجروا۔

(راقم: نیاز مند، احمد نبی خاں از سہوان)

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَبِهِ نَسْتَعِیْنُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَعْظَمِ

غَوْثٍ وَّاَكْرَمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

الحمد للہ، آیات کریمہ تو مسلمان کی ایمان ہیں۔ اور حضرت مولانا

سعدی و مولانا نظامی قدس سرہما السامی کے جو اشعار نقل کئے وہ بھی حق ہیں

مگر یہ شخص حق باتوں سے باطل معنی کا ثبوت چاہتا ہے، جو ہرگز نہ ہوگا۔

آیہ کریمہ اِنِّیْ وَجْهْتُ وَجْهَیْ (الانعام: ۷۹) کو تو اس مقام سے

کوئی علاقہ ہی نہیں، اس میں توجہ بہ قصد عبادت کا ذکر ہے کہ میں اپنی

عبادت سے اسی کا قصد کرتا ہوں جس نے پیدا کئے آسمان و زمین، نہ یہ کہ

مطلق توجہ کا جس میں انبیاء اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے استعانت بھی داخل ہو سکے۔ جلالین شریف میں آیت کریمہ کی تفسیر فرمائی۔

قالوا له ما تعبد قال اتی وجہت وجہی قصدت بعبادتی
(تفسیر جلالین تحت آیت ۶/۷۹)

یعنی کافروں نے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ تم کسے

پوجتے ہو؟

فرمایا، میں اپنی عبادت سے اس کا قصد کرتا ہوں جس نے بنائے آسمان و زمین۔

آیت میں اگر مطلق توجہ مراد ہو تو کسی کی طرف منہ کر کے باتیں کرنا شرک ہو۔ کہ قبلہ بھی غیر خدا ہے۔ خدا نہیں اور رب العزت جل و علا کا ارشاد:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

(پ ۲ البقرہ آیت ۱۴۴)

جہاں کہیں ہو اپنا منہ قبلہ کی طرف کرو۔

معاذ اللہ شرک کا حکم دینا ٹھیرے۔ مگر وہابیہ کو عقل کم ہے۔ کریمہ و ایماک نستعین و مناجات سجدی و نظامی میں استعانت و فریادری و یاری و یاری کا حضرت عزت جل و علاء میں حصر ہے، نہ مطلق کا اور بلاشبہ حقیقت ان امور بلکہ ہر کمال بلکہ وجود و ہستی کی خاص بجناب احدیت عز و جل ہے۔

استعانت حقیقیہ یہ کہ اسے قادر بالذات و مالک مستقل و غنی و بے نیاز جانے، کہ بے عطائے الہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا

ہے۔ اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔ نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے بلکہ واسطہ وصول فیض و ذریعہ و وسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (پ ۶ المائدہ آیت ۳۵)

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو

بہ اس معنی استعانت بالغیر ہرگز اس حصر ایسا ک نستعین کے منافی نہیں جس طرح وجود حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کئے موجود ہونا خاص بجناب الہی تعالیٰ و تقدس ہے، پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کہنا شرک ہو گیا جب تک وہی وجود حقیقی نہ مراد لے۔ حقائق الاشیاء ثابتہ پہلا عقیدہ اہل سلام کا ہے یوں ہی علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور تعلیم حقیقی کہ بذات خود بے حاجت بدیگرے القائے علم کرے، اللہ جل جلالہ، سے خاص ہیں، پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے طلب کرنا شرک نہیں ہو سکتا، جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علیم و علماء فرماتا ہے اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ارشاد فرماتا ہے يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ یہ نبی انھیں کتاب و حکمت کا علم عطا کرتا ہے۔

یہی حال استعانت و فریادری کا ہے کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور بمعنی وسیلہ و توسل و توسط غیر کے ثابت اور قطعاً روا بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لئے خاص ہیں۔ اللہ عز و جل وسیلہ و واسطہ بننے سے پاک ہے۔ اس سے

اوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا، اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ درمیان واسطہ بنے گا و لہذا حدیث شریف میں ہے جب اعرابی نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بناتے ہیں اور اللہ عز و جل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر سخت گراں گزرا اور دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

و یحک ! انه لا یستشفع باللہ علی احد شان اللہ اعظم من ذلک۔

ارے نادان! اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کو نہیں لاتے ہیں۔ اور تبارک تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے: رواہ ابو داود عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (کتاب السنۃ، باب فی الجہمیۃ)

اہل اسلام انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہی استعانت کرتے ہیں جو اللہ عز و جل سے کیجئے تو اللہ اور اللہ کا رسول غضب فرمائیں اور اسے اللہ جل و علا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں، اور حق تو یہ ہے کہ اس استعانت کے معنی اعتقاد کر کے جناب الہی جل و علا سے کرے تو کافر ہو جائے مگر ان حمقاء کی بد عقلی کو کیا کہیئے، نہ اللہ تعالیٰ کا ادب نہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خوف، نہ ایمان کا پاس۔ خواہی نخو اہی اس استعانت کو بھی ایسا کہ نستعین میں داخل کر کے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں محال قطعی ہے اسے اللہ تعالیٰ سے خاص کئے دیتے ہیں۔ ایک بے وقوف شخص نے کہا تھا۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے

جسے تم مانگے ہو اولیاء سے

فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے کہا۔

تو تسل کر نہیں سکتے خدا سے

اسے ہم مانگے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا سے تو تسل کر کے اسے کسی کے یہاں وسیلہ

و ذریعہ بنائیے۔ اسی وسیلہ بننے کو ہم اولیاء کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ بارگاہِ

الہی میں ہمارا وسیلہ و ذریعہ و واسطہ قضائے حاجات ہو جائیں۔ اس بیوقوفی

کے سوال کا جواب اللہ عز و جل نے اس آیت کریمہ میں دیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَّهُوا إِلَيْهِ تَوَّابًا رَحِيمًا۔ (پ ۵ النساء آیت ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کر کے تیرے پاس حاضر

ہوں، پس اللہ سے معافی چاہیں، اور معافی مانگے ان کے لئے رسول۔ تو بے

شک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

کیا اللہ تعالیٰ اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اے

نبی، تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت و

نعمت پائیں گے، یہی ہمارا مطلب ہے جو قرآن کریم کی آیت صاف فرما

رہی ہے، مگر یہ لوگ تو عمل نہیں رکھتے۔

خدا را انصاف، اگر کریمہ اِیسا کہ فَتَسْعِیْنُ میں مطلق استعانت کا

ذات الہی جل و علا میں حصر مقصود ہو، تو کیا صرف انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی، کیا یہی غیر خدا ہیں، اور سب اشخاص و اشیاء ان لوگوں کے نزدیک خدا ہیں۔ یا آیت میں خاص انھیں کا نام لے دیا ہے کہ ان سے شرک اوروں سے روا ہے۔ نہیں نہیں، جب مطلقاً ذات احدیت سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھیری تو کیسی ہی استعانت کسی غیر خدا سے کی جائے ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہوگی کہ انسان ہوں یا جمادات، احیا ہوں یا اموات، ذوات ہوں یا صفات افعال ہوں، یا حالات، غیر خدا ہونے میں۔ اب کیا جواب ہے آیہ کریمہ کا کہ رب جل و علا فرماتا ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (پ ۲ البقرہ آیت ۱۵۳)

استعانت کرو صبر و نماز سے۔

کیا صبر خدا ہے جس سے استعانت کا حکم ہوا ہے، کیا نماز خدا ہے جس سے استعانت کو ارشاد کیا ہے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ (پ ۶ المائدہ آیت ۲)

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیز گاری میں کیوں صاحب اگر غیر خدا سے مدد ملنی مطلقاً محال، تو اس حکم الہی کا حاصل کیا۔ اور اگر ممکن تو جس سے مدد مل سکتی ہے اس سے مدد مانگنے میں کیا زہر گھل گیا۔

حدیثوں کی تو گنتی ہی نہیں، بکثرت احادیث میں صاف صاف حکم ہے کہ صبح کی عبادت سے استعانت کرو، شام کی عبادت سے استعانت کرو، کچھ رات رہے کی عبادت سے۔ استعانت کرو علم کے لکھنے سے۔ استعانت

کرو سحری کے کھانے سے، استعانت کرو دوپہر کے سونے سے، استعانت کرو صدقے سے۔ استعانت کرو عورتوں کی خانہ نشینی میں انہیں نگا رکھنے میں۔ استعانت کرو حاجت روائیوں میں حاجتیں چھپانے سے استعانت کرو، کیا یہ سب چیزیں کہ ان سے استعانت کا حکم آیا۔ یہ حدیثیں خیال میں نہ ہوں تو مجھ سے سنئے:

حدیث (۱): البخاری والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَسْتَعِينُوا بِالْغَدَاوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدَّلْجَةِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم سے روایت کرتے ہیں، صبح، شام، اور صبح کے قریب کی عبادت سے مدد چاہو، م (بخاری)

حدیث ۲: الترمذی عن ابی ہریرۃ..... (کتاب الایمان، باب الدین یسرج اص ۱۰)

حدیث ۳: والحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعن بيمينک علی حفظک (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ اپنی یادداشت کی مدد کرو لکھ کر، م (ترمذی)

حدیث ۴: ابن ماجہ والحاکم (کتاب الصوم) والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن

النَّبِي صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، اسْتَعِينُوا بِطَعَامِ السَّحَرِ عَلَى صِيَامِ النَّهَارِ وَبِالْقِيلُولَةِ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ.

ابن ماجہ، حاکم اور طبرانی نے الکبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ سحری سے دن کے روزے پر مدد حاصل کرو اور قیلولہ سے رات کی عبادت پر۔ م۔ (ابن ماجہ ابواب الصیام، باب ما جاء في السحور ص ۱۲۳)

حدیث ۵: الذیلمی فی مسند الفردوس عن عبد اللہ عن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، استعینوا علی الرزق بالصدقة (کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳)

ذیل میں نے مسند فردوس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ رزق پر صدقے سے مدد حاصل کرو۔ م۔ (ذیل میں)

حدیث ۶: ابن عدی فی الکامل عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، استعینوا علی النساء بالعری فان احادیثهن اذا کثرت ثیابها و اخشنت حریتها اعجبها الخروج. (کنز العمال بحوالہ عد عن النس، ۶/۱۷۲/۳)

ابن عدی نے کمال میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عورتوں کو (یعنی کپڑے کم پہنا کر۔ زیادہ کپڑے نہ پہنا کر) رکھ کر، مدد چاہو (ان کے گھر بیٹھنے پر) کیونکہ جب کسی عورت کے پاس کپڑے زائد ہو جاتے ہیں اور وہ آرائش و زیبائش زائد کر لیتی ہے تو گھر سے باہر نکلنا اس کو پسند آتا ہے۔

حدیث ۷۰ تا ۱۰ : الطبرانی کفی الکبیر والعقلی و ابن عدی و ابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی الشعب عن معاذ بن جبل والخطیب ۸ عن ابن عباس والخلعی ۹ فی فوائده عن امیر المومنین علی بن المرتضیٰ والخرائطی ۱۰ فی اعتلال القلوب عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ عنہم و سلم، استعنوا علی انجاح الحوائج بالکتمان۔
 طبرانی نے کبیر میں، عقیلی اور ابن عدی اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے شعب میں حضرت معاذ بن جبل سے اور خطیب نے ابن عباس اور خلعی نے اپنے فوائد میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور خرائطی نے اعتلال القلوب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ مقاصد میں کامیابی پر چھپانے سے مدد حاصل کرو۔ م

مذکورہ بالا دس حدیثیں تو افعال سے استعانت میں ہوئیں، اب بیس حدیثیں اشخاص سے استعانت میں لیجئے تاکہ تمہیں ۳۰ احادیث کا عدد کامل ہو۔
 حدیث ۱۱۔ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ بسند صحیح، حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَنَا لَا نَسْتَعِينُ بِمُشْرِكٍ (سنن ابو داؤد کتاب الجہاد، ۱۹/۲)

ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کرتے۔

اگر مسلمان سے استعانت بھی ناجائز ہوتی، تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی، ولہذا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے

ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا، ارشاد فرماتے:

أَسْلِمَ أَسْتَعِينُ بِكَ عَلَى أَمَانَةِ الْمُسْلِمِينَ

تو مسلمان ہو جا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت

کروں۔

... نہ مانتا، تو فرماتے

”ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔“

حدیث ۱۲۔ امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یوسف رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے:

أَنَا لَا نَسْتَعِينُ بِالْمَشْرُكِينَ عَلَى الْمَشْرُكِينَ

(المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعاذہ بالمشرکین)

ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے۔

ورواہ الامام احمد ایضاً

حدیث ۱۳۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن نسائی میں ہے کہ چند قبائل

عرب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت کی، حضور

والا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد عطا فرمائی۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اتاہ رعل و ذکران و عصیة بنو لحيان فزعمو ا انہم قد

اسلموا و استملوہ علی قومہم فامتلہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم. الحدیث. (صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب العون بالمدد، ۱/۴۳۱، قدیمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں رُعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحيان آئے اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم پر مدد چاہی، آپ نے ان کی مدد کی۔ م

حدیث ۱۴۔ صحیح مسلم و ابو داؤد و ابن ماجہ و معجم کبیر طبرانی میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، کہ حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان (ربیعہ کعب اسلمی) سے فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔ عرض کی، میں حضور سے سوال کرتا ہوں، کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بھلا اور کچھ، عرض کی، بس میری مراد تو یہی ہے۔ حضور نے فرمایا، میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود ہے۔

قال كنت أبيت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فأتيت به بوضوئه وحاجته. فقال لي سل و لفظ الطبرانی فقال يوماً يا ربیعة! سلنی. فاعطیک رجعنا الی لفظ مسلم. قال فقلت. اسئالك مرافقتک فی الجنة. قال او غیر ذلک. قلت هو ذاک قال فاعننی علی نفسک بکثرت السجود۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب فضل السجود والحمد علیہ، ۱/۱۹۳، قدیمی)

انھوں نے کہا کہ میں رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ میں حضور کے وضو اور قضائے حاجت کے لئے پانی لایا، تو آپ نے فرمایا ”مانگو“ اور طبرانی میں یوں ہے کہ آپ نے ایک دن، فرمایا، اے ربیعہ تم مجھ سے مانگو میں تم کو دوں گا، مسلم میں ہے۔ پھر میں نے عرض کی،

میں جنت میں آپ کی صحبت طلب کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اور کچھ؟ میں نے عرض کی، بس یہی، آپ نے فرمایا، تو تم میری مدد کرو اپنے اوپر کثرت بخود سے۔ م۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُعتنی فرمایا، کہ میری اعانت کر، اسی کو استعانت کہتے ہیں۔ یہ درکنار، حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلق طور پر سُن، فرماتا، کہ مانگ کیا مانگتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں، دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں۔ جیسی تو بلا تقید و تخصیص فرمایا کہ مانگ۔ کیا مانگتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی شرح مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث شریف کے نیچے (ج ۱ ص ۲۴۶، کتاب الصلوٰۃ) فرماتے ہیں:

از اطلاق سوال، کہ فرمود، سل، بخواہ و تخصیص نہ کرد بہ مطلوبے خاص، معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ہرچہ خواہد، و ہر کرا خواہد، باذن پروردگار خوددہد۔

فان من جودک الدنیا و ضررتها

و من علومک علم التوح والقلم

سوال مطلق ہے، سُن، مانگ، کسی مطلوب کی تخصیص نہیں، تاکہ معلوم

ہو جائے کہ سب کام حضور ہی کی ہمت و کرامت میں ہے، جو کچھ آپ

چاہیں، جس کو چاہیں، بہ اذن الہی عطا فرمادیں۔ م

ترجمہ شعر: کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی سخاوت سے ہیں

اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں ایک ہے

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاة میں فرماتے ہیں:

يُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم الْاَمْرُ

بِالسَّوَالِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَكْنَهُ، مِنْ اَعْطَاءِ كُلِّ مَا ارَادَ مِنْ خَزَائِنِ

الْحَقِّ

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا،

اس سے مستفاد ہوتا ہے، کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا

فرمائیں۔

پھر لکھا:

وَذَكَرَ ابْنُ سَبْعٍ فِيْ خَصَائِصِهِ وَغَيْرِهِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَقْطَعَهُ

اَرْضَ الْجَنَّةِ يَعْطٰى مِنْهَا مَا شَاءَ لِمَنْ يَشَاءُ

(مرقات المفاتیح، ج ۲ ص ۶۱۵، مطبوعہ کوئٹہ)

یعنی امام ابن سبع وغیرہ علماء نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جاگیر کردی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے

چاہیں بخش دیں۔

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی، جو ہر منتظم، میں فرماتے

ہیں۔

اِنَّهٗ صلى اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الذی جعل

خزائن کرمہ و موائد نعمہ طوع یدہ و تحت ارادۃ یدہ یعطی منها

مَن یَشَاءُ و یمنع مَن یَشَاءُ (الفصل السادس، ص ۴۲، مصر)

بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں، اللہ

تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور پر نور کے زیر حکم و ارادہ و

اختیار کر دیئے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہیں نہیں دیتے۔

اس مضمون کی تصریحیں کلمات آئمہ و علماء و اولیاء و عرفاء میں حد

تواتر پر ہیں، جو ان کے انوار سے دیدہ ایمان منور کرنا چاہیں فقیر کا رسالہ

سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کل الواری (۱۲۹۷ھ) مطالعہ کریں۔

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حضور اقدس سے

جنت مانگی کہ:

اَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ

یا رسول اللہ، میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والا

سے مشرف ہو جاؤں۔“

ابھی فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے بجواب سوال دہلی ایک نفیس رسالہ اکمال

الطامة علی شرک سوی بالا امور العامة تالیف کیا اور بتوفیقہ تعالیٰ اس

میں تین سو ساٹھ آیتوں، حدیثوں سے ثبوت دیا کہ بقول مخالفین حضرات

انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

آلہ وسلم تک اور خود رب العزت جل جلالہ تک معاذ اللہ کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

اشراک بحد ہے کہ تاحق برسد

مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

حدیث ۱۵ تا ۲۸۔ چودہ ۱۴ حدیثوں میں ہے، کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أَطْلَبُوا الْخَيْرَ عِنْدَ حَسَنِ الْوُجُوهِ

(التاریخ الکبیر حدیث ۴۶۸، ۱/۱۵۷ مصر)

خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس

وفی لفظ، اطلبوا لخير والحوائج من حسان الوجوه

(المعجم الکبیر، عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰، بیروت)

نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔

وفی لفظ، اطلبوا الحاجات عند حسان الوجوه

(اتحاف السادة، کتاب الصبر والشکر، ۹/۹۱، بیروت)

حاجتیں خوش جمالوں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ، اذا ابتغيت المعروف فاطلبوها عند حسان

الوجوه

جب نیکی چاہو تو خوب رویوں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ، اذا طلبتم الحاجات فاطلبوها عنده حسان

الوجوه

جب حاجتیں طلب کرو، تو خوش چہروں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ بزيادة فان قضی حاجتک قضاها بوجه طلق و

ان ردک ردک بوجه طلق۔

کہ خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو بکشادہ روئی اور

اگر تجھے پھیرے گا تو بہ کشادہ پیشانی۔

اخرجه الامام البخاری فی التاريخ و ابوبکر بن ابی الدنیا

فی قضاء الحوائج و ابو یعلیٰ فی مسنده والطبرانی فی الکبیر و

العقیلی و ابن عدی و البیہقی فی شعب الایمان و ابن عساکر ۱۵

عن ام المومنین الصدیقه و عبد بن حمید فی مسنده و ابن حبان

فی الضعفاء و ابن عدی فی الکامل والسلفی فی الطوريات ۱۶ عن

عبد اللہ بن عمر الفاروق و ابن عساکر و کذا الخطیب فی

تاریخهما ۱۷ عن انس بن مالک بلفظ التمسوا والطبرانی فی

الاوسط و العقیلی و الخرائطی فی اعتلال القلوب و تمام فی

فوائده و ابو سهل عبد الصمد بن عبد الرحمن لبزار فی جزئه و

صاحب المہروانیات ۱۸ عن جابر بن عبد اللہ و الدارقطنی فی

الافراد بلفظ ابتغوا و العقیلی و ابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج

و الطبرانی فی الاوسط و تمام و الخطیب فی رواة مالک ۱۹ عن

ابی ہریرۃ و ابن النجار فی تاریخہ ۲۰ عن امیر المومنین علی

المرتضی و الطبرانی فی الکبیر ۲۱ عن یزید بن خصیفہ عن ابیہ عن

جلۃ ابی خصیفہ بلفظ التمسوا و تمام فی الفوائد ۲۲ عن ابی

بکرة والخطيب و تمام لفظه التمسوا والبيهقي في الشعب والطبرانی فی الكبير ۲۳ عن عبد الله بن عباس هذا الاخير منهم خاصة عن ابن عباس باللفظ الثاني و ابن عدی عن أم المؤمنين باللفظ الثالث و اخرجہ ابن عدی فی الكامل و البيهقي في الشعب ۲۴ عن عبد الله بن خراد باللفظ الرابع و احمد بن منيع في مسنده عن الحجاج بن يزيد عن ۲۵ ابيه يزيد القسطنی باللفظ الخامس رضي الله تعالى عنهم اجمعين هذه كلها مسندات و ابوبكر بن ابی شيبة في مصنفه ۲۶ عن ابن مصعب الانصاري و عن ۲۷ عطاء و عن ۲۸ الزهري مراسلات

اسے امام بخاری نے تاریخ میں، ابوبکر بن ابی الدنیا نے قضاء حوائج میں، ابویعلیٰ نے مسند میں، طبرانی نے کبیر میں، عقیلی، ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابن عساکر نے ام المومنین صدیقہ سے اور عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، ابن احبان نے ضعفاء میں اور ابن عدی نے کامل میں، اور سلفی نے طوریات میں عبد اللہ بن عمر فاروق سے اور ابن عساکر و خطیب نے اپنی تاریخوں میں انس بن مالک سے بلفظ ”التمسوا“ اور طبرانی نے اوسط میں، عقیلی اور خرائطی نے اعتلال القلوب میں، اور تمام نے اپنے فوائد میں، اور ابوسہل عبدالقصد بن عبدالرحمن بزار نے اپنے جزء میں اور صاحب مہر دانیات نے جابر بن عبد اللہ سے اور دارقطنی نے افراز میں بلفظ ”اجتوا“ اور عقیلی اور ابن ابی الدنیا نے قضاء حوائج میں اور طبرانی نے اوسط میں، تمام اور خطیب نے مالک کے راویوں میں ابوہریرہ سے اور ابن نجار

نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین علیؑ سے اور طبرانی نے کبیر میں یزید بن خصیفہ عن ابیہ عن جدہ ابی خصیفہ، بلفظ ”التمسوا“ اور تمام نے فوائد میں ابوبکرہ سے اور خطیب و تمام نے بلفظ ”التمسوا“ اور بیہقی نے شعب میں اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن عباس سے، ان میں سے اخیر نے خاص طور پر ابن عباس سے دوسرے لفظ سے روایت کی، اور ابن عدی نے ام المومنین سے تیسرے لفظ سے اور اسے ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں عبداللہ بن خراد سے چوتھے لفظ سے اور احمد بن منیع نے اپنی مسند میں حجاج بن زید سے اپنے باپ یزید قاسمی سے پانچویں لفظ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ سب مسند حدیثیں ہیں، اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابن مصعب انصاری سے اور عطاء سے اور زہری سے، یہ مرسل ہیں۔ م
امام محقق جلال المملۃ والدین، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الحدیث فی نقدی حسن صحیح

(کشف الخفاء، تحت حدیث ۵۲۷، ۱/۱۶۰ بیروت)

یہ حدیث میری پرکھ میں حسن صحیح ہے۔

قلت وقولہ هذا لاشک حسن صحیح فقد بلغ

حد التواتر علی رأی.

حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت حسان بن ثابت انصاری

قارئین نے ان حوالہ جات سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی بصیرت اور محدثانہ تبخیر کا ضرور اندازہ کیا ہوگا، کیا آپ نے کسی کتاب میں اتنے مفصل حوالہ جات ملاحظہ کئے ہیں؟
مرتب

رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :-

قَدْ سَمِعْنَا نَبِيَّنَا قَالَ قُولَا

هُوَ لِمَنْ يَطْلُبُ الْحَوَائِجَ رَاحَةً

اعْتَدُوا وَاطْلُبُوا الْحَوَائِجَ

مِمَّنْ زَيْنَ اللَّهِ وَجْهَهُ بِصَبَاحَةٍ

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ وہ حاجت مانگنے والوں

کیلئے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ صبح کرو، اور

حاجتیں اس سے مانگو جس کا چہرہ اللہ تعالیٰ نے گورے

رنگ سے آراستہ کیا ہے۔“ (رواہ العسکری)

حدیث ۲۹: کہ حضور پر نور صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں:

اطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ الرَّحَمَاءِ مِنْ أُمَّتِي تَعِيشُوا فِي أَكْنَافِهِمْ

فَإِنَّ فِيهِمْ رَحْمَتِي (کنز العمال ج ۶ ص ۵۱۹، بیروت)

فضل میرے رحم دل امتیوں کے پاس طلب کرو، ان کے سائے میں

چھین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

وفی لفظ، اُطْلِبُوا الْحَوَائِجَ إِلَى ذَوِي الرَّحْمَةِ مِنْ أُمَّتِي

تَرْزُقُوا وَتَنْجَحُوا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۵۱۸)

اپنی حاجتیں میرے رحم دل امتیوں سے مانگو، رزق پاؤ گے، مرادیں

پاؤ گے۔

وفی لفظ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یَقُولُ اللَّهُ

عزوجل اطلبوا الفضل من الرّحماء من عبادی تعیشوا فی اکنافہم
فانی نجعلت فیہم رَحْمَتِی (الضعفاء الکبیر، حدیث ۹۵۷، بیروت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فضل میرے رحم دل بندوں سے مانگو، ان کے
دامن میں عیش کرو گے کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔

رواہ باللفظ الاول ابن حبان والخرائطی فی مکارم
الاخلاق والقضائی فی مسند الشہاب والحاکم فی التاریخ و ابو
ابوالحسن الموصلی و بالثانی العقیلی والطبرانی فی الاوسط و
بالثالث العقیلی کلہم عن ابی سعید بن الخدری رضی اللہ عنہ۔

اسے پہلے لفظ سے ابن حبان اور خرائطی نے مکارم اخلاق میں اور
قضائی نے مسند شہاب میں اور حاکم نے تاریخ میں اور ابوالحسن موصلی نے اور
دوسرے لفظ سے عقیلی اور طبرانی نے اوسط میں اور تیسرے لفظ سے عقیلی نے،
سب نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ م

حدیث ۳۰: کہ حضور والا ارشاد فرماتے ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اطلبوا المعروف من رَحْماءِ امتی تعیشوا فی اکنافہم
میرے نرم دل امتیوں سے نیکی و احسان مانگو۔ ان کے ظلم عنایت
میں آرام کرو گے۔ اخرجہ الحاکم فی المستدرک عن علی
المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الامنی (کتاب الرقاق، ۳/۳۲۱، بیروت)

انصاف کی آنکھیں کہاں ہیں، ذرا ایمان کی نگاہ سے دیکھیں یہ سولہ
بلکہ سترہ حدیثیں کیسا صاف صاف و اشکاف فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرنے، ان سے حاجتیں

مانگئے، ان سے خیر و احسان طلب کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمہاری حاجتیں بکشا دہ پیشانی روا کریں گے، ان سے رزق مانگو، تو رزق پاؤ گے، مرادیں پاؤ گے، ان کے دامنِ حمایت میں چین کرو گے، ان کے سایہ عنایت میں عیش اٹھاؤ گے۔ یا رب۔ مگر استعانت اور کس چیز کا نام ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا صورتِ استعانت ہوگی؟ پھر حضراتِ اولیاء سے زیادہ کون سا امتی نیک و رحم دل ہوگا کہ ان سے استعانت حسن ٹھہر کر اس سے حاجتیں مانگنے کا حکم دیا جائے گا۔ الحمد للہ! حق کا آفتاب بے پردہ و حجاب روشن ہوا۔ جس کی طرف مہربان خدا تعالیٰ کا مہربان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتیوں کو بلا رہا ہے۔ ع

گر بر تو حرام است حرامت بادا

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ تیس ۳۰ حدیث کا وعدہ بحمد اللہ پورا ہوا، آخر میں تین حدیثیں اور سنئے جائیں کہ عدد وتر اللہ عز و جل کو محبوب ہے۔ حدیث ۳۱۔ کہ فرماتے ہیں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اذ ضلّ احدکم شیئاً اوار ادعونا و هو بارض لیس بھا انیس فلیقل یا عباد اللہ! اعینونی۔ یا عباد اللہ اعینونی۔ یا عباد اللہ اعینونی۔ فان للہ عباداً لا یرہم

(المعجم الکبیر عن عتبہ بن غزو ان، حدیث ۲۹۰، بیروت)

جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو، جہاں کوئی ہمد نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں، جنہیں یہ نہیں دیکھتا، وہ اس کی مدد کریں گے۔ والحمد للہ۔ رواہ الطبرانی عن

عتبہ بن غزو ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث ۳۲۔ کہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے تو یوں ندا کرے:

فَلْيُنَادِيَا عِبَادَ اللَّهِ! احْبِسُو (عمل اليوم والليلة ص ۱۷۰)

ارے اللہ کے بندو، روک دو، عباد اللہ اسے روک دیں گے۔

رواہ ابن السنی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حدیث ۳۳: کہ فرماتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یوں ندا کرے:

أَعِينُوا يَا عِبَادَ اللَّهِ!

مدد کرو! اے اللہ کے بندو!

رواہ ابن ابی شیبہ (ج ۱۰ ص ۳۹۰ کتاب الدعاء) والبخاری عن
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

یہ حدیثیں کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمائیں،
قدیم سے اکابر علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقبول و مجرب ہیں، اس مطلب
جلیل کی قدرے تفصیل اور ان حدیثوں کی شوکت قاہرہ ملاحظہ کرنا ہو تو فقیر کا
رسالہ انہار الانوار من یم الصلوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) ملاحظہ ہو اور
اس سے زائد حدیث اجل و اعظم یا محمد! انی توجہت بک الی ربی الخ
کے حضور ہے کہ، حدیث صحیح و جلیل و مشہور منجملہ اعظم و اکبر احادیث
استعانت ہے جس سے ہمیشہ آئمہ دین مسئلہ استعانت میں استدلال فرماتے
رہے اس کی تفصیل بھی فقیر کے مذکورہ بالا اسی رسالے میں مسطور ہے کہ
یہاں بہ خوف تطویل ذکر نہ کی۔

اقوال علماء

صدہا قول علمائے اہل سنت و آئمہ ملت کے نہ صرف ایک بار بلکہ بارہا نہ صرف ایک آدھ رسالے بلکہ تصانیف کثیرہ اہل سنت میں ان حضرات مخالفین کے سامنے پیش ہو چکے، دیکھ چکے، سن چکے، جانچ چکے، جن کے جواب سے آج تک عاجز ہیں اور بحولہ تعالیٰ قیامت تک عاجز رہیں گے۔

- ۱۔ شفاء السقام امام علامہ مجتہد فہامہ سیّدی تقی المملۃ والدین علی بن عبدالکافی ۲۔ کتاب الاذکار امام اجل اکمل سیّدی ابوزکریا نووی ۳۔ احیاء العلوم وغیرہ ہا، تصانیف عظیمہ امام الانام حجتہ الاسلام قطب الوجود محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۴۔ روض الزیاحین ۵۔ خلاصۃ المفاخر ۶۔ نشر المحاسن وغیرہا تصانیف جلیلہ امام اجل اکرم عارف باللہ فقیہہ محقق عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ ۷۔ حصن حصین امام شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ ۸۔ مدخل امام ابن الحاج محمد عبدری مکی رحمۃ اللہ علیہ ۹۔ مواہب لدنیہ و منح محمدیہ امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۔ افضل القرئی لقراء ام القری ۱۱۔ جوہر منظم ۱۲۔ عقود الجمان وغیرہ تصانیف ام عارف باللہ سیّد ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۔ میزان امام اجل عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ ۱۴۔ حرز شین ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۔ مجمع بحار الانوار علامہ طاہر فتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۱۶۔ لمعات الخ، ۱۷۔ افیۃ اللعمات ۱۸۔ جذب القلوب ۱۹۔ مجمع البرکات ۲۰۔ مدارج النبوة وغیرہا تالیف شیخ الشیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۲۱۔ فتاویٰ خیریہ علامہ خیر الملت والدین ربی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲۔ مراقی الفلاح علامہ حسن وفائی شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ ۲۳۔ مطالب المسترات

علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ ۲۴۔ شرح مواہب علامہ محمد زرقانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۵۔ نسیم الزیاض علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تصنیف کثیرہ علمائے کرام و سادات اسلام جن کی تحقیق و تنقیح و اثبات و تصریح استمداد و اعانت سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں، اگر مطالعہ کرنے کی لیاقت نہ تھی تو کیا تصحیح المسائل و سیف الجبار و بوارق محمدیہ وغیرہ تصانیف نفسیہ عماد السنۃ معین الحق حضرت مولانا فضل رسول قدس سرہ المقبول بھی نہ دیکھیں، یہ تو عام فہم زبان اردو و فارسی میں خاص تمہارے ہی مذہب کے رد میں تصنیف ہوئیں، اور بحمد اللہ بارہا مطبوع ہو کر راحت قلوب صادقین و نسیط صدور مارقین ہوا کیں، علی الخصوص کتاب جلیل فیوض ارواح قدس، جس میں خاندان عزیزی کے صدہا اقوال صریحہ ہیں۔

تصانیف فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ سے کتاب (۵) حیات الموات، فی بیان سماع الاموات (۱۳۰۵ھ) (۶) رسالہ انوار الانوار من یم صلوة الاسرار (۱۳۰۵ھ) (۷) رسالہ انوار الانتباه فی حل نداء یا رسول اللہ (۱۳۲۲ھ) رسالہ (۸) الاحلال لفیض الاولیاء بعد الوصال (۱۳۰۳ھ) و کتاب (۹) الامن و العلی لنا عتی المصطفیٰ بدافع البلا (۱۳۱۱ھ) خصوصاً کتاب مستطاب (۱۰) سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کل الوری (۱۲۹۷ھ) وغیرہ میں جا بجا بہ کثرت ارشادات و اقوال آئمہ و علماء و اولیائے کرام مذکور۔ یہاں ان کے ذکر سے اطالت کی حاجت نہیں اور خود اسی تحریر میں جو اقوال حضرت شیخ متفق و مولانا علی قاری و امام ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ زیر حدیث ۱۴ مذکور ہوئے دربارہ استعانت صوفیائے کرام کے اقوال، افعال، احوال اعمال سے دفتر بھرے ہیں، دہیا بہہ رہے ہیں، اس دیدے کی صفائی کا کیا کہنا، ذرا آنکھوں

پر ایمان کی غینک لگا کر حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف ملاحظہ ہو کہ اس مسئلے میں حضرات اولیائے کرام قدس سرہ ہم سے کیا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

آں چہ مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد
از ارواح مکمل و استفادہ از اہل خارج از حصر است۔ و
مذکور است در کتب و رسائل ایثاں و مشہور است میان
ایثاں حاجت نیست کہ آں را ذکر کنیم و شاید کہ منکر
متعصب سود نہ کند اور اکلمات ایثاں عافانا اللہ من
ذلک (ایضاً اللغات کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء فصل اول)

کاملین کی ارواح سے استمداد و استفادہ کے بارے میں
مشائخ اہل کشف سے جو کچھ مروی ہے، وہ حصر سے
خارج ہے اور جو کچھ ان کے رسائل و کتب میں مذکور ہے
اور ان کے درمیان مشہور ہے اس کے ذکر کی حاجت
نہیں، پھر شاید کہ متعصب اور منکر کو اس سے فائدہ بھی نہ
ہو، اور ہمیں تعصب سے محفوظ رکھے۔ م

اللہ اکبر! ان منکران بے دولت کی بے نصیبی یہاں تک پہنچی کہ اکابر
علماء و عرفاء کو کلمات حضرات اولیائے کرام سے انھیں نفع پہنچنے کی امید نہ
رہی، اور فی الواقعہ ایسا ہی ہے، یوں نہ مانئے تو آزما لیجئے، ان ہزار در ہزار
ارشادات بے شمار سے امتحاناً صرف ایک کلام پاک فرزند ولید صاحب
لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کروں جو بہ تصریح اعظم اولیاء سید
الاولیاء و امام الاصفیاء و قطب الاقطاب و تاج الافراد و مرجع الابدال و مقرر

الافراد اور بہ اعتراف اکابر علماء امام شریعت و سردار امت و مکی دین و ملت و نظام طریقت و بحر حقیقت و عین ہدایت و دریائے کرامت ہے وہ کون؟ ہاں وہ سید الاسیاد، دایب المراد، سیدنا و مولانا و ملاذنا و ملائنا و غوثنا و غیثنا حضرت قطب عالم و غوث اعظم سید ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جدہ الاکرام و علیہ و علیٰ الہ و بارک و سلم اور وہ کلام پاک نہ ایسا کہ کسی ایسے ویسے رسالے یا زبانوں پر مشہور ہو، بلکہ اکابر و اجلہ آئمہ کرام و علمائے عظام مثل امام اجل، عارف باللہ، سید القراء، ثقہ، مثبت، حجت، فقیہ، محدث راویۃ الحضرات العلویۃ القادریہ سیدنا امام ابوالحسن نور الدین علی بن جریر نخعی شطرنوی، پھر امام اکرم، شیخ الفقہاء، فرد العرفاء، عالم ربانی، حامل لوائے حکمت یمانی سیدنا امام عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی مکی، پھر فاضل اجل فقیہ اکمل، محدث اجمل، شیخ المحرام المحترم مولانا علی قاری حنفی ہروی مکی وبقیۃ السلف، جلیل الشرف، صاحب کرامات عالی و برکات معالی مولانا محمد ابوالمعالی مسلمی معالی، پھر شیخ شیوخ، علماء الہند، محقق، فقیہ، عارف نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت و عظمائے امت قد سبھا اللہ تعالیٰ باسمہ و افاض علینا من برکاتہم و انوارہم نے اپنی تصانیف جلیلہ جمیلہ معتمدہ مستندہ مثل بحر الاسرار شریف و خلاصۃ المفارخ و نزہۃ الخاطر الفاتر و تحفہ قادریہ و اخبار الاخیار و زبدۃ الآثار وغیرہا میں ذکر و روایت فرمایا، کہ حضور پر نور، جگر پارہ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہ و سلم ارشاد فرماتے ہیں:

من استغاث بی فی کربۃ کشف عنہ و من نادنی باسمی

فی شلثة فرجت عنه. ومن توسل بى الى الله فى حاجة قضيت حاجته. ومن صلى ركعتين يقرأ فى كل ركعة بعد الفاتحة سورة الاخلاص إحدى عشرة مرة ثم يصلى ويسلم على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعد السلام من التشهد إحدى عشرة مرة ويذكره ثم يخطوا الى جهة العراق إحدى عشرة خطوة و يذكر اسمى ويذكر حاجته، فإنها تقضى باذن الله تعالى

(ہجۃ الاسرار، ذکر فضل اصحابہ و بشرام ص ۱۰۲، مصر)

جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے وہ مصیبت دور ہو، اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دفع ہو، اور جو اللہ عز و جل کی طرف کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے وہ حاجت پوری ہو، اور جو دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ گیارہ بارہ سورۃ اخلاص پڑھے، پھر سلام پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم پر گیارہ بار درود و سلام بھیجے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کو یاد کرے، پھر بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت ذکر کرے تو بے شک اللہ و تبارک تعالیٰ کے حکم سے وہ حاجت روا ہو۔

يقول العبد صدقت يا سيدى يا مولائى رضى الله تعالى عنك وعن كل من كان لك ومنك الحمد لله الذى جعلك وارث ابيك المرسل رحمة ومولى النعمة وصلى الله تعالى على ابيك و عليك وعلى كل من انتمى اليك و بارك وسلم و شرف و كرم. امين امين يا ارحم الراحمين ۝ والحمد لله رب

العالمین ۵

بندہ (یعنی احمد رضا خاں) کہتا ہے، اے میرے سردار اور آقا! اللہ آپ سے راضی ہو اور ہر اس شخص سے جو آپ کے لئے ہو اور آپ سے ہو، تمام تعریفیں اس خدا کو ہزاوار ہیں جس نے آپ کو آپ کے باپ رحمت عالم و آقائے نعمت کا وارث بنایا۔ اللہ رحمتیں نازل فرمائے آپ کے باپ پر اور آپ پر اور ہر اس شخص پر جو آپ کی طرف منسوب ہو اور برکتیں، شرافتیں اور کرامتیں نازل فرمائے۔ آمین آمین، یا ارحم الراحمین و الحمد للہ رب العالمین۔ م

حضرت ابو المعالی قدس سرہ العالی کی روایت میں الفاظ کریمہ کشفٹ۔ فرجٹ۔ قضیٹ بصیغہ محکم معلوم ہیں۔ وہ ان کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

”عمر بزاز قدس سرہ میگوید، من شنیدہ ام از حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ دور گردانم آں کر بت استغاثہ کند کشفٹ عنہ۔ دور گردانم آں گر بند را ازو۔ و ہر کہ در ہد تے بنام من ندا کند فرجٹ عنہ خلاص بخشم اور ازاں ہد ت۔ و ہر کہ در حاجتے تو تسل بمن کند در حضرت جل و علا قضیت لہ حاجت اور ابر آرم۔“

(تحفہ قادریہ باب دہم فی التسلول)

علامہ علی قاری بعد ذکر روایت فرماتے ہیں:

وَقَدْ جُرِبَ ذَلِكَ مِرَارًا فَصَحَّ رَضَى اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

بیشک یہ بارہا تجربہ کیا گیا ٹھیک اترا، اللہ تعالیٰ کی رضا شیخ پر ہو۔
 فقیر غفرلہ نے اس نماز مبارک کی ترکیب و بعض نکات و لطائف
 غریب میں ایک مختصر رسالہ مستثنیٰ بہ ازہار الانوار من صباء صلوٰۃ
 الاسرار (۱۳۰۵ھ) اور اس کے ہر ہر فعل کے ثبوت کو کافی، ہر ہر جز کے
 احادیث کثیرہ و اقوال آئمہ و حکم شرعیہ سے اثبات دانی میں ایک مفصل رسالہ
 نفسیہ مشتمل بر فوائد جلیلہ مستثنیٰ بہ انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار
 (۱۳۰۵) تصنیف کیا، جس کی خدا داد شوکت قاہرہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔
 واللہ الحمد۔ ایمان سے کہنا یہ وہی اولیاء ہیں، جن پر تم یہ جیتا بہتان اٹھاتے ہو،
 مگر وہ تو حضرات اولیاء تمہیں منکر، متعصب فرما ہی چکے، تم پر ارشادات اولیاء
 کا کیا اثر ہو۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم۔ عنانِ قلم روکتے
 روکتے، سخن طویل ہوا جاتا ہے، چند فوائد ضرور یہ لکھ کر ختم کیا چاہئے۔

فائدہ ضروریہ:

حضرت امام سفیان ثوری قدس اللہ سرہ القوری کی نقل قول میں مخالف
 نے ستم کار سازی کو کام فرمایا ہے۔ اصل حکایت شاہ عبدالعزیز صاحب کی فتح
 العزیز سے سنئے۔ لکھتے ہیں:

”شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ در نمازِ شام امامت میگرد۔

چوں ایّاک نَعْبُدُ وَاِیّاک نَسْتَعِیْنُ گفت، بے ہوش افتاد،

چوں بخود آمد، گفتند اے شیخ ترا چہ شدہ بود؟ گفت، چوں

ایّاک نَسْتَعِیْنُ گفتم، ترسیدم، کہ مرا بگوئی یند، کہ اے

دروغ گوا چرا از طبیب داروی خواہی۔ و اذا میر روزی و

از بادشاہ یاری می جوئی؟ ولہذا بعضے از علماء گفتہ اند، کہ مرد را باید کہ شرم کند از آنکہ ہر روز و شب پنج نوبت در مواجہہ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ باشد، لیکن در اینجا باید فہمید، کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد بر آں غیر باشد وے واورا امظہر عون الہی نداند حرام است، و اگر التفات محض بجانب حق است و اورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بہ کارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ در آں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید، دور از عرفان نخواہد بود۔ و در شرع نیز جائز در و است۔ و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست، بلکہ استعانت بحضرت حق است، لا غیر۔

(فتح العزیز، تفسیر سورہ فاتحہ، پارہ الم، ص ۸)

سفیان ثوریؒ نے شام کی نماز میں امامت فرمائی، جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچے، بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے دریافت کیا، اے شیخ! آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ فرمایا: جب اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہا تو خوف ہوا کہ مجھ سے یہ نہ کہا جائے ”اے جھوٹے“

پھر طیب سے دوا کیوں لیتا ہے، امیر سے روزی اور بادشاہ سے مدد کیوں مانگتا ہے؟ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کو خدا سے شرم کرنی چاہیے کہ پانچ

وقت اس کے حضور کھڑا ہو کر جھوٹ بولتا ہے، مگر یہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ غیر اللہ سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد ہو اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر نہ جانا جائے حرام ہے، اور اگر توجہ حضرت حق ہی کی طرف ہے اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر جانتا ہے، اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے ظاہری طور پر غیر سے مدد چاہتا ہے تو یہ عرفان سے دور نہیں اور شریعت میں بھی جائز اور روا ہے اور انبیاء اور اولیاء نے ایسی استعانت کی ہے، اور درحقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت حق سے ہی استعانت ہے۔ م

مخالف صاحب نے دیکھا کہ حکایت اگر صحیح طور پر نقل کریں تو ساری قلعی کھلی جاتی ہے، طبیبوں سے دوا چاہنی، امیروں سے نوکری مانگنی، بادشاہوں سے مقدمات وغیرہا میں رجوع کرنا سب شرک ہوا جاتا ہے جس میں خود بھی مبتلا ہیں، لہذا از طبیب دوا وغیرہ الفاظ کی جگہ یوں بتایا کہ ”غیر حق سے مدد مانگوں، مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا۔“ تاکہ جاہلوں کے بہکانے کو اسے بہ زور زبان حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام والہما سے استعانت پر جمائیں اور آپ حکیم جی سے دوا کروانے، نواب، راجہ کی نوکریاں کرنے، منصف ڈپٹی کے یہاں نالشیں لڑانے کو الگ بچ جائیں۔ سبحان اللہ، کہاں وہ تجمل تام و اسقاط تدبیر و اسباب کا مقام جس کی طرف امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول میں ارشاد فرمایا۔ جس کے اہل مریض ہوں، تو دوا نہ کریں۔ بیماری کو کسی سبب کی طرف نسبت نہ فرمائیں۔ عین معرکہ

جہاد میں کوڑا ہاتھ سے گر پڑے تو دوسرے سے نہ کہیں، آپ ہی اتر کے اٹھائیں، اور کہاں مقام شریعتِ مطہرہ و احکام جواز و منع و شرک و اسلام مگر ان ذی ہوشوں کے نزدیک کمال تجل و شرک متقابل ہیں، کہ جو اس اعلیٰ درجہ انقطاع محض و تفویض تام پر نہ ہوا، مشرک ٹھیرایا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، اسی حکایت کے بعد شاہ صاحب نے کیسی تصریح فرمادی، کہ استعانت بالغیر وہی ناجائز ہے کہ اس غیر کو مظہر عون الہی نہ جانے، بلکہ اپنی ذات سے اعانت کا مالک جان کر اس پر بھروسہ کرے، اور اگر مظہر عون الہی سمجھ کر استعانت بالغیر کرتا ہے، تو شرک و حرمت بالائے طاق، مقام معرفت کے بھی خلاف نہیں۔ خود حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ایسی استعانت بالغیر کی ہے۔

مسلمانو! مخالفین کے اس ظلم و تعصب کا ٹھکانا ہے، کہ بیمار پڑیں تو حکیم کے دوڑیں، دوا پر گریں، کوئی مارے پیٹے، تو تھانے کو جائیں، رپٹ لکھائیں، ڈپٹی وغیرہ سے فریاد کریں، کسی نے زمین و بالی یا تمسک کا روپیہ نہ دیا تو منصف صاحب مدد کیجئے، حج بہادر خبر لیچو ناشر کریں، استغاثہ کہیں غرض دنیا بھر سے استعانت کریں اور حصر ایاک نستعین کو اس کے منافی نہ جانیں۔ ہاں انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے استعانت کی اور شرک آیا۔ ان کاموں کے وقت آیت کا حصر کیوں نہ یاد آتا، وہاں تو یہ ہے کہ ہم خاص تجھی سے استعانت کرتے ہیں، کیا مخالفین کے نزدیک خاص تجھی میں بید، حکیم، تھانہ دار، جمعدار، ڈپٹی، منصف، حج وغیرہ سب آگئے، کہ یہ اس حصر سے خارج نہ ہوئے، یا معاذ اللہ آیہ کریمہ کا حکم ان پر جاری نہیں، یہ خدا کے ملک سے

کہیں الگ بستے ہیں، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

غرض مخالفین خود بھی دل میں خوب جانتے ہیں، کہ آیہ کریمہ میں مطلق استعانت بالغیر کی اصلاً ممانعت نہیں، نہ وہ ہرگز شرک یا ممنوع ہو سکتی ہے، بلکہ استعانت حقیقیہ ہی رب العزّة جل و علا سے خاص فرمائی گئی ہے اور اس کا اختصاص کسی طرح حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے استعانت جائزہ کا منافی نہیں ہو سکتا۔ مگر عوام بیچاروں کو بہکانے اور محبوبانِ خدا کا نام پاک ان کی زبان سے چھڑانے کو دیدہ و دانستہ قرآن و حدیث کے معنی بدلتے ہیں، تو بات کیا کہ سر کی کھلی اور دل کی بند ہیں، پاؤں تلے کی نظر آتی ہے، حکیم جی کو علاج کرتے، تھانہ دار کو چوریاں نکالتے، نواب راجہ کو نوکریاں دیتے، ڈپٹی منصف کو مقدمات بگاڑتے سنبھالتے آنکھوں دیکھ رہے ہیں، ان کی امداد و عانت سے کیوں کر منکر ہوں، اور حضرات علیہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو باطن و ظاہر، قاہر و باہر مددیں پہنچ رہی ہیں۔ نہ دل کے اندھوں کو سوچیں اور نہ ہی اپنے نصیبے میں ان کی برکات کا حصر سمجھیں۔ پھر بھلا کیوں کر یقین لائیں، جیسے معتزلہ خذلہم اللہ تعالیٰ، کہ ان کے پیشوا ظاہری عبادتیں کرتے کرتے مر گئے۔ کرامات اولیاء کی اپنے میں بوند نہ پائی، ناچار منکر ہو گئے۔ ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند!

پھر ان حضرات کو ڈپٹی، منصف، حکیم سے خود بھی کام پڑتا رہتا ہے۔ ان سے استعانت کیونکر شرک کہیں، معہذا ان لوگوں سے کوئی کاوش بھی نہیں، دل میں آزار تو حضرات انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ ان کا نام تعظیم و محبت سے نہ آنے پائے، ان کی طرف کوئی سچی عقیدت سے رجوع نہ

لَا يَسْعَىٰ سَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا بِآيَةٍ مُّنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝ (پ ۱۹ الشعراء: ۲۲۷)

فائدہ مہمہ

مخالفین بیچارے کم علموں کو اکثر دھوکا دیتے ہیں کہ یہ تو زندہ ہیں، فلاں عقیدہ یا معاملہ ان سے شرک نہیں۔ وہ مردہ ہیں، ان سے شرک ہے۔ یا یہ تو پاس بیٹھے ہیں، ان سے شرک نہیں۔ وہ دور ہیں، ان سے شرک ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس، طرح طرح کے بے ہودہ وسواس، مگر یہ سخت جہالت بے مزہ ہے، جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا۔ اور ایک کے لئے شرک نہیں تو کسی کے لئے بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہو سکتے۔ زندے ہو سکتے ہیں۔ دور کے نہیں ہو سکتے، پاس کے ہو سکتے ہیں، انبیاء نہیں ہو سکتے حکیم ہو سکتے ہیں، انسان نہیں ہو سکتے فرشتے ہو سکتے ہیں۔ حاشا للہ اللہ تبارک تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ تو مثلاً جو بات ندا خواہ کوئی شے جس اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد سے کسی دور والے یا مردے، بلکہ اینٹ پتھر سے بھی شرک نہیں ہو سکتی۔ اور جو ان میں سے کسی سے شرک ٹھیرے وہ قطعاً یقیناً تمام عالم سے شرک ہوگی۔ اس استعانت ہی کو دیکھئے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا، بہ اس معنی اگر دفع مرض میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے یا حاجت فقر میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے، یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے، بلکہ کسی سے روز مرہ کے معمولی کاموں ہی میں مدد لے، جو بالیقین تمام مخالفین روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے

ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے یا کھانا پکا دے، یا پانی پلا دے، سب شرک قطعی ہے، کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے پر انھیں خود اپنی ذات سے بے عطائے الہی قدرت ہے تو صریح کفر اور شرک میں کیا شبہ رہا، اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی مظہر عون الہی و واسطہ وسیلہ و سبب سمجھنا اس معنی پر حضرات انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام سے کیوں شرک ہونے لگی۔ مگر حکیم، امیر، حج اولاد، نوکر، جو رو، ان سب کو مظہر عون و سبب و وسیلہ جاننا جائز ہے۔ اور ان حضرات عالیہ کو کہ وہ اعلیٰ مظہر و اعظم سبب و افضل وسائل بلکہ منتہی الاسباب و غایۃ الوسائط و نہایۃ الوسائل ہیں ایسا سمجھنا شرک ہو گیا۔ ہزار ترف بریں بے عقلی و نا انصافی۔ غرض پانی وہیں مرتا ہے، کہ جو کچھ غصہ ہے وہ حضرات محبوبان خدا کے بارے میں ہے۔ جو رو، یار، بچے مددگار، نوکر کار گزار۔ مگر انبیاء و اولیاء کا نام آیا، اور سر پر شرک کا بھوت سوار، یہ کیا دین ہے؟ کیسا ایمان ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝

مسلمین اس نکتے کو خوب محفوظ و ملحوظ رکھیں۔ جہاں ان چالاکوں، عیاروں کو کوئی فرق کرتے دیکھیں، کہ فلاں عمل یا فلاں اعتقاد فلاں کے ساتھ شرک ہے، فلاں سے نہیں۔ یقین جان لیجئے کہ نرے جھوٹے ہیں۔ جب ایک جگہ شرک نہیں، تو اس اعتقاد سے کسی جگہ شرک نہیں ہو سکتا۔ واللہ الہادی الی طریق سوی۔

فائدہ ضروریہ

مخالفین جب سب طرح عاجز آ جاتے ہیں اور کسی طرف راہ مفر نہیں

پاتے تو ایک نیا شگوفہ چھوڑتے ہیں کہ صاحبو! ہم بھی اسی استعانت کو شرک کہتے ہیں جو غیر خدا کو قادر بالذات و مالک مستقل بے عطائے الہی جان کر کی جائے اور اپنی بات بنانے اور نخلت مٹانے کو ناحق ناروا بیچارے عوام مومنین پر جیتا بہتان باندھتے ہیں کہ وہ ایسا ہی سمجھ کر انبیاء و اولیاء سے استعانت کرتے ہیں۔ ہمارا یہ حکم شرک انھیں کی نسبت ہے۔ اس بارے درجے کی بناوٹ کا لفافہ تین طرح کھل جائے گا۔

اولاً صریح جھوٹے ہیں، کہ صرف اسی صورت کو شرک جانتے ہیں، ان کے امام خود تقویۃ الایمان (پہلا باب توحید و شکر کے بیان میں) میں لکھ گئے ہیں۔

”کہ پھر خواہ یوں سمجھے، کہ ان کاموں کی طاقت ان کو

خود بخود ہے۔ خواہ یوں سمجھے، کہ اللہ نے ان کو ایسی

قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ہوتا ہے۔“

کیوں اب کہاں گئے وہ جھوٹے وعدے۔ ثانیاً، ان کے سامنے یوں

کہیئے، کہ یا رسول اللہ! حضور کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اعظم و نائب اکرم و

قاسم نعم کیا۔ دنیا کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، خزانوں کی کنجیاں، مدد کی کنجیاں،

نفع کی کنجیاں حضور کے دست مبارک میں رکھیں، روزانہ دو وقت تمام امت

کے اعمال حضور کی بارگاہ میں پیش کرائے۔ یا رسول اللہ! میرے کام میں نظر

رحمت فرمائیے۔ یا رسول اللہ! اللہ کے حکم سے میری مدد و اعانت فرمائیے۔“

اب ان لفظوں میں تو صراحۃً قدرت ذاتی کا انکار اور مظہریت عون الہی کی

تصریح ہے۔ ان میں تو معاذ اللہ اس ناپاک گمان کو بو بھی نہیں آ سکتی۔ یہ

کہتے جاتیے اور ان صاحبوں کے چہرے کو غور کرتے جاتیے۔ اگر بکشاوہ

پیشانی اسے سنیں اور آثار کراہت و غیض ظاہر نہ ہوں، جب تو خیر، اور اگر

دیکھئے کہ صورت بگڑی، ناک بھوں کٹی۔ منہ پر دھوئیں کی مانند تاریکی
 دوڑی، تو جان لیجئے کہ دلی آگ اپنا رنگ لائی۔ ع

کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

سبحان اللہ! میں عبث امتحان کو کہتا ہوں۔ بارہا امتحان ہو ہی لیا۔ ان
 صاحبوں میں نواب دہلوی مصنف ظفر جلیل تھے۔ حدیث عظیم و جلیل ثابت یا
 محمد انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی ہذہ لتقضى لی، کہ
 صحاح ستہ سے تین صحاح، جامع ترمذی (کتاب الدعوات، حدیث ۳۵۷۳)
 سنن نسائی (عمل الیوم واللیلۃ) سنن ابن ماجہ (باب ماجہ فی الصلاۃ الحاجۃ) میں
 مروی اور اکابر محدثین مثل امام ترمذی و امام طبرانی و امام بیہقی (۱۶۶/۶) و ابو
 عبد اللہ حاکم (المستدرک، کتاب صلاۃ التطوع) و امام عبد العظیم منذری
 (الترغیب والترہیب ۲۷۲/۱) وغیرہم اسے صحیح فرماتے۔ آئے جسے خود حضور
 پر نور سید یوم النور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے قضائے حاجت کے لئے
 تعلیم، اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زمانہ اقدس اور حضور کے بعد
 زمانہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاجت روائی کا ذریعہ بنایا،
 اس میں کیا تھا۔ یہی نہ کہ یا رسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب
 کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ وہ میری حاجت روا فرمائے۔ اس میں معاذ اللہ،
 قدرت بالذات کی کہاں بونہی جو نواب صاحب کو پسند نہ آئی، کہ نہ رسول
 اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کا پاس، نہ صحابہ و تابعین کی تعلیم و
 عمل کا لحاظ، نہ اکابر حفاظ حدیث کی تصحیح کا خیال، سخت ڈھٹائی کے ساتھ حاشیہ
 ظفر جلیل پر حدیث صحیح کو بزور زبان و زور بہتان رد کرنے کے لئے عقل و
 شرح کی قید سے نکل بے دھڑک بے پر کی اڑادی کہ یہ حدیث قابل حجت

نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اس واقعہ عبرت خیز کا بیان ہمارے رسالہ انھار الانوار میں ہے۔ اب دیکھئے، کہ نہ فقط اولیاء بلکہ خود حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وسلم افضل الصلوٰۃ والثناء سے استعانت جائزہ محمودہ، خود حضور اقدس کی فرمودہ صحابہ و تابعین کی معمولہ و مقبولہ صحیح حدیث میں ان لوگوں کا یہ حال ہے۔

قُلْ مُوتُوا بِغِیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

(پ ۴ آل عمران آیت ۱۱۹)

ثالثاً سب جانے دو۔ سرے سے یہ ناپاک اذعا ہے کہ بندگان خدا محبوبان خدا کو قادر مستقل جان کر استعانت کرتے ہیں، ایک ایسی سخت بات ہے جس کی شاعت پر اطلاع پاؤ تو مدتوں تمہیں توبہ کرنی پڑے۔ اہل لا الہ الا اللہ پر بدگمانی حرام، اور ان کے کلام کو جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں خواہی نحوای معاذ اللہ معنی کفر کی طرف ڈھال لے جانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہ، و تعالیٰ فرماتا ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۝

(پ ۱۲۶ الحجرات آیت ۱۲)

اے ایمان والو! بہت گمانوں کے پاس نہ جاؤ، بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔ اور فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

کُلُّ اُولٰٓئِکَ كَانَ عَنْہُ مَسْنُوْلًا ۝ (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۳۶)

پیچھے نہ پڑ اس بات کے جو تجھے تحقیق نہیں۔ بیشک کان، آنکھ، دل،

سب سے سوال ہوتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ

خَيْرًا (پ ۱۸ النور آیت ۱۲)

کیوں نہ ہوا، کہ جب تم نے اسے سنا تو مسلمان مردوں عورتوں نے
اپنی جانوں یعنی اپنے بھائی مسلمانوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔

اور فرماتا ہے:

يَعْظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

(پ ۱۸ النور آیت ۱۷)

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

إِيَّاكُمْ وَفِيَّ الظَّنُّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۴، قدیمی، باب قول اللہ عزوجل من بعد وھیہ)

گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

رواہ مالک و البخاری و مسلم و ابو داؤد و الترمذی

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

أَفْلَا سَقَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ

(سنن ابوداؤد، باب علی ما یقال للمشرکون، ۱/۳۵۵)

تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا؟

رواہ مسلم و غیرہ

علمائے کرام فرماتے ہیں، کلمہ گو کے کلام میں اگر ننانوے معنی کفر کے نکلیں، اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو تو واجب ہے اسی تاویل کو اختیار کریں اور اسے مسلمان ٹھیرائیں کہ حدیث میں آیا ہے:

الاسلام یعلو ولا یُعلى

(سنن الدار قطنی، کتاب النکاح باب المہر، ۲۵۲/۳)

اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں کیا جاتا۔

رواہ الرؤیانی والذاری قطنی والبیہقی والضیاء والخلیل عن
عائد بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم:

نہ کہ بلا وجہ منہ زوری سے صاف ظاہر، واضح، معلوم، معروف معنی کا انکار کر کے اپنی طرف سے ایک ملعون، مردود، مصنوع، مطرود احتمال گھڑیں اور اپنے لئے علم غیب اور اطلاع حال کا دعویٰ کر کے زبردستی وہی ناپاک مُرد مسلمانوں کے سر باندھیں۔ قیامت تو نہ آئے گی، حساب تو نہ ہوگا، ان بہتانوں، طوفانوں پر بارگاہِ قہار سے مطالبہ جواب تو نہ ہوگا۔ ہاں، ہاں جواب تیار کر رکھو، اس سخت وقت کے لئے جب مسلمانوں کی طرف سے جھگڑتا آئے گا، لا الہ الا اللہ، ہاں اب جانا چاہتے ہیں ستم گر لوگ کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں۔ یوں اعتبار نہ آئے تو اپنے کذب کا امتحان کر لو۔ اہل استعانت سے پوچھو تو کہ تم انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کو عیاذ باللہ خدایا خدا کا ہمسر یا قادر بلذات یا معین مستقل جانتے ہو، یا اللہ عزوجل کے مقبول بندے، اس کی سرکار میں عزت و وجاہت والے، اس کے حکم سے

اس کی نعمتیں بانٹنے والے مانتے ہو، دیکھو تو تمہیں کیا جواب ملتا ہے۔

امام علامہ خاتمۃ الحجہدین، تقی الملتہ والدین، فقیہ، محدث، ناصر السنۃ ابو الحسن علی بن عبدالکافی سبکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب مستطاب فضشفاء السقام میں استمداد و استعانت کو بہت احادیث صریحہ سے ثابت کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

لیس المراد نسبة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی الخلق والاستقلال بالافعال هذا لا یقصدہ مسلم فصرف الکلام الیہ و منعه من باب التلیس فی الدین والتشویش علی عوام الموحدین (الباب الثامن فی التوسل، ص ۱۷۵، نوریہ رضویہ فیصل آباد) یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھیراتے ہوں۔ یہ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

صدق یاسیدی جزاک عن الاسلام والمسلمین خیراً

امین

فقیہ، محدث، علامہ، محقق، عارف باللہ، امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی کتاب افادت نصاب جوہر منظم میں حدیثوں سے استعانت کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں:

فالتوجه والاستغالة بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بغیرہ
لیس لہما معنی فی قلوب المسلمین غیر ذلک ولا یقصد بہما

احد منهم سواه فمن لم ينشرح صدره، لذلک فلیک علی
نفسہ نَسْأَلُ اللّٰهَ العافیة والمستغاث بہ فی الحقیقة هو اللّٰه والنّبی
صلی اللّٰه تعالیٰ علیہ و اسطۃ بینہ و بین المستغیث. فهو سبحانه
مستغاث بہ والغوث منه خلقاً وایجاداً والنّبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیہ
و سلم مستغاث والغوث من سبباً و کسباً

(الجوہر المظہم، الفصل السابع ص ۶۲، مصر)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا حضور اقدس کے سوا اور
انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والتّما کی طرف توجّہ اور ان سے فریاد کے یہی
معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا
ہے، نہ قصد کرتا ہے۔ تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے وہ آپ اپنے حال پر
روئے، ہم اللہ تبارک تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔ حقیقتاً فریاد اللہ عزّ وجلّ
کے حضور ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے اور اس فریادی کے بیچ
میں وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ تو اللہ عزّ وجلّ کے حضور پر فریاد ہے اور اس کی فریاد
رسی یوں ہے کہ مراد کو خلق و ایجاد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور
فریاد ہے اور حضور کی فریاد رسی یوں ہے کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور
اپنی رحمت سے وہ کام کریں جس کے باعث اس کی حاجت روا ہو۔

مخالف کو کریم کا مصرعہ یاد رہا کہ:

نداریم غیر از تو فریاد رس

اور ■ بیشک حق ہے جس کے معنی ہم اوپر بیان کر آئے، مگر یہ یاد نہ
آیا کہ اس کے کبرائے طائفہ کے اکابر و عمائد حضور پر نور سیدنا و مولانا و غوثنا و

ماوینا حضرت غوث اعظم، غوث الثقلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جدہ الکریم و آباء
الکرام و علیہ و علیٰ مرید یہ و محبیہ و بارک و سلم کو فریاد رس مان رہے ہیں۔
شاہ ولی اللہ صاحب ”لمعات“ میں لکھتے ہیں:

”امروز اگر کسے را مناسبت بروح خاص پیدا شود،
واز آں جا فیض برادر غالباً بیرون نیست از آنکہ ایں
معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم باشد یا بہ
نسبت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا بہ
نسبت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ (ہمہ ۱۱)

آج اگر کسی کو روح خاص سے مناسبت پیدا ہو
جائے اور وہ وہاں سے فیض یاب ہو تو غالباً بعید نہیں کہ یہ
کمال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی مناسبت سے حاصل ہوا ہوگا، یا بہ نسبت غوث الاعظم
جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملا ہوگا۔“ م

شاہ عبدالعزیز صاحب ”تفسیر عزیزی“ میں حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی محبوبیت بیان کر کے
فرماتے ہیں:

”ایں مرتبہ ازاں مراتب است کہ ہچ کس را از بشر نہ
دادہ اند۔ مگر بہ طفیل ایں محبوب بر خے از اولیائے امت
اور اشمۂ محبوبیت آں نصیب شدہ و مسجود خلاق و محبوب دلہا
گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم و سلطان المشرق حضرت
نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما“ (سورہ الم نشرح)

یہ وہ مرتبہ جو کسی انسان کو نصیب نہ ہوا، ہاں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہے اس کا کچھ حصہ اولیائے
امت تک پہنچا، پھر یہ حضرات اس کی برکت سے مجبور
خلاق اور محبوب قلوب ہوئے جیسے حضرت غوث الاعظم
اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ
سرہما۔ م

مرزا مظہر جانجاناں اپنے مکتوبات (ص ۱۹) میں تحریر فرماتے ہیں:
”آنچه در تاویل قول حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ
عنه قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ نوشته اند“
انہیں کے ملفوظات (ص ۸۳) میں ہے:

”التفات غوث الثقلین بحال متوسلان طریقہ علیہ
ایشاں بسیار معلوم باشد۔ باہج کس از اہل ایں طریقہ
ملاقات نشدہ، کہ توجہ مبارک آں حضرت بحالش مبذول
نیست۔“

غوث الثقلین کی توجہ اپنے سلسلے سے وابستہ حضرات
کی طرف بہت معلوم ہوئی ہے۔ آپ کے سلسلے کے کسی
ایسے شخص سے ملاقات نہ ہوئی جو آپ کی توجہ سے محروم
ہو۔ م

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ”سیف المسلول“ میں لکھتے ہیں:
”فیوض و برکات کارخانہ ولایت اول بریک شخص نازل
میشود، و ازاں تقسیم شدہ بہر یک از اولیائے عصر میرسید و

بہ ہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط اوفیضے نمی رسد۔ اس منصب عالی تا وقت ظہور سید الشرفاء حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلانی بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بودہ چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد، اس منصب مبارک بوے متعلق شد۔ و تا ظہور محمد مہدی اس منصب بروح مبارک حضرت غوث الثقلین متعلق باشد و لهذاں حضرت قدی هذه علی رقبۃ کلّ ولی اللہ فرمودہ۔ و قول حضرت غوث الثقلین اخی و خلیلی کان موسی بن عمران نیز برآں دلالت دارد۔

کارخانہ ولایت کے فیوض پہلے ایک شخص پر نازل ہوئے، پھر اس سے منقسم ہو کر ہر زمانے کے اولیاء کو ملے، اور کسی ولی کو ان کے توسط کے بغیر فیض نہ ملا۔ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظہور سے قبل یہ منصب عالی حسن عسکری علیہ السلام کی روح سے متعلق تھا، جب غوث الثقلین پیدا ہوئے تو یہ منصب آپ سے متعلق ہوا، اور محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی روح سے متعلق رہے گا۔ اس لئے آپ نے فرمایا، میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔“ پھر غوث پاک کا یہ قول ”میرے بھائی اور دوست موسیٰ بن عمران تھے۔“ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ م۔

یہ سب ایک طرف، خود امام الطائفہ، میاں اسماعیل دہلوی صراط المستقیم (ص ۱۶۶) میں اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں:

”روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء

الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ۔“ اسی میں ہے
 ”شخصیکہ در طریقہ قادریہ قصد بیعت می کند البتہ اورا
 در جناب حضرت غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم میر
 سد۔“ الی قولہ۔ کہ خود را از زمرہ غلامانِ آں جناب می
 شمارد، اہ ملخصاً۔ (ص ۱۴۷) اسی میں ہے۔ ”اولیائے
 عظام مثل حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجہ بزرگ
 النخ۔ (ص ۱۳۲، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین
 نقشبند کی ارواح مبارکہ ان کے حال پر متوجہ تھیں۔ اسی
 میں ہے کہ ایک شخص نے قادری طریقے میں بیعت کا
 ارادہ کیا، یقیناً اس کو جناب حضرت غوث الثقلین میں
 بہت گہرا اعتقاد تھا، الی قولہ، خود کو آں جناب کے غلاموں
 میں شمار کیا۔ اسی میں ہے۔ اولیائے عظام جیسے غوث
 پاک رضی اللہ عنہ، اور حضرت خواجہ بزرگ۔

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃ النصائح میں لکھتے
 ہیں:

”اگر، شخصے بڑے راخانہ پرور کند، تا گوشت او
 خوب شود و اور اذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خواندہ بخوراند، خللے نیست۔“
 اگر کوئی شخص کوئی بکرا گھر میں پالے تاکہ اس کا
 گوشت اچھا ہو جائے، اور اس کو ذبح کر کے پکا کر غوث

الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلائے اور لوگوں کو
کھلائے تو کوئی خلل نہیں۔ م

ایمان سے کہیو۔ غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے
فریادرس، یا کچھ اور، خدا کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین، یہی ترجمہ ہوا، کہ
جن و بشر کے فریادرس، یا کچھ اور، پھر یہ کیسا کھلا شرک تمہارا امام اور اس کا
سارا خاندان بول رہا ہے۔ قول کے سچے ہو، تو ان سب کو ذرا جی کڑا کر کے
مشرک بے ایمان کہہ دو، ورنہ شریعت کیا ان کی خانگی ساخت ہے، کہ فقط
باہر والوں کے لئے خاص ہے۔ گھر والے سب اس سے مستثنیٰ ہیں۔

افسوس اس امام کی تلون مزاجیوں نے طائفہ کی مٹی اور بھی خراب کی
ہے۔ آپ ہی تو شرک کا قانون سکھائے جس کی بنا پر طائفہ کے نواب
بھوپالی بہادر دہلی زبان سے کہہ بھی گئے، غوث اعظم یا غوث الثقلین کہنا شرک
سے خالی نہیں۔ اور آپ ہی جب تلون کی لہر آئے تو اپنی موج میں آ کر
انہیں گہرے میں دھکا دے اور خود دور کھڑا قہقہے لگائے کہ اِنِّیْ بِرِیْءٍ مِّنْکَ
اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ۝ (الحشر: ۱۶) اب یہ بیچارے رویا کریں۔

اپنا بیڑا کھے گئے اور ہو گئے ندیا پیار

بانہ نہ میری تھام لی سو آن پڑے منجدھار

کون سنتا ہے۔ الحق۔

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را

بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

ضعف الطالب و المطلوب لبئس المولیٰ و لبئس العشیور۔

و حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز
الحکیم۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر O والحمد للہ رب العالمین و
قل بعدا للقوم الظلمین O و صَلَّی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین
غوث الدنیا و غیاث الدین سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ
اجمعین امین O

الحمد للہ کہ یہ نہایت اجمالی جواب اور اتنے اجمال پر کافی و دافی موضح
صواب چند جلسات میں ۱۶ شعبان المعظم روز مبارک جمعہ ۱۳۱۱ ہجریہ قدسیہ کو
بوقت عصر تمام اور بلحاظ تاریخ برکات الامداد لاهل الاستمداد نام ہوا۔
نفعی اللہ بہ و بسائر تصانیفی والمسلمین فی الدارین بالنفع الاتم۔
و صَلَّی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جلّ مجدہ اتم واحکم۔

تمت

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

کتبہ

عفی عنہ بمحمد ن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تقدیم

علمائے کرام و اولیائے عظام سے عقیدت و محبت ان کے تقرب الی اللہ کی وجہ سے ہی ہوتی ہے، یہ محبت قلبی بھی ہوتی ہے اور ظاہری بھی، کیونکہ ظاہر باطن کا آئینہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر دو قسم کی محبت رکھتے تھے، حضرت سواد رضی اللہ عنہ جب عین دشمن کے رو برو تھے اور جامِ شہادت ان کے بہت قریب تھا، اس وقت بھی انہوں نے اگر تمنا کی تو یہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو بوسہ دیں، پھر جسد اقدس ہی نہیں بلکہ آپ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کے ساتھ یہی طریقہ ادب و احترام جاری رہا، پھر آپس میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین و اولیائے کاملین بھی اسی راہ پر چلے، اس کی اصل ہماری شریعت میں حجر اسود کو بوسہ دینا ہے، سبیل مومنین یہی ہے، اس میں شرک و کفر کا شائبہ تک نہیں، خواہ مخواہ مسلمانوں کی نیت پر شبہ کرنا کہاں کی دیانت داری اور دانشوری ہے۔ اس طرز عمل کا فائدہ اس کے سوا اور کیا ہوگا، کہ لوگ جو دین سے پہلے ہی دور ہیں مزید دور ہو جائیں؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے میں، اسی مسئلے کو نہایت ہی لطیف پیرائے میں مدلل بیان فرمایا ہے، اس کا تاریخی نام: **أَبْرُ الْمَقَالِ فِي قُبْلَةِ الْإِجْلَالِ** ہے، جس کا ترجمہ ہے، تعظیم کے لئے بوسہ دینے میں صحیح ترین قول۔

مرتب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَبْرُ الْمَقَال

علماء کرام و اولیاء عظام کے تبرکات
اور استانوں کا بوسہ دینے کا بیان

تصنیف لطیف

انہم اہل سنت مجدد عالم دین و بہت اعلمت عظیم الہیہ شہداء الشاہ اسام
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل یونی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

مسئلہ: ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ از سورت کٹھور مسجد پرپ مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب و از علی گڑھ مدرسہ مولانا مولوی لطیف اللہ صاحب مرسلہ مولوی سندھی صاحب، طرفہ اس کہ از ہر دو جا بوقت واحد سوال آمد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ شہر مورلیں میں قبلہ رخ کی دیوار کے ساتھ محراب کے متصل بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا لٹکا ہوا ہے اور وہاں کے باشندے، میمن وغیرہ سب سوداگر لوگ خاص و عام بعد فراغ منجگانہ کے اس ٹکڑے کو بوسہ دیتے ہیں اور بعد نماز جمعہ کے تو بوجہ کثرت نمازیوں کے بوسہ دینے میں بہت ہی ہجوم کرتے ہیں۔ کوئی چار بوسہ دیتا ہے، کوئی زیادہ کوئی کم، جیسا کسی کا موقع لگا، ویسا ہی اس نے کیا، اور کوئی ہجوم اور کثرت کی وجہ سے محروم بھی رہ جاتا ہے، اور اس امر میں اس کو معظم چیز سمجھ کر کمال کوشش کرتے ہیں۔ کسی قدر جاننے والے لوگ تو تعظیم کا بوسہ دیتے ہیں، اور عوام کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیا سمجھ کر بوسہ دیتے ہیں، دوسرے کی دیکھا دیکھی اس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ آیا یہ امر شرعاً موجب ثواب ہے یا کسی امر خارجی کی وجہ سے مستوجب عذاب ہے۔ بینوا تو جروا۔

☆☆☆

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

بوسہ تعظیم شرعاً و عرفاً انحاء تعظیم سے ہے۔ اسی قبیل سے ہے بوسہ

آستانہ کعبہ و بوسہ مصحف و بوسہ نان ۲ و بوسہ دست و پائے علماء و اولیاء و کل ذالک مصرح بہ فی الکتب لالدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار اور خود احادیث کثیرہ میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا دست و پائے اقدس حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مہر نبوت کو بوسہ دینا وارد۔ کما فصلنا بعضہ فی کتابنا۔ البارقۃ الشاقۃ علی مارقۃ المشارق و مانحن فیہ سے اقرب و اوفق حدیث عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ انہوں نے منبر انور سرور اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے موضع جلوس اقدس کو مس کر کے اپنے چہرے سے لگایا، رواہ ابن سعد فی طبقاتہ، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مروی کہ رمانہ منیرا عطر کو جو مزار اقدس و ازہر پر ہے، یعنی اس کے بازو پر جو گول شکل کا ایک کنگرہ سا بنا دیتے ہیں، اسے داہنے ہاتھ سے مس کر کے دعا مانگا کرے۔ امام قاضی عیاض رفعت روحہ فی زوح الریاض شفا شریف میں فرماتے ہیں:

قال نافع کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یسلم علی

القبر رائتہ مائۃ مرۃ او اکثر یجئ الی القبر فیقول السلام علی

النبی السلام علی ابی بکر ثم ینصرف وری واضعاً یدہ علی

۱۔ تعظیم کی قسموں میں سے ہے۔ م ۲۔ روٹی۔ م

مقعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعها علی وجهه و عن ابن قسیط والعتبی کان اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا خلا المسجد جسّوا برمانة المنبر التي علی القبر بميامنهم ثم استقبلوا القبلة يدعون.

(الشفاء ج ۲ ص ۷۰، فصل فی حکم زیارة قبر ﷺ)

نافع نے کہا، میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کو سلام کرتے ہوئے سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد دیکھا۔ آپ قبر پر تشریف لاتے اور کہتے، نبی علیہ السلام اور ابوبکر کو سلام ہو، پھر واپس چلے جاتے، اور یہ بھی دیکھا گیا کہ منبر پر حضور کے بیٹھنے کی جگہ کو مس کر کے اپنے چہرے پر لگاتے تھے اور ابن قسیط اور عقی سے مروی ہے کہ جب مسجد خالی ہو جاتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کنگرے کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوتے تھے جو قبر انور پر ہے، پھر قبلہ رو ہو کر دعائیں مانگتے تھے۔ م۔

غرض شرعاً و عرفاً معلوم و معروف کہ جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو، اس کا وہ شرف بعد انتہائے مہاستہ بھی باقی رہتا ہے اور اس کی تعظیم اس معظم کی انحاء تعظیم سے گنی جاتی ہے اور معاذ اللہ اس کی توہین اس معظم کی توہین۔ تاج سلطان کو مثلاً زمین پر ڈالنا صرف اسی وقت اہانت سلطان نہ ہوگا جبکہ وہ اس کے سر پر رکھا ہو، بلکہ جدا ہونے کی حالت میں بھی ہر عاقل کے نزدیک یہی حکم ہے۔ یوں ہی تعظیم شفا شریف میں ہے:

من اعظامہ و اکبارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظام
جميع اسبابہ و اکرام مشاہدہ و امکنتہ و مکة والمدینة و معاہدہ و

۱۔ جسم سے منقطع ہونے کے بعد بھی۔ م

ما لمسه عليه الصلوة والسلام او عرف به صلى الله تعالى عليه وسلم
(ج ۲ ص ۴۴)

ترجمہ: آپ کی تعظیم و تکریم کے طریقوں میں سے آپ کے تمام متعلقات و مقامات، مکہ و مدینہ اور ہر اس چیز کی تعظیم ہے جس کو حضور ﷺ نے چھوا ہو یا اس کا تعلق آپ سے معروف ہو۔

اور بے شک تعظیم منسوب بلحاظ نسبت، تعظیم منسوب الیہ ہے، اور بے شک کعبہ شعائر اللہ ہے تو تعظیم غلاف، تعظیم کعبہ و تعظیم شعائر اللہ شرعاً مطلوب:

وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ:

اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کی پرہیز گاری کے باعث ہوگی۔ م

بلکہ نظر ایمانی سے مس و لمس کی بھی تخصیص نہیں، جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت ہے، واجب التعظیم و مورث محبت ہے، و لہذا بلدہ طیبہ مدینہ سکینہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کے درو دیوار کو تبرکاً مس کرنا اور بوسہ دینا اہل حب و ولا کا دستور اور کلمات آئمہ و علماء میں مسطور، اگرچہ ان عمارات کا زمانہ اقدس میں وجود ہی نہ ہو، شرف مس سے تشریف درکنار اللہ در من قال

أَمْرٌ عَلَى الدِّيارِ دِيارِ لَيْلِي

اقبل ذا الجدار و ذوالجدارا

وما حب الدِّيارِ شغفن قلبی

ولكن حب من سكن الدِّيارا

(شفاء القام، الباب الرابع، ص ۷۳)

کسی نے کیا خواب کہا ہے،

(ترجمہ اشعار) میں لیلیٰ کے شہر پر گزرتا ہوں تو کبھی اس

دیوار کو بوسہ دیتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو اور یہ شہر کی محبت نہیں

جو میرے دل پر محیط ہے، یہ تو شہر والوں کی محبت ہے۔

شفاء شریف میں ہے:

و جد یر لمواطن اشتملت تربتها علی جسد سید البشر

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدارس و مساجد و مشاہد و مواقف

ان تعظم عرصاتها و تنسم نفحاتها و تقبل ربوعها و جدرانها ا

ملخصاً. (ج ۲ ص ۴۵، ۴۶)

وہ مقامات جن کا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور سے

تعلق ہے، ان کے مدارس، ان کی مساجد، مشاہد، مواقف تعظیم کئے جانے

کے لائق ہیں۔ ان کی ہواؤں کو سونگھنا اور ان کے گھروں اور دیواروں کو چومنا

چاہیے۔

پھر فرمایا:

یا دار خیر المرسلین و من به

ہدی الانام و خص بالایات

عندی لا جلتک لوعة و صباة

و تشوق متوقد الجمرات

و علی عہد ان ملأت محاجری

من تلکم الجدران والعصات

لا عفرن مصون شیئی بینہا
من کثرة التقیل الرشفات

(ج ۲ ص ۴۶)

ترجمہ اشعار: اے تمام رسولوں میں بہتر رسول، مخلوق کے
ہادی اور معجزات سے مؤید نبی کے گھر! مجھے تجھ سے عشق و
محبت ہے جس کی چنگاریاں روشن ہیں، اور اگر تو اپنے
صحنوں اور دیواروں سے میری آنکھوں کو پرخم کر دے تو
میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے سپید بالوں کو دیواروں
کے بوسوں کی کثرت سے خاک آلود کر لوں گا۔ م

اس سے بھی ارفع و اعلیٰ واضح و اجلیٰ یہ ہے کہ طبقة فطبة شرقا غربا،
عجا عربا علمائے دین و آئمہ معتمدین نعل مطہر و روضہ معطر حضور سید البشر علیہ
افضل الصلوٰۃ و اکمل السلام کے نقشے کا غدوں پر بناتے، کتابوں میں تحریر
فرماتے آئے، اور انھیں بوسہ دینے اور آنکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم
فرماتے رہے۔ علامہ ابوالیمن ابن عساکر و شیخ ابوالخلق ابراہیم بن محمد بن خلف
سلمیٰ وغیرہا علماء نے اس باب میں مستقل تالیفیں کیں، اور علامہ احمد مقری کی
فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلے میں اجمع و نفع، تصانیف ہے۔
جزاہم ربہم جزاء حسنا و رزقہم بركة خیر النعال امنا و سکنا امین۔

محدث، علامہ، فقیہ ابو الریح سلیمان بن سالم کلاعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یا ناظر تمثال بنیہ

قبل مثال النعل لا متکبرا

اے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشہ نعل مبارک دیکھنے والے اس نقشے کو بوسہ دے بے تکبر کے۔ (جواہر البحار، ۳/۱۶۳، مصر)

قاضی شمس الدین عبداللہ رشیدی فرماتے ہیں۔

لمن قدمس شکل نعال طہ

جزیل الخیر فی یوم الماب

وفی الدنیا یكون بخیر عیش

وعزّ فی الہناء بلا اریاب

فبادر والثم الاثار منها

بقصد الفوز فی یوم الحساب

نقشہ نعل طہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مس کرنے

والے کو قیامت میں خیر کثیر ملے گی اور دنیا میں یقیناً

نہایت اچھے عیش و عزت و سرور میں رہے گا، تو روز قیامت

مراد ملنے کی نیت سے جلد اس اثر کریم کو بوسہ دے۔

شیخ فتح اللہ بیلونی حلبی، معاصر علامہ مقری، نعل مقدس سے عرض

کرتے ہیں۔

فی مثلک یا نعال اعلیٰ النجا

اسرار بیمنہا شہدنا العجا

من مرّ غ خدہ بہ مبتہلا

قد قام لہ ببعض ما قد وجبا

اے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل

مبارک ، تیرے نقشے میں وہ اسرار ہیں جن کی عجیب
برکتیں ہم نے مشاہدہ کیں، جو اظہار عجز و نیاز کے ساتھ
اپنا رخسارہ اس پر رگڑے وہ بعض حق اس نقشہ مقدسہ کے
جو اس پر واجب ہیں، ادا کرے۔
وہی فرماتے ہیں۔

مثال نعل بوطی المصطفیٰ سعدا
فامدد الی لثمہ بالذل منک یدا
واجعلہ منک علی لعینین معترفا
بحق توقیرہ بالقلب معتقدا
وقبلہ راعلن بالصلوۃ علی
خیر الانام و کرر ذاک مجتہدا
یہ نقشہ اس نعل مبارک کا جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے قدم سے ہمایوں ہوئے تو اس کے بوسہ دینے کو
تذلل کے ساتھ ہاتھ بڑھا اور زبان سے وجوب و توقیر کا
اقرار اور دل سے اعتقاد کرتا ہوا اسے آنکھوں پر رکھ اور
بوسہ دے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہ اعلان درود
بھیج اور کوشش کے ساتھ اسے بار بار بجالا۔

سید محمد موسیٰ حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح فرماتے ہیں۔

مثال نعل المصطفیٰ اشرف الوری
بہ مورد لا یتبغی عنہ مصدرا

فقبلہ لثما وامسح الوجه موقنا

بینہ صدق تلق ما کنت مضمرا

مصطفیٰ اشرف المخلوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشہ نعل اقدس میں وہ مقام حضور ہے جس سے توجوع نہ چاہے، تو اسے یقین اور سچی نیت کے ساتھ چہرے سے لگا، دل کی مراد پائے گا۔

محمد بن فرج سہتی فرماتے ہیں۔

فمن قبلتها مثل نعل کریمہ

بتقبلها یشقی سقام من اسمہ استشفی

اے میرے منہ اسے بوسہ دے، یہ نعل کریم کا نقشہ ہے اس کے بوسے سے شفا طلب کر، مرض دور ہوتا ہے۔

علامہ احمد بن مقرئ تلمسانی صاحب فتح المتعال فرماتے ہیں۔

اکرم بتمثال حکم نعل من

فاق الوری بالشرف البانخ

طوبی لمن قبلہ منباء

یلثمہ عن چہ الراسخ

کس قدر معزز ہے ان کی نعل مقدس کا نقشہ جو اپنے

شرف عظیم میں تمام عالم سے بالا ہیں، خوشی ہوا سے جو

اسے بوسہ دے اپنی راسخ محبت ظاہر کرتا ہوا۔

علامہ ابوالیمین ابن عسا کر فرماتے ہیں۔

الشم ثری الاثر الکریم فحبذا
ان غزت منه بلثم ذا التمثال
نعل مبارک کی خاک پر بوسہ دے کر اس کے نقشے ہی کو بوسہ دینا
تجھے نصیب ہو تو کیا خوب بات ہے۔

علامہ ابو الحکم مالک بن عبد الرحمن بن علی مغربی جنہیں علامہ عبد الباقی
زرقانی نے شرح مواہب شریف میں احد فضلاء المغاربة، کہا اپنے
قصیدے میں فرماتے ہیں:

مثال لنعلی من احب هویتہ
فہا انا فی یومی لیلی لائمہ
میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعلین مبارک کو دوست رکھتا
اور رات دن اسے بوسہ دیتا ہوں۔

امام ابو بکر احمد ابن امام محمد بن عبد اللہ بن حسین انصاری قرطبی فرماتے ہیں۔

ونعل خضعنا لہا لبہائہا وان
متی نخضع لہا ابدانعلوا
نفعہا علی اعلی المفاوق انہا
حقیقتہا تاج و صورتہا نعل
اس نعل مبارک کے جلال انور سے ہم نے اس کیلئے خضوع کیا اور
جب تک ہم اس کے حضور جھکیں گے بلند رہیں گے، تو اسے بالائے سر رکھ کہ
حقیقت میں تاج اور صورت میں نعل ہے۔ (المواہب اللدنیۃ، ۲/۴۷۰)

شرح مواہب میں ان امام کا ترجمہ عظیمہ جلیلہ مذکور اور ان کا فقیہہ و

محدث و ماہر و ضابطہ و متین الدین و صادق الورع و بے نظیر ہونا مسطور ہے۔
 امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب ارشاد الہامی شرح صحیح بخاری
 نے مواہب لدنیہ و منہج محمدیہ میں ان امام کے یہ اشعار ذکر نقشہ نعل اقدس
 میں انشاء کئے اور مدحیہ علامہ ابو الحکم مغربی کو ما احسنہا اور نظم علامہ ابن عساکر
 کو اللہ درہ فرمایا۔

علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

الشم الترب الذی حصل له النداوة من اثر النعل الکریمۃ
 ان امکن ذالک والانقبل مثالها (ذکر نعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵/۲۸، دار المعرفۃ)
 اگر ہو سکے تو اس خاک کو بوسہ دے جسے نعل مبارک کے اثر سے نعم
 حاصل ہوئی ورنہ اس کے نقشہ ہی کو بوسہ دے۔
 علامہ تاج الدین فاکہانی نے ”فجر منیر“ میں ایک باب نقشہ قبور لامعۃ
 النور کا لکھا اور فرمایا:

من فوائد ذلک ان من لم یکنہ زیارة الروضة فلیرز مثالها و لیلثمه
 مشتاقا لانه ناب مناب الاصل کما قد ناب مثال نعلہ الشریفۃ مناب
 عینہا فی المنافع والخواص بشهادة التجربة الصیحة ولذا جعلوا له
 من الاکرام والاحترام ما یجعلون للمنوب عنه الخ

یعنی اس نقشے کے لکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ عالیہ
 کی زیارت نہ ملی وہ اس کی زیارت کر لے اور شوق سے اسے بوسہ دے کہ
 یہ مثال اس اصل کے قائم مقام ہے، جیسے نعل مقدس کا نقشہ منافع و خواص
 میں یقیناً اس کا قائم مقام ہوا، جس پر تجربہ صحیحہ گواہ ہے، ولہذا علمائے دین

نے نقشہ کا اعزاز و احترام ہی روا رکھا ہے، جو اصل رکھتے ہیں۔

سیدی محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ صاحب دلائل الخیرات نے بھی علامہ مذکور کی پیروی کی اور دلائل شریف میں نقشہ روضہ مبارک لکھا اور خود اس کی شرح کبیر میں فرمایا:

انما ذکرتها تابعا للشيخ تاج الدين الفاكهاني فانه عقد

باباً في صفة القبور المقدسة و قال ومن فوائد ذلك الخ

بے شک میں نے اس کو شیخ تاج الدین فاکہانی کی تقلید میں ذکر کیا ہے کیونکہ انھوں نے قبور مقدسہ کے حالات میں ایک باب بیان کیا اور فرمایا اور اسی کے فوائد سے ہے۔ م۔

اسی طرح علامہ محمد بن علی قاسی نے مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات (ص ۱۴۴) میں فرمایا:

حيث قال اعقب المؤلف رحمه الله تعالى و رضى عنه
ترجمة الاسماء بترجمة صفة الرّوضة المباركة و القبور
المقدسة موافقا في ذلك و تابعا للشيخ تاج الدين الفاكهاني
فانه عقد في كتابه الفجر المنير بابا في صفة القبور المقدسة و
قال من فوائد ذلك ان يزور الامثال من لم يتمكن من زيارة
الرّوضة و يشاهده مشتاقا و يلثمه و يزداد فيه خبا و شوقا و قد
استبابوا امثال النعل عن النعل و جعلوا له من الاكرام و الاحترام ما
للمنوب عنه و ذكروا له خواص و بركات و قد جربت الخ

مؤلف رحمہ اللہ نے اسماء کے بیان کے بعد روضہ مبارکہ کا حال اور

قبر مقدسہ کا ذکر کیا، اس میں انھوں نے تاج الدین فاکہانی کی تقلید کی ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب ”الفجر المنیر“ میں قبر مقدسہ کی صفت میں ایک باب باندھا ہے اور اس کے فوائد میں یہ بتایا کہ جو شخص روضہ اقدس کی زیارت نہ کر سکے وہ اس تصویر ہی کو مشتاقانہ دیکھے اور بوسہ دے کر اپنے اشتیاق میں اضافہ کرے اس لئے آپ کی جوتی مبارک کے قائم مقام اس کی تصویر کو کیا گیا ہے، اور اس کی تعظیم و تکریم اصل کی طرح رکھی گئی ہے اور اس کے مجرب فوائد و کرامات ذکر کئے گئے ہیں۔ م۔

دیکھو علمائے کرام کے یہ ارشادات، نقشوں کے باب ہیں جو خود عین منتسب بھی نہیں بلکہ اس کی مثال و تصویر ہیں تو غلاف کعبہ کو بعینہ معظم شرعی یعنی کعبہ معظمہ سے خاص نسبت مس رکھتا ہے۔ اس کی نسبت بہ نیت تعظیم و تبرک ان افعال کے جواز میں شک و شبہ کیا ہے۔

فان المقتضى في العموم موجود والمانع في الخصوص مفقود و
ذلک کاف فی حصول المقصود والحمد لله العلی الودود
کیونکہ عموم میں مقتضی موجود اور خصوص میں مانع مفقود ہے اور مقصود
کے حصول کو کافی ہے۔ م۔

رہا لوگوں کا اس پر ہجوم کرنا، یہ بھی آج کی بات نہیں، قدیم سے آثار متبرکہ پر اہل محبت و ایمان یوں ہی ہجوم کرتے آئے۔ صحیح بخاری شریف (کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب) وغیرہ کتب حدیث میں ہے، جب عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سال حدیبیہ، قریش کی طرف سے، خدمت اقدس حضور پر نور صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ

میں حاضر ہوئے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا۔

انہ لا يتوضاء الا بتدروا وضوء و کادوا يقتلون علیہ ولا
یصق بصاقا ولا یتنخم نخامة الا تلقوها با کفہم قد لکوا بها
وجوہہم و اجسادہم، الحدیث

یعنی جب حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں حضور کے
آب وضو پر بیتا بانہ دوڑتے ہیں۔ قریب ہوتا ہے کہ آپس میں کٹ مریں، اور
جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعاب دہن مبارک ڈالتے یا کھکھارتے
ہیں، اسے ہاتھوں میں لیتے اور اپنے چہروں اور بدنوں پر ملتے ہیں۔

کَا دُوا یَقْتَلُوْنَ علیہ کی حالت کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
سے خود حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہ عالیہ میں ثابت،
کادوا یکونون علیہ لبتا سے کہ یہاں سوال میں مذکور بدر جہاز اند
ہے، یوں ہی بوسہ سنگ اسود پر ہجوم و تراجم زمان قدیم سے ہے۔ بالجملہ
اس نفس فعل کا جواز یقینی اور جب نیت تبرک و تعظیم شعار اللہ ہے تو قطعاً
مندوب اور شرفاً مطلوب۔ مگر ہجگانہ نماز کے بعد علی الدوام اس کی
زیارت و تقبیل کا التزام اور جمعہ کے دن عام عوام کے بے قیدانہ ہجوم واز
دحام میں اگر اندیشہ بعض مفاسد دیدیہ ہو تو اس تقید التزام و اطلاق ازدحام
سے بچنا چاہیئے اور خود ہر وقت پیش نظر معلق رہنا باعث اسقاط حرمت
ہوتا ہے، ولہذا حریم طہیین کی مجاورت ممنوع ہوئی۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بعد حج تمام قوافل پر درہ
لئے دورہ فرماتے اور ارشاد کرتے:

”اے اہل یمن، یمن کو جاؤ، اے اہل شام، شام کا راستہ لو، اے اہل عراق، عراق کو کوچ کرو، کہ اس سے تمہارے رب کے بیت کی ہیبت تمہاری نگاہوں میں زیادہ رہے گی۔“

راہِ اسلم و طریقِ اقوم یہ ہے کہ اسے کسی صندوقچہ میں ادب و حرمت کے ساتھ رکھیں اور احیاناً خواہ مہینے میں کچھ دن قرار دے کر بروجہ اجلالِ حسن و اعظامِ مستحسن اس کی زیارت مسلمین کو کرا دیا کریں جس طرح سلطان اشرف عادل نے شہرِ دمشق الشام کے مدرسہ اشرفیہ میں خاص درس حدیث کیلئے ایک مکان مسکنی بہ دارالحدیث بنایا اور اس پر جائداد کثیر وقف فرمائی، اور اس کی جانب قبلہ مسجد بنائی اور محراب مسجد سے شرق کی طرف ایک مکان نعل مقدس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تعمیر کیا اور اس کے دروازے پر مٹی کو اڑزر سے طمع کر کے لگائے، بالکل سونے کے معلوم ہوتے تھے اور نقلِ مبارک کو آبنوس کے صندوق میں با ادب رکھا اور بیش بہا پردوں سے مزین کیا۔ یہ دروازہ ہر دو شنبہ و پنجشنبہ کو کھولا جاتا اور لوگ فیضِ زیارت سراپا طہارت سے برکات حاصل کرتے۔ کما ذکر العلامة المقری فی فتح المتعال وغیرہ فی غیرہ۔

یہ مدرسہ و دارالحدیث مذکور ہمیشہ مجمعِ آئمہ و علماء رہا ہے۔ امام اجل ابو زکریا نووی شارح صحیح مسلم اس میں درس تھے۔ پھر امام خاتم المجتہدین ابوالحسن تقی الدین علی ابن عبدالکافی سبکی صاحب شفاء القام ان کے جانشین ہوئے، یوں ہی اکابر علماء درس فرمایا کئے۔

سلطان موصوف کے اس فعلِ محمود پر کسی امام سے انکار ماثور نہ ہوا،

بلکہ امید کی جاتی ہے، کہ خود اکابر اس کی زیارت میں شریک ہوتے، اور فیض و برکت حاصل کرتے ہوں۔ محدث علامہ حافظ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ نور النیر اس میں فرماتے ہیں۔

لشيخنا الامام المحدث امين المالكي -

وفي دار الحديث لطيف معنى

وفيهما منتهى اربى وسؤى

احاديث الرسول على تتلى

وتقبلي لاثار الرسول

یعنی، ہمارے استاد امام محدث امین الدین مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مدرسہ دارالحديث میں ایک لطیف مقصد ہے، اور اس

میں میرا مقصود اور مطلوب بروجہ کامل حاصل ہے حضور

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ پر پڑھی جاتی

ہیں اور حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کا

بوسہ مجھے نصیب ہوتا ہے۔

غرض طریقہ زیارت تو یہ رکھیں، پھر جسے یہ ادب و حرمت، بے وقت و

زحمت شرف بوس مل سکے فیہا، ورنہ صرف نظر پر قناعت کرے بوسہ سنگ اسود

کہ سنت مؤکدہ ہے، جب اپنی یا غیر کی اذیت کا باعث ہو، ترک کیا جاتا

ہے، تو اس بوسہ کا تو پھر دوسرا درجہ ہے۔ هذا هو الطريق اسلم والحکم

الوسطا لقویم الاقوام واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل و مجدہ

اتم واحکم۔

مسئلہ

اکثر مخلوق خدا کا یہ طریق ہے کہ وقت اذان اور وقت فاتحہ خوانی یعنی پنج آیت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علماء بھی درست بتلاتے ہیں، اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں، آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا، کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے، کلام سے خالی، پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون و مؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بیشک غلطی پر ہے، ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل ابہامین وارد:

اخرجه الديلمی فی مسند الفردوس داوردہ الامام
السخاوی فی المقاصد الحسنہ والعلامة خير الدين الرملي في
حواشي البحر الرائق و ذكره العلامة الجراحى فاطال و بعد
اللتيا والتي قال لم يصح في المرفوع من هذا شئ كمالاثره
المحقق الشامي في رد المختار.

اسے دیلمی نے مسند فردوس میں، امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں
(المقاصد الحسنہ ص ۳۸۳ رقم ۱۰۲۱) علامہ خیر الدین رملی نے حواشی بحر میں اور

علامہ جراحى نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا اور چون و چرا کے بعد کہا کہ اس سلسلے میں مرفوع حدیث صحت کو نہیں پہنچی جیسا کہ محقق شامی نے ردالمختار میں اس کو اختیار کیا۔ (ردالمختار کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان)

اور بعض کتب فقہ میں مثل جامع الرموز، شرح نقایہ و فتاویٰ صوفیہ و کنز العباد و شامی حاشیہ درمختار کے اکثر ان میں مستندات علماء طائفہ اسمعیلیہ سے ہیں، وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔ فاضل قہستانی شرح وقایہ میں لکھتے ہیں:

واعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية صلى الله عليك يا رسول الله و عند سماع الثانية منها قرءة عني بك يا رسول الله ثم قال اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابهامين على العينين فانه صلى الله تعالى عليه وسلم يكون قائد الى الجنة كما في كنز العباد انتهى.

(جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ فصل الاذان)

جاننا چاہیے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ میں صلی اللہ علیہ یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے اور دوسرے میں قرءة عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ پھر فرمایا اللہم متعني بالسمع والبصر دونوں انگوٹھوں کے ناخن دونوں آنکھوں پر رکھ کر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قائد ہوں گے جنت کی طرف، کما فی کنز العباد، اتمی۔ م

ردالمختار حاشیہ درمختار میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں، ونحوہ فی الفتاویٰ الصوفیہ الخ پس حق اس میں اس قدر کہ جو کوئی بہ امید زیارت

روشنائی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیّت فعل و صحت حدیث و شاعت ترک اسے عمل میں لائے اس پر بنظر اپنے نفس فعل و اعتقاد کے بغیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی و منع کو مستلزم نہیں کما صرح بہ الفاضل علی القاری فی شرح الاربعین و هذا ظاهر جدا اور صیغہ اعمال میں تصرف استخراج مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے، جیسا کہ تصانیف شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی سے ظاہر اور خود یہ نفس حکم تجویز استخراج بھی ان کے کلام میں مصرح۔ جوامع میں لکھتے ہیں:

”اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہ ہائے قرا با دین فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت طلوع صبح صادق با سفار مقابل صبح نشستن و چشم را بہ آں نور دوختن و یا نور را گفتن یا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت می دہد الخ“

اور اسی میں ہے:

”چند نوع از کرامت از ہیج والی الا ماشاء اللہ منفک نمی شود و از انجملہ منامات صادقہ کشف و اشراف بر خواطر و از انجملہ ظہور تاثیر در دعائے او و اعمال تصریفیہ اوتا عالی بہ فیض او منفع شود الخ“

اعمال تصریفیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہے، جیسے اطباء قرا با دین کے نسخے تیار کرتے ہیں، فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ صبح صادق کے وقت جب روشنی پھیل جائے تو اس

روشنی کو ٹکٹکی باندھ کر ایک ہزار مرتبہ تک یا نور کہنے سے،
 قوت ملکیہ کو تقویت پہنچتی ہے“ الخ اور اسی میں ہے
 ”کرامتوں کی بعض اقسام ایسی ہیں جو شاید ہی کسی ولی
 میں نہ پائی گئی ہوں، ان ہی میں سے سچے خواب، کشف،
 دلوں کے حالات پر اطلاع، دعاؤں کی تاثیر، اور اعمال
 تصریفیہ کہ عالم اس سے مستفید ہو۔ م۔

البتہ اسمعیلیہ کا حکم لزومی و التزامی کہ یہ فعل اور اس کے امثال محض
 حرام و سخت بددینی و مثل شرک نخل اصل ایمان اور زنا و قتل مومن سے بدتر،
 جس کے صغریٰ یعنی فعل کے ابتداء پر اسمعیلیہ کو خود اقرار اور کبریٰ تصریحات
 تقویۃ الایمان سے آشکارا اگرچہ علمائے اسمعیلیہ بنظر مصلحت، اس سے تنزل
 کیا کریں، محض باطل اور مردود و مخذول و مطرود ہے۔ وعلیہم اثباتہ
 بالبرہان و لنارد علیہم باوضح بیان انشاء الرحمن المستعان اور پنج
 آیت کے وقت اس فعل کا ذکر کسی کتاب میں نہ دیکھا گیا، اور فقیر کے
 نزدیک یہاں پر بنائے مذہب ارجح واضح، غالباً ترک زیادہ نسب وایق ہونا
 چاہیے۔ والعلم بالحق عند الملك العلام الجلیل۔

مسئلہ

از بہار شریف محلہ شیخانہ متصل عید گاہ، مرسلہ محمد یسین و محمد حسین
 طالبان علم و شوال ۱۳۵۰ھ

علمائے دین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبر پر جانے
 کے وقت دروازے کی چوکھٹ چومنا اور پھر باوجود تعظیم اس پر پیر رکھ کر جانا
 کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل کلی یہ ہے، کہ تعظیم ہر منتسب بارگاہ کبریٰ علی الخصوص محبوبانِ خدا انھائے تعظیم حضرت عزت جل و علا ہے۔

وَمَنْ يُعْظِمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ

(پ ۱۷ الحج آیت ۳۰)

جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے

پروردگار کے ہاں۔

وقال اللہ تعالیٰ!

وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

(پ ۱۷ الحج آیت)

جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبة مسلم و حامل القرآن

غیر الغالی فیہ والجافی عنہ و اکرام ذی السلطان المقسط

یعنی، بوڑھے مسلمان اور عالم باعمل اور حاکم عادل کی تعظیمیں اللہ

تعالیٰ کی تعظیم سے ہیں۔

رواہ ابی داؤد عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ

عندہ بسند حسن (کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلهم)

اور علمائے کرام قدیم و جدیداً فقہاء و حدیثاً تصریحات فرماتے آئے کہ

”حرمت المسلم حياً وميتاً سواء“

مسلمان زندہ مردہ کی حرمت یکساں ہے۔

ولہذا علماء نے وصیت فرمائی کہ قبر سے اتنا ہی قریب ہو جتنا زندگی دنیا میں صاحب قبر سے قریب ہو سکتا، اس سے زیادہ آگے نہ جائے عالمگیر یہ (کتاب الکراہیۃ، الباب السادس عشر) میں ہے:

فی التہذیب يستحب زیارة القبور و کیفیة زیارة کزیارة ذلک المیت فی حیاته من القرب والبعد کذا فی خزائنه الفتاویٰ تہذیب میں ہے، قبروں کی زیارت مستحب ہے اور زیارت کی کیفیت وہی ہے جو اس میت سے بحالات زندگی ملاقات کی تھی، قرب و بعد کے لحاظ سے خزائنه الفتاویٰ میں ایسا ہی ہے۔ م

اور شک نہیں کہ تعظیم و توہین کا مدار عرف و عادت پر ہے کما حقہ خاتمة المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ فی اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد تو جس کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے وہاں جو جو افعال و طریق حسب عرف و عادت قوم کئے جاتے ہیں، اسی مطلوب شرعی کے تحت میں داخل ہوں گے۔ جب تک کسی خاص فعل سے نہ شرعی نہ ثابت ہو، جیسے سجدہ یا قبر کی طرف نماز کہ یہ شرعاً ممنوع ہیں۔ ولہذا امام محقق علی اطلاق نے فتح القدیر، پھر علامہ سندھی نے لباب میں اور ان کے سوا اور علمائے کرام نے زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرمایا:

ما کان ادخل فی الاکرام والاجلال کان حسنا

(فتح القدیر کتاب الحج)

جو کچھ تعظیم و اجلال میں زیادہ داخل ہو خوب ہے۔

ابن حجر مکی نے ”جوہر منظم“ میں فرمایا:

تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بجميع انواع

التعظیم التي ليس فيها مشاركة الله تعالى في الالهية امر

مستحسن عند من نور الله ابصارهم (الفصل الاول، ص ۱۲)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ان جمیع اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں

حضرت عزت سے الوہیت میں شریک کرنا لازم نہ آئے ہر مستحسن ہے، ان سب کے

نزدیک جن کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے روشن کی ہیں، یعنی جنہیں نور ایمان بخشا ہے۔

ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور (۲۴/۴۰) جب یہ

اصل کلی معلوم ہوگئی، حکم صورت مسؤلہ منکشف ہوگیا، آستانہ بوتی پر یہ اعتراض کہ

اول چو میں گے پھر پاؤں رکھ کر جائیں گے، محض نادانی ہے۔ کعبہ معظمہ و مسجد حرام

شریف میں بھی یہی صورت ہے، اور ضرورت ایک دوسرے کے منافی نہیں۔

مسک متوسط (ص ۱۷۰) میں ہے:

ثم ياتي الملتزم و ياتي الباب و يقبل العتبة ويدعو و يدخل البيت:

پھر ملتزم کے پاس آئے اور دروازے میں آ کر چوکھٹ کو چومے اور

دعا کرے۔ م

مسک مقتط (ص ۸۷) میں ہے:

يستحب ان يدخل المسجد من باب السلام حافيا و زاد

في كنز العباد و يقبل عتبة

مستحب یہ ہے کہ مسجد میں ننگے پاؤں باب السلام سے داخل ہو اور کنز

العباد میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی چوکھٹ کو بوسہ دے۔ م۔
اور شک نہیں کہ آستانہ بوسی عرفاً انجائے تعظیم سے ہے اور شرعاً اس سے منع ثابت نہیں تو حکم جواز چاہیے۔

اقول وباللہ التوفیق مگر یہاں ایک دقیقہ^۱ انیقہ اور ہے جس پر اطلاع نہیں ہوتی، مگر بتوفیق حضرت عزت عز جلالہ شرع مطہر کا قاعدہ عظیمہ جلیلہ معروفہ مشہورہ ہے کہ الامور بمقاصدھا۔^۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب ما جاء ان الاعمال بالنية)

یقیناً اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی اجر بچس کی اس نے نیت کی ہو۔ م

انحناء، یعنی جھکنے اور پیٹھ ڈوہری کرنے سے کسی کی تعظیم شرعاً مکروہ ہے، اور جب بقدر رکوع یا اس سے زائد ہو تو کراہت سخت و اشد ہے۔

حدیث میں ہے:

قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ! الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ
أَيُنْحَنِي لَهُ قَالَ لَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه عَنْ أَنَسٍ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ (مشکوٰۃ کتاب الاداب، باب المصافحة

المعانقة، دوسری فصل بحوالہ ترمذی)

ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا انسان کو اپنے دوست دار یا دوست سے ملتے وقت جھکنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اسے ترمذی (ابواب الادب) اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

۱۔ عجیب باریک نکتہ۔ م ۲۔ کاموں کا مدار ان کے مقاصد پر ہے۔ م

عالمگیر یہ (کتاب الکراہیۃ) میں ہے:

الانحناء للسلطان و لغيره مکروه لانه يشبه فعل
المجوس کذا فی جواهر الاخلاطی۔ یکره الانحناء ولا يحوز
التحیة و به وورد النهی کذا فی التمر تاشی تجوز الخدمة لغير
الله تعالیٰ بالقیام و اخذ اليد و الانحناء و لا يحوز السجود الا الله
تعالیٰ کذا فی الغرائب انتهى قلت و کان محمل هذا علی ما اذا
لم يبلغ الركوع فیکره تنزیها وهو یجامع الجواز کما نصوا علیه،
والله تعالیٰ اعلم

عالمگیر یہ میں ہے، بادشاہ وغیرہ کے لئے جھکنا مکروہ ہے کیونکہ مجوس
کے فعل کے مشابہ ہے، جواہر اخلاطی میں ایسا ہی ہے، سلام کے وقت جھکنا
مکروہ ہے، اس کے بارے میں نہیں وارد ہوئی ہے۔ تمر تاشی میں یہی ہے غیر
اللہ کی تعظیم کھڑے ہو کر، ہاتھ پکڑ کے اور جھک کر جائز ہے، اور سجدہ اللہ کے
سوا کسی کو جائز نہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا مقصد یہ
ہے کہ اتنا جھکنا کہ جسد رکوع کو نہ پہنچے یہ صرف مکروہ ہوگا، اگرچہ جائز ہے
جیسے کہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ م

مگر محل ممانعت یہی ہے، کہ نفس انحنا سے مقصود اصل غرض تعظیم کما
هو مفاد قوله اینحنی له و فحوى قولهم عندا التحیة و يعطيه
الحصر فی قولهم به وورد النهی الخ

اور اگر مقصود کوئی اور فعل ہے، اور انحنا خود مقصود نہیں بلکہ اس فعل کا
محض وسیلہ و ذریعہ ہے، تو ہرگز ممانعت نہیں، و هو اظهر من ان يظهر

عالم دین یا سلطان عادل کی تعظیم و خدمت کے لئے اس کا گھوڑا باندھنا یا کھول کر حاضر لانا، یا بچھونا کرنا یا وضو کرانا، پاؤں دھلانا، یا اس کا جوتا اٹھایا، مجلس سے اُٹھتے وقت اس کی جوتیاں سیدھی کرنا، یہ سب افعال تعظیم و تکریم ہی ہیں، اور ان کے لئے جھکنا ضرور مگر یہ انحناء نہار ممنوع نہیں کہ مقصود ان افعال سے تعظیم ہے، نہ جھکنے سے یہاں تک کہ اگر بے جھکے یہ افعال ممکن ہوں جھکنا نہ ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر مبارک بچھانا، وضو کرانا، حضور جب مجلس میں تشریف رکھیں، نعلین اقدس اٹھا کر اپنے پاس رکھنا، جب تشریف لے چلیں، حاضر لا کر سامنے رکھنا، یہ دونوں جہان کی عزتیں مبارک، معزز خدمتیں بارگاہ رسالت سے حضرت فقیہہ الصحابہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد تھیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین والوسادة والمساك والمطهرة (بخاری کتاب المناقب، مناقب عمار و حذیفہ رضی اللہ عنہما)
کیا تمہارے پاس ابن ام عبد جو توتوں، گدے، مسواک اور طہارت حاصل کرنے کے برتن کی حفاظت کرنے والے نہیں؟۔ م
مرقاۃ (ج ۱۰ ص ۵۷۰، باب جامع المناقب) میں ہے:

قال القاضي يريد به انه كان يخدم الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم ويلزمه في الحالات كلها في صاحبه في المجالس و يأخذ نعله و يضعها اذا جلس و حين نهض و يكون

معه فی الخلوات مضجعه و یضع و سادته اذا اراد ان یام ولیہی له
طهوره و یجعل معه المطهرة اذا قام الی الوضوء ۱۵

قاضی (عیاض) نے کہا، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ (ابن ام عبد)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ وقت خدمت کیا کرتے تھے، مجالس میں
آپ کے ساتھ رہتے، اور جب آپ تشریف رکھتے تو آپ کی نعلین پاک
رکھتے، اور جب اُٹھتے تو بھی، اور تنہائیوں میں آپ کے ہمراہ ہوتے اور آپ
کا بستر درست فرماتے تھے۔ جب آپ سونے کا ارادہ فرماتے تو آپ کا بچھونا
بچھاتے اور پاکیزگی کے لئے پانی تیار کرتے تھے، جب آپ وضو کا ارادہ
فرماتے تھے۔ م۔

اور سب سے اظہر و ازہر وہ حدیثیں ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک چومنا وارو۔
فقیر نے یہ حدیثیں اپنے فتاویٰ میں جمع کی ہیں۔ از انجملہ، حدیث و فد
عبد القیس کی امام بخاری نے ادب مفرد اور ابو داؤد نے سنن میں حضرت
زارع بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

فَجَعَلْنَا نَتَبَا دَرُ فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ. (ابوداؤد کتاب الاداب باب قبلۃ الرجل، مشکوٰۃ کتاب

الآداب، باب المصافحة و المعانقة، دوسری فصل)

ہم جلدی جلدی دوڑے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ
پیر چومنے لگے۔ م

ظاہر ہے کہ پاؤں چومنے کے لئے تو زمین تک جھکنا ہوگا، مگر سید عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جائز رکھا کہ مقصود بوسہ قدم سے تعظیم ہے نہ نفس انہما سے یہی سر نفیس ہے، کہ علمائے کرام نے تحیت و مجرا کے لئے زمین بوسی کو حرام بتایا کہ اس میں جھکنے ہی سے تعظیم کی جاتی ہے، یہاں تک کہ زمین کو منہ لگا دیا۔

عالمگیریہ (کتاب الکراہیۃ) میں ہے:

من سجد للسلطان علی وجه التحیۃ او قبل الارض بین یدیہ لا یکفر و لکن یأثم ولا یتکابہ الکبیرۃ و هو المختار کذا فی جواهر الاخلاطی و فی الجامع الصغیر تقبیل الارض بین یدی العظیم حرام و ان الفاعل و الراضی اثم کذا فی التاتارخانیہ و تقبیل الارض بین یدی العلماء و الزہاد فعل الجہال الفاعل و الراضی اثمان کذا فی الغرائب انتہی باختصار۔

جس نے سلام کے طور پر بادشاہ کو سجدہ کیا یا اس کے سامنے زمین بوسی کی تو کافر تو نہ ہوگا، گنہگار ہے، کیونکہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ یہی مختار ہے، جواہر اخلاطی میں یہی ہے۔ جامع صغیر میں ہے، کسی بڑے آدمی کے سامنے کی زمین کو بوسہ دینا حرام ہے، یہ کرنے والا اور اس پر راضی دونوں گنہگار ہیں، تاتارخانیہ میں ایسا ہی ہے، علماء اور بزرگوں کے سامنے سجدہ کرنا جاہلانہ کام ہے، کرنے والا اور راضی دونوں گنہگار ہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے، بہ اختصار۔ م۔

اور علمائے کبار بے نکیر و انکار زمین مدینہ طیبہ کو بوسہ دینے اور اس کی خاک پر منہ اور رخسارے ملنے کی قسمیں کھاتے اور مکن ہو تو وہاں آنکھوں اور

سر سے چلنے کی تمنائیں فرماتے اور اسی کو واجب بلکہ پورے واجب سے بھی کم بتاتے ہیں کہ یہاں تعظیم بالانحنا مقصود نہیں بلکہ براہ محبت و بطور تبرک اس زمین پاک کو بوسہ دینا اس کی خاک سے چہرہ نورانی کرنا، بن پڑے تو پاؤں رکھنے سے اس عظمت والے مقام کو بچانا۔

امام اعظم قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”کتاب الشفافی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ میں فرماتے ہیں۔

و جد یر لمواطن اشتملت تربتها علی جسد الشریف و
مواقف سید المرسلین و متبواً خاتم النبیین و اول ارض مس جلد
المصطفیٰ ترابها ان تعظم عرصاتها و تنسم نفحاتها و تقبل
ربوعها و جد رانها۔ (ج ۲ ص ۴۵، ۴۶، مطبوعہ ملتان)

اھ مختصراً یعنی، لائق ہے ان مواضع کو جن کی زمین جسم پاک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیام گاہیں، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے قیام اور وہ پہلی زمین جس کی مٹی نے جسم پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مس کیا کہ اس کے میدانوں کی تعظیم کی جائے اور اس کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سونگھی جائیں اور منزلیں اور دیواریں چومی جائیں۔

وعلیٰ عهد ان ملأت محاجر
من تلکما الجدران والعرضات
لاعفرن مصون شیبی بینہا
من کثرة التقییل والرشفات

(ترجمہ اشعار) اور مجھ پر عہد ہے کہ اپنی آنکھوں کے گوشے ان دیواروں اور میدانوں سے بھروں گا، خدا کی قسم میں اپنی سفید ڈاڑھی کہ گرد و غیرہ سے بچائی جاتی ہے، ان میدانوں میں کثرت بوسہ بازی سے ضرور خاک آلودہ کروں گا۔

علامہ سندھی، تلمیذ امام ابن الہمام، نے لباب المناسک میں فرمایا:

اذا وقع البصر علی طيبة و اشجارها المعطرة بخیر الدارين و صل وسلم علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والاحسن ان ينزل من راحلته بقربها و یمشی حافیا ان اطاق تواضعا لله و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و كلما كان ادخل فی الادب والاحلال كان حسبا بل لو مشی هناك علی احداه و بذل المجهود من تذللہ و اتواضعہ كان بعض الواجب بل لم یف بمعشار عشرة (لباب المناسک مع ارشاد الساری، ۳۳۵، ۳۳۶)

یعنی، جب مدینہ طیبہ اور اس کے مہکتے ہوئے درختوں پر نظر پڑے، دونوں جہاں کی بھلائی مانگے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صلوٰۃ و سلام عرض کرے، اور بہتر یہ ہے، کہ مدینہ طیبہ کے قریب سواری سے اتر لے۔ اور ہو سکے تو روتا ہوا برہنہ پا چلے، اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے تواضع کے لئے اور جو کچھ ادب و تعظیم میں زیادہ دخل رکھے خوب ہے، بلکہ وہاں آنکھوں کے بل چلے، اور تذلل و فروتنی میں پوری کوشش خرچ کر دے تو واجب کا ایک حصہ ہو بلکہ سوواں بھی ادا نہ ہو

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ كَمَا

يَنْبَغِي فِي حَقِّهِ الْعَظِيمِ آمِينَ۔

امام احمد قسطلانی، صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری شریف میں
امام، حافظ الحدیث، فقیہ، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن رشد سے نقل فرماتے
ہیں:

”سفر مدینہ طیبہ میں میرے رفیق ابو عبد اللہ و زیر ابن
القاسم بن الحکم ساتھ تھے، ان کی آنکھیں دکھتی تھیں،
جب میقات مدینہ طیبہ پر آئے، ہم سواریوں سے اتر
لئے، پیادہ پا چلتے ہی انھیں آثار شفا نظر آئے، فوراً
حسب حال ارشاد کیا:

وَبِالْتَرَابِ مِنْهَا إِذَا كَحَلْنَا جَفُونَنَا
شَفِينَا وَلَا بِأَسَانِخَافٍ وَلَا كَرَبَا
نَسَخَ سَجَالِ الدَّمْعِ فِي عَرَصَاتِهِ
وَنَلْثَمُ مِنْ حَبِّ مَوَاطِنِهِ التَّرَبَا
جب اس کی خاک کا ہم نے سرمہ لگایا شفا پائی تو
اب کسی شدت و تکلیف کا اندیشہ نہیں۔ ہم آنسوؤں کے
ڈول اس کے میدانوں میں بہاتے ہیں اور اس زمین پر
چلنے والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں خاک کو
چومتے ہیں۔

پھر خود اپنے حال میں فرماتے ہیں۔ جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب

پہنچے اور سب اہل قافلہ پیادہ ہوئے، میں نے کہا:

اتيتك زائرا ووددت انى
جعلت سواد عيني امتطيه
ومالى لا اسير على الماقي
الى قبر رسول الله فيه

(المواهب اللدنية، المقصد العاشر الفصل الثانی، ۴/۵۷۷، بیروت)

میں زیارت کے لئے حضور میں حاضر ہوا اور تمنا تھی کہ اپنی آنکھ کی
پتلی پر اس پر اس راہ میں چلوں آنکھوں کے بل اس مزار پاک کی
طرف جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفا قاضی
عیاض فرماتے ہیں:

كان الشيخ احمد بن الرفاعي كل عام يرسل مع الحجاج
السلام على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فلما زاره وقف
تجاه موقده وانشد م

في حالة البعد روى كنت ارسلها
تقبل الارض منى فهى نائبتى
وهذه نوبة اشباح قد حضرت
فامد ديديك لكى تخطى بها شفتى

(نسیم الریاض شرح الشفاء، ۳/۴۴۲، بیروت)

فقیل ان اليد الشريفة بدأت له فقبلها و هنتا له ثم هنيئا

یعنی، امام اجل، قطب اکمل حضرت سید احمد رفاہی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہر سال حاجیوں کے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام عرض کر بھیجتے۔ جب خود حاضر آئے مزار اقدس کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ ۔

میں جب دور تھا، تو اپنی روح بھیج دیتا تھا کہ میری طرف سے زمین کو بوسہ دے، تو وہ میری نائب تھی، اور اب باری بدن کی ہے کہ جسم خود حاضر ہے، دست مبارک عطا ہو کہ میرے لب اس سے بہرہ پائیں۔

کہا گیا کہ دست اقدس ان کے لئے ظاہر ہوا۔ انھوں نے بوسہ دیا، تو بہت بہت مبارکی ہو ان کو۔

علامہ احمد بن مقرئ فتح المتعال میں فرماتے ہیں، جب امام اجل، علامہ تقی المملت والدین ابوالحسن علی سبکی ملک شام میں بعد وفات امام اجل ابو زکریا مدرسہ جلیلہ اشرفیہ میں دارالحدیث کے درس دینے پر مقرر ہوئے فرمایا:

وفي دارالحدیث لطیف معنی

الی بسط لها اصبوا وی

لعلی ان امس بحر وجہی

مکانا مس قدم النواوی

دارالحدیث میں ایک معنی لطیف ہے۔ میں اس کے بستر کی طرف میل کرتا اور قرار پکڑتا ہوں۔ شاید میرا

چہرہ لگ جائے اس جگہ پر جہاں امام نووی کے قدم چھو گئے ہوں۔

پس خلاصہ امر یہ قرار پایا، کہ اگر آستانہ بلند ہو کہ بے جھکے بوسہ دے سکے تو بلاشبہ اجازت ہے اور اگر پست خصوصاً زمین دوز ہو تو اگر ولی زندہ یا مزار سامنے ہے، اس کے مجرے کی نیت سے جھک کر بوسہ دیا تو ناجائز ہے، اور اگر محض بہ نظر تبرک اور جب اپنے نفس انحنا سے تعظیم مقصود نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، ہکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالیٰ ولی التحقیق، پھر بھی عالم مقتدا اور ایس طرح پیر اس شخص کو جس کے کچھ اتباع ہوں، کہ اس کے افعال اتباع کریں، اسے مناسب ہے کہ اپنے عوام قابعین کے سامنے نہ کرے، مبادا وہ فرق نیت پر آگاہ نہ ہوں اور اس کے فعل کو سند جان کر بے محل بجالائیں۔ ایسی حالت میں صرف اس قدر کافی ہے کہ آستانے کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں اور منہ پر پھیرے جس طرح حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم منبر انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے۔

شفا شریف (ج ۲ ص ۷۰) میں ہے:

روی ابن عمر واضعایده علی مقعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعها علی وجهہ عن ابن قسیط و المجتبیٰ کان اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا خلی المسجد حصار مائة المنبر التي تلی القبر بميا منهم ثم استقبلوا القبلة يدعون

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا گیا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر شریف پر اس جگہ ہاتھ لگایا جہاں آپ تشریف رکھتے تھے پھر اس کو اپنے منہ پر لگایا۔ ابن قسیط اور مجتبیٰ سے مروی ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جب مسجد خالی ہوتی تھی تو اس کے کنگروں کو اپنے دائیں ہاتھوں سے چھوتے تھے، جو منبر کے قریب تھا پھر قبلہ رو ہو کر دعائیں کرتے تھے۔ م

یہ دونوں حدیثیں امام ابن سعد نے کتاب الطبقات میں روایت کیں
کافی مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء۔

علامہ خفاجی نسیم الزیاض (۳/۴۳۴، بیروت) میں فرماتے ہیں:

وهذا يدل على الجواز التبرک بالانبياء و الصالحين
واثارهم وما يتعلق بهم مالم يؤد الى فتنة او فساد عقيدة و على
هذه يحمل ما روى عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من انه قطع
الشجرة التي وقعت تحتها البيعة لئلا يفتن بها الناس لقرب
عهدهم بالجاهلية فلا منافاة بينها ولا غيره بمن انكر مثله من
جهلة عصرنا و في معناه انشدوا

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور صالحین اور ان کے آثار سے اور
متعلقات سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ فتنہ یا فساد عقیدہ پیدا نہ ہو،
اور اسی پر وہ حدیث محمول ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے
کہ انھوں نے اس درخت کو کاٹ دیا تھا جس کے نیچے بیعت (رضواں) لی
گئی تھی، کیونکہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے قریب تھے تو فتنے کا احتمال تھا،

اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اور ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں جو ہمارے زمانے کے جاہلوں میں سے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک شاعر نے ادا کیا ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلی
اقبل ذالجدار والجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا
شعر: میں لیلیٰ کے شہر پر گزرتا ہوں، اس دیوار اور
اس دیوار کو چومتا ہوں، شہروں کی محبت نے میرے دل کو
نہیں گھیرا ہے، یہ تو ان لوگوں کی محبت ہے جو اس شہر میں
رہتے ہیں۔ م۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکم۔ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بحمدہ المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحُجَّةُ الْفَاتِحَةُ

دِنِ مُعِينِ کر کے مُردے
کی فاتحہ اور اس کو
ایصالِ ثواب جائز ہے

تصنیفِ لطیف

احمد رضا خاں

تقدیم

مرنے کے بعد میت نہ تو کوئی نیک کام کر سکتی ہے اور نہ ہی توبہ و استغفار، اسلام نے مرنے والوں کی بخشش کا ایک ذریعہ ان کے زندہ بھائیوں کو بنایا ہے اور زندوں کو یہ حق مرحمت فرمایا ہے کہ وہ نیکیاں کر کے اللہ کے حضور دعا کریں کہ ان کا ثواب ان کے مردہ مسلمان بھائیوں کو پہنچے۔ اس موضوع پر قرآن و حدیث میں بی شمار دلائل ہیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۲۴)
اے میرے رب، تو ان دونوں پر (ماں باپ پر) رحم فرما جس طرح
ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔
دوسری آیت میں ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ ۝ (پ ۲۸ الحشر آیت ۱۰)

اور جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں اے ہمارے
رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو
بحالت ایمان ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ زندہ لوگ مردوں کو کچھ فیض پہنچا
سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بعد والے لوگوں کی تعریف و مدح کے طور پر یہ بات
بتائی ہے کہ وہ اپنے مردوں سے لا تعلق نہیں ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے حق
میں دعائے خیر اور طلب مغفرت کرتے ہیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر مردوں کو زندوں کے کسی فعل سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا ہے تو دعا بھی زندوں کا فعل ہے، یہ عبث اور بے کار ہوں، اس لئے قرآن میں یہ بیان کیا جاتا ”کہ بعد والے بڑے بے عقل ہیں کہ مردوں کیلئے طلب مغفرت، جو ایک عبث کام ہے، کرتے ہیں، ان کو جو کچھ ملنا تھا، ان کے اپنے اعمال سے ملنا تھا، سو وہ ختم ہوئے“ لیکن اس کے برعکس قرآن نے ان لوگوں کی تعریف کی، جو اس امر کا غیر مبہم ثبوت ہے کہ زندوں کی کوششیں مردوں کے حق میں بار آور ہوتی ہیں اور یہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم: ۳۹) سے متصادم نہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اس طرح تو زندہ لوگ عمل صالح چھوڑ دیں گے کیونکہ جب انھیں معلوم ہوگا کہ مرنے کے بعد محلے والے اور مسجد والے ہمیں از خود بخشوا لیں گے تو پھر خواہ مخواہ عمل خیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب ظاہر ہے، کہ ایسا سوچنے والا سخت خسارے میں ہے۔ اوّل تو اس کو کیا معلوم کہ دوسرے اس کے لئے دعائے مغفرت کریں گے بھی یا نہیں، دوسرے یہ کہ اللہ کے یہاں ان کی دعائے مغفرت مرتبہ قبولیت بھی حاصل کر سکے گی یا نہیں، اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ خود ہی مصروف عمل رہے، دوسروں کا تو محض ایک سہارا ہے اس مسئلے کو اس کی تمام تفصیلات اور دلائل سے اس رسالے میں ملاحظہ کیجئے۔

الحجّة الفاتحة لطيب التعین والفتح

۱۳.....۰۷

یعنی مہکنے والی حجت فاتحہ اور دن کی تعین پر یہ
اعلیٰ حضرت کے فارسی رسالے کا ترجمہ ہے۔

مرت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتا

تیجا، دسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالانہ (ایصال ثواب) دیار ہند میں جو مروج ہے اسے بعض علماء بدعت قبیحہ اور مکروہ کہتے ہیں اور کئی اقوال اس کی درستی پر دال ہیں، عام لوگ مردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کھانا پکاتے ہیں اور دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں، اسے علماء ظاہر، غیر مقلد، فاتحہ کی وجہ سے مردار اور حرام جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طریقہ زمانہ نبوی، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں نہ تھا لہذا بزرگان دین کی نیاز (ایصال ثواب) کا طعام اور شیرینی مردار کی طرح ہے۔ بنا بریں شریعت کا جو حکم واجب التعمیل ہو سند کتاب سے بیان فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

مختصراً اس مسئلے میں حرف آخر یہ ہے کہ ایصال ثواب اور اموات کو ہدیہ اجر پہنچانا تمام اہل سنت و جماعت کے اتفاق سے پسندیدہ اور شریعت میں مستحب ہے۔ حضور سید الابرار علیہ افضل الصلوات من الملک البجار سے بہت سی حدیثیں اس کار خیر کی تصویب و ترغیب میں وارد ہوئی ہیں۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدر میں اور امام علامہ فخر الدین زیلعی نے نصب الراية میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں، علامہ فاضل ملا علی قاری نے مسلک متقطط میں اور دیگر آئمہ نے دیگر کتب میں ان

میں سے کچھ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ بے شک اس کار خیر کا انکار بے وقوف، جاہل کر سکتا ہے، یا پھر گمراہ اور باطل پرست۔ اس دور کے اہل بدعت (امور خیر کے منکر) جن میں مخفی طور خونِ اعتزال جوش زن ہے معتزلہ کی نیابت اور وکالت میں ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہیں اور اہلسنت کے اجماع یقینی کا یکسر انکار کر دیتے ہیں۔ پھر (یہ بھی پیش نظر رہے) کہ بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے اور اسی کو جمہور آئمہ نے صحیح و معتمد قرار دیا ہے کہ ثواب کا پہنچنا عباداتِ مالیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عباداتِ مالیہ اور بدنیہ دونوں کو شامل ہے۔ یہی آئمہ حنفیہ کا مذہب ہے، بہت سے شافعی محقق اسی کے قائل ہیں، اس پر اکثر علماء ہیں اور یہی صحیح اور راجح و منصور ہے۔ پھر (یہ بھی تو دیکھئے) کہ قرآن مجید پڑھنا اور صدقہ کرنا اور ان دونوں کا ثواب مسلمانوں کو پہنچانا، اس میں یہی تو ہے کہ ایک اچھے کام کو دوسرے اچھے کام سے اور ایک مستحب کو دوسرے مستحب سے جمع کر دیا گیا ہے اور ہرگز ان میں سے ایک دوسرے کو منافی نہیں جیسے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا اور نہ ہی شریعت نے ان دونوں کو جمع کرنے سے منع کیا ہے جیسے کہ رکوع و سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے، لہذا ان (دو اچھے کاموں کے جمع کرنے) کو ممنوع کہنا دائرہ عقل و خرد سے باہر جانے کے برابر ہے۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی ”احیاء العلوم“ (کتاب آداب السماع و الوجد ج ۲ ص ۲۷۳) میں فرماتے ہیں:

”جب ایک ایک کام حرام نہیں تو مجموع کیوں حرام ہوگا۔“

اسی میں ہے:

”چند مباح جمع ہو جائیں تو مجموع بھی مباح رہے گا۔“

اس نفیس قاعدے کی تحقیق امام المدققین، خاتم المحققین، حضرت والد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب ”اصول الرشاد لجمع مباحی الفساد“ میں فرمائی ہے اور یہ مطلب صحیح حدیثوں سے استنباط فرمایا ہے، جو چاہے اس کے مطالعے کا شرف حاصل کرے۔ خود منع کرنے والے فرقے کے امام اول مولوی اسماعیل دہلوی کے نزدیک کلام مجید اور طعام کے اجتماع کی خوبی ہے و مسلم ہے۔ ”صراط مستقیم“ (ص ۶۴) میں اسی طرح راہ تسلیم و اعتراف پر چلتے ہیں:

”جب میت کو نفع پہنچانا ہی مقصود ہے تو کھانا

کھلانے پر توقف نہیں ہونا چاہیے، اگر میسر ہو تو بہتر ہے

ورنہ سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب نہایت بہتر ہے۔“

اس میں شک نہیں کہ ایصال ثواب کا طریقہ رب الارباب جل و علا

کے دربار میں دُعا ہی ہے، امام الطائفہ ”صراط مستقیم“ میں لکھتے ہیں:

”مسلمان جو عبادت ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گزرے ہوئے کی

روح کو پہنچادے اور ثواب پہنچانے کا طریقہ جناب الہی میں دعائے خیر

ہے۔ یہ بھی یقیناً بہتر اور خوب ہے۔“ (ص ۵۵، ہدایت اولیٰ در ذکر بد

عاتیکہ الخ)

ہاتھوں کا اٹھانا مطلق دعا کے آداب سے ہے، حصن حصین (آداب

الدعاء ص ۷۱) میں فرماتے ہیں۔ آداب الدعاء منها بسط الیدین ت

مس و رفعها۔ یعنی صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ دونوں ہاتھوں

کا اٹھانا آداب دعا سے ہے، ہمارے آئمہ و علماء کا کیا پوچھتے ہو خود طائفہ

منکرین کا امام ثانی (مولوی محمد اسحاق) ”مسائل اربعین“ میں کہتا ہے:

”تعزیت کے وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا، ظاہر یہ

ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں مطلقاً دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، لہذا اس وقت بھی مضائقہ نہ ہوگا لیکن بالخصوص تعزیت کے وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا منقول نہیں ہے۔“

دیکھئے 'بالخصوص' (تعزیت کے وقت دعا کے لئے) ہاتھ اٹھانے کو غیر منقول کہا لیکن مطلق (دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حدیث) سے جواز کی تائید کی، اور کہا کہ اس طرح کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، الحاصل ان امور سے ہرگز کوئی ایسا امر نہیں جو شریعت مطہرہ میں ناپسندیدہ ہو۔ محض کسی امر کے خصوصی طور پر (حدیث شریف) میں، وارد نہ ہونے کو مطلقاً ممنوع ہونے کی دلیل جاننا واضح غلطی اور جہالت ہے۔ فقیر نے بفضلہ تعالیٰ اس بحث کو مجموعہ مبارکہ "البارقة الشارقة على مارقة المشاركة" میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علمائے اہل سنت نے ان دعویداروں کو بارہا گھر تک پہنچایا اور خاک ذلت پر بٹھایا ہے، تفصیل اور طوالت کی ضرورت نہیں، لیکن..... امام الطائفہ (ثانی) نے عدم ورود کو تسلیم کرنے کے باوجود اس مسئلے میں جو کچھ کہا ہے سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ رسالہ مطبوعہ "زبدۃ النصارح" میں تقریر ذبیحہ میں کہتے ہیں:

”کنواں کھودنے اور ایسی ہی دوسری چیزوں اور دعا و استغفار و قربانی کے علاوہ قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور کھانا کھلانے کے تمام طریقے بدعت ہیں، گویا بالخصوص بدعت حسنہ ہیں، مثلاً عید کے دن معافہ کرنا اور صبح یا عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا۔“

طائفہ منکرین، کو اپنے امام (ثانی) سے پوچھنا چاہئے کہ آپ ان طریقوں کو عموماً اور فاتحہ خوانی کو خصوصاً بدعت و محدث جانتے ہیں اس کے باوجود ”حسنہ“ کس طرح کہتے ہیں اور طائفہ (وہابیہ) کے خلاف راستہ کیسے اختیار کرتے ہیں، پھر عید کے دن معافے کا ذکر تو اور بھی دشوار ہے۔ ہاں اس امام کی تلون مزاجی کی وجہ ہی سے ان کے قبیحین کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ معلم ثانی کا کلام ابھی گزرا ہے کہ اس نے خصوصیت کے وارد نہ ہونے کے باوجود مضائقہ نہ جانا

اب ہم امام الطائفہ کے اکابر معتمدین اساتذہ و مشائخ سے چند اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ بے باک روجان لیں کہ شریعت کے منع کئے بغیر ”فاتحہ“ کو حرام کہنا اور فاتحہ کے طعام، بزرگان دین قدست اسرارہم کی نیاز کی شیرینی کو حرام و مردار کہنا کیسی سزائیں چکھاتا ہے اور کیسے برے دن دکھاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ ”انفاس العارفين“ میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے:

(ایک دفعہ) ”حضرت رسالہ کی رحلت کے دنوں

میں کوئی چیز میسر نہ ہوئی کہ کھانا پکا کر آپ کی نیاز دی جا

سکے، میں نے کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز دیا۔“

الخ۔ (انفاس العارفين اردو ص ۱۰۶، المعارف لاہور)

درمبین فی مبشرات النبی الامین (ص ۴۰، کتب خانہ علویہ رضویہ فیصل

آباد) میں اسی بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں:

بانیسویں حدیث ”مجھے میرے والد ماجد نے بتایا

کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں

ثواب پیش کرنے کے لئے کھانا پکایا کرتا تھا، ایک سال مجھے کھانا تیار کرنے کے لئے کچھ نہ ملا، صرف بھنے ہوئے چنے ملے، میں نے وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے، میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شادمان و فرحاں دیکھا، آپ کے سامنے وہی چنے تھے۔“ (ذکر طریقہ ختم خواجگان چشت ص ۱۰۰ برقی پریس، دہلی)

یہی شاہ صاحب، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں کہ: ”کچھ شیرینی پر عموماً خواجگان چشت کے نام فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعا کریں، ہر روز اسی طرح پڑھیں۔“

لفظ ”شیرینی“ اور فاتحہ ہر روز ”قابل یادداشت ہے۔ یہی شاہ صاحب ”ہمعات“ میں فرماتے ہیں:

”اسی لئے مشائخ کے عرسوں کی پابندی اور ان کی قبور کی باقاعدہ زیارت اور ان کے لئے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے کا التزام کیا جاتا ہے۔“ (ہمہ ۱۱، ص ۵۸، اکادمیہ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد، سندھ)

یہی شاہ صاحب ”زبدۃ النصائح“ میں مندرجہ فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ: ”اگر ملیدہ اور کھیر بطور فاتحہ کسی بزرگ کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ نہیں، جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نذر کا طعام مالداروں کو کھانا جائز نہیں اور اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی گئی

ہو تو اغنیاء کو بھی کھانا جائز ہے۔“ (ص ۱۱۲، المعارف لاہور)

شاہ صاحب مرحوم انفاس العارفين میں رقم طراز ہیں کہ:

”والد گرامی قصبہ ڈانسہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے ہوئے تھے، رات کا وقت تھا، اس وقت انھوں نے فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں، کچھ کھا کر جاؤ، ساتھی ٹھہر گئے حتیٰ کہ سب لوگ چلے گئے اور دوست پریشان ہو گئے، اتنے میں ایک عورت آئی، چاولوں اور شیرینی کا تھال اس کے سر پر تھا۔ اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا شوہر آ جائے تو میں اسی وقت یہ طعام پکا کر مخدوم اللہ دیا کی درگاہ کے حاضرین کے پاس پہنچا دوں گی۔ میرا شوہر اسی وقت آیا ہے۔ میں نے نذر پوری کی۔ میری آرزو تھی کہ اس جگہ کوئی موجود ہوتا کہ یہ طعام کھا لے۔“

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب ”تحفہ اثنا عشریہ“ (باب ہفتم در امامت ص ۲۱۴ سہیل اکیڈمی لاہور) میں فرماتے ہیں کہ:

”حضرت امیر اور آپ کی ذریت طاہرہ کو تمام امت پیر و مرشد کی طرح مانتے ہیں اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں اور فاتحہ و درود و صدقات اور نذران کے نام رائج و معمول ہے جیسے کہ تمام اولیاء سے یہی معاملہ ہے۔“

یہ عبارت سراپا بشارت جس کا ہر حرف مخالف پر تباہ کن بجلی ہے یا

ہلاکت آفریں آندھی، یاد رکھنے کے قابل ہے اور مخالفین سے پوچھنا چاہئے کہ شاہ صاحب نے تمہارے طریقے کے مطابق تمام امت کو گمراہ و مشرک کہا ہے یا نہیں، اور خود ایسے امور کی تجویز و تحسین ظاہر کر کے کافر و مشرک ہوئے یا نہ۔ بر تقدیر اول امام الطائفہ اسماعیل دہلوی جو آپ کا غلام غلام اور مرید مرید (سید احمد صاحب) ہے اور صراطِ مستقیم میں شاہ صاحب کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے:

”جناب ہدایت مآب، قدوۃ ارباب صدق و صفا،
زبدۃ اصحاب فنا و بقا، سید العلماء و سند الاولیاء حجۃ اللہ علی
العالمین، وارث الانبیاء والمرسلین، مرجع کل ذلیل و عزیز
مولانا و مرشدنا الشیخ عبدالعزیز۔“ (ص ۲۱۶۲ خاتمہ در
بیان پارہ الخ)

معاذ اللہ، کافر و مشرک کی ایسے عظمت و جلالت والے الفاظ سے تعریف کر کے اور حجت خداوند نائب انبیاء وغیرہ کا اعتقاد کر کے خود کافر و مرتد ہوا یا کچھ کی رہ گئی۔

پھر ہم مطلب کی طرف لوٹتے ہیں۔ طائفہ حادثہ کے معلم ثالث مولوی خرم علی بلہوری ”نصیحۃ المسلمین“ (ص ۴۱، چند شرکیہ رسمیں) میں کہتے ہیں:

”حاضری حضرت عباس کی، صحنک حضرت فاطمہ کی

گیارہویں عبدالقادر جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کا، سہ منی

بوعلی قلندر کی، توشہ شاہ عبدالحق کا اگر منت نہیں صرف ان

کی روحوں کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو درست ہے، اس

نیت سے ہرگز منع نہیں اھ“ ملخصاً۔

خود امام الطائفہ ”تقریر ذبیحہ“ میں نغمہ سراہیں کہ:
 ”اگر کوئی شخص گھر میں بکری کی پرورش کرے تاکہ اس کا
 گوشت خوب ہو جائے، اسے ذبح کرے اور پکا کر
 حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلا
 دے تو کچھ حرج نہیں ہے۔“

”خواندہ بخوراند“ (فاتحہ پڑھ کر کھلا دے) کے لفظ قابلِ غور ہیں اس
 لئے کہ بہت سے منکرین اس بات کو بھی بنائے انکار بناتے ہیں اور کہتے ہیں
 کہ اگر کھلانے اور قرآن مجید پڑھنے کو جمع کرنا جائز بھی ہو تب بھی کھانا کھلا
 کر پڑھنا چاہئے نہ کہ پڑھنے کے بعد کھلایا جائے، اس لئے کہ یہ عبث اور
 باطل ہے۔ اس باطل شبہے کا جواب کامل ہم ”بارقہ شارقہ“ میں دے چکے
 ہیں اسی طرح لفظ ”غوث الاعظم“ بھی قابلِ یادداشت ہے اس لئے کہ یہ
 تقویۃ الایمان کے مطابق شرک ہے۔ طرفہ یہ کہ جاہل قبیحین فاتحہ کے کھانے
 کو حرام اور مردار جانتے ہیں اور امام الطائفہ اولیاء کی نذر کی گائے کے گوشت
 اور کھانے سب کو حلال کہتا ہے بشرطیکہ ذبح سے میت کا تقرب مقصود نہ ہو
 اور صاف کہہ رہا ہے کہ جس جانور کو اولیاء کی نذر کیا گیا ہو، چاہے وہ لوگ کئی
 طرح کی حرام و قبیح نذریں بھی مانیں پھر بھی جانور کی حلت میں کلام نہیں
 ہے، چہ جائیکہ جب اولیاء کی نذر بہتر طریقے پر ہو، بالخصوص جب بغیر نذر فقط
 ایصالِ ثواب ہو، اس لئے کہ اس جگہ جانور کے ذبح کرنے اور خون بہانے
 میں کچھ اثر نہیں صرف قرآن مجید کا پڑھنا اور طعام کا صدقہ کرنا درمیان میں
 آ جاتا ہے۔

تقریر مذکور ہی میں لکھتے ہیں کہ:

”اگر ایک شخص نذر مانے کہ میرا فلاں مقصد پورا ہو گیا تو اتنی نذر حضرت سید احمد کبیر کے نام کی دوں گا اور اتنا کھانا ان کی نیاز کا لوگوں کا کھلاؤں گا، اگرچہ اس نذر میں گفتگو ہے لیکن طعام حلال ہے، گوشت کا بھی یہی حکم ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد دو سیر گوشت سید احمد کبیر کی نذر کے طور پر لوگوں کو کھلاؤں گا،

گوشت حلال ہے، اور اگر کہے گا کہ گائے کا گوشت کھلاؤں گا تو بھی جائز ہے، اور اگر اسی ارادے سے گائے نذر کرے وہ بھی جائز ہے، اس لئے کہ اس کا مقصد گوشت ہے۔ اسی طرح اگر زندہ گائے سید احمد کبیر کے نام پر کسی کو دے جیسے نقد پیسے دیئے جاتے ہیں، جائز ہے، اور اس کا گوشت حلال ہے۔“

اسی تقریر میں ہے کہ:

اگر اسی طرح گذشتہ اولیاء قدس اللہ سرہم کی نذر دے تو جائز ہے۔ فرق اتنا ہے کہ عالم دنیا سے عالم برزخ کی طرف انتقال کی وجہ سے نقد جنس اور طعام سے نفع حاصل نہیں کر سکتے بلکہ فقط اس کا ثواب اللہ تعالیٰ ان کی ارواح مطہرہ کو پہنچا دیتا ہے، لہذا ان کے حالات حیات اور بعد از وفات برابر ہیں۔“

پھر کہتے ہیں:

”اگر نذر مانے کہ میری حاجت بر آئی تو دو سالہ

پلی ہوئی گائے حضرت غوث الاعظم کو نیاز دوں گا تو اس کا حکم وہی ہے جو کھانے کا حکم ہے، اگر نذر کچھ اچھے طریقے سے ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر قبیح ہے تو فعل حرام ہے اور حیوان حلال۔“

گنتی میں غوث اعظم قطب مکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارہویں کے برابر یہ گیارہ اقوال ہیں۔ امام الطائفہ (مولوی اسماعیل) کے تین قول اس سے پہلے گزر چکے ہیں، دو شاہ عبدالعزیز صاحب سے عنقریب آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔

رہا اوقات کا مقرر کرنا جیسے لوگوں میں رائج ہے مثلاً تیجا، چالیسواں، سالانہ اور ششماہی، اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ کسی کی امداد سے باطل شکنی کرتا ہوں کہ کسی کام کا وقت مقرر کرنا دو قسم ہے، شرعی اور عادی۔ شرعی یہ کہ شریعت مطہرہ نے کسی کام کا وقت اس طرح مقرر کر دیا کہ دوسرے وقت میں بالکل نہ ہو سکے اور اگر ادا کیا جائے تو وہ شرعی عمل نہ ہو جیسے کہ قربانی کے خاص دن مقرر ہیں، یا اس وقت سے تقدیم و تاخیر ناجائز ہو، جیسے کہ اشہر الحرم (شوال، ذوالعقدہ اور دس دن ذوالحجہ کے) حج کے احرام کے لئے (ان اوقات سے قبل گو احرام جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ طحطاوی) یا جو ثواب اس وقت میں ہے دوسری جگہ نہیں ہوگا، جیسے کہ عشاء کے لئے رات کا پہلا تہائی حصہ۔ عادی یہ کہ شریعت کی طرف سے عام اجازت ہے جب چاہیں ادا کریں، لیکن کام کرنے کے لئے کوئی زمانہ ضرور ہونا چاہئے، غیر معین زمانے میں کام کا ہونا عقلاً ناممکن ہے اس لئے کہ وجود اور تعین لازم و ملزوم ہیں، لہذا وقت معین کے بغیر چارہ نہیں، اور یہ تمام معین اوقات عام اجازت کی بنا

پر یکے بعد دیگرے صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک میں کام کر لیا جائے۔ اگر ان میں سے ایک وقت کو کسی مصلحت کی بنا پر اختیار کر لیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ اس وقت کے علاوہ یہ کام صحیح نہیں یا حلال نہیں یا ثواب نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ ایسی تقید سے مقید مطلق کا فرد ہونے سے خارج نہیں ہوگا اور جو حکم مطلق کا ہوگا وہی اس کے تمام افراد کا ہوگا جب تک کہ کسی فرد خاص سے خصوصاً ممانعت نہ ہو، لہذا ایسی جگہ جواز کے قائل سے خصوصیت کے ثبوت کی دلیل نہیں مانگنی چاہیے بلکہ منع کرنے والے کو شریعت سے اس خاص کام کی ممانعت دکھانا چاہئے۔

تعزیت کے وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کے متعلق طائفہ (منکرین) کے امام ثانی مولوی اسحق صاحب کی عبارت آپ سن چکے ہیں، اب اس طائفہ کے معلم اول اور امام معتبد کی سنئے وہ رسالہ ”بدعت“ میں نغمہ سرا ہیں:

”دوسرا طریقہ یہ کہ کسی حکم شرعی کا مطلق کی ذات سے تعلق ہو، لہذا مطلق ذات کے لحاظ سے تمام خصوصی افراد میں اسی حکم کا تقاضا کرے گا، اگرچہ بعض افراد میں، عوارض خارجیہ کے اعتبار سے مطلق کا حکم مختلف ہو جائے (یہاں تک کہ) اس نے کہا کہ، خاص صورت کی حکم کی تحقیق میں جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ خاص صورت جس میں بحث ہے اس کا وہی حکم ہے جو مطلق کا حکم ہے، اس نے اصل سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ وہ محتاج دلیل نہیں ہے اس کی دلیل وہی حکم مطلق ہے اور بس الخ۔

حضرت والد (مولانا نقی علی خاں) قدس سرہ الماجد نے اس نفیس قاعدے کی بے نظیر تحقیق ”اصول الرشاد“ میں فرمائی ہے، وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ ہم پھر مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فاقول (میں کہتا ہوں) اگر اس وقت معین کو اختیار کرنے کا خود اسی میں کوئی مرجح پایا جاتا ہے تو بہتر ورنہ اگر یہ وقت دوسرے اوقات کی طرح ہی ہے تو فاعل کا ارادہ ہی اس کی ترجیح کے لئے کافی ہے، جیسے کہ پیاسے کے سامنے پانی کے دو پیالے ہوں، یا کسی آدمی کے سامنے دو راستے (ایک جیسے) ہوں (جسے چاہے اختیار کر لے) بصورت اول (اگر خود وقت میں کوئی مرجح ہو) مصلحت واضح ہے، بصورت ثانی تعیین کا کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ اس کام کی یاد دہانی ہو جاتی ہے، نیز وہ کام معرض تاخیر والتوا میں واقع نہیں ہوتا، ہر عقلمند بخوبی محسوس کرتا ہے کہ جب کسی کام کا وقت مقرر کر دیا جائے تو اس وقت کے آنے سے کام یاد آ جاتا ہے، ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ کام رہ ہی جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل ذکر و شغل اور عابد عبادات، اذکار اور اشغال کے اوقات مقرر کرتے ہیں، کوئی صبح کی نماز سے پہلے سو بار کلمہ طیبہ لازماً پڑھتا ہے تو کوئی عشاء کے بعد سو دفعہ ضرور درود پاک پڑھتا ہے، اگر اس تعیین کو تعیین شرعی نہ جانا جائے تو ہرگز شریعت کی طرف سے عتاب نہ ہوگا۔

جان برادر! اگر اس طائفہ کے اکابر و عمائد کی تصانیف مثلاً شاہ ولی شاہ صاحب کی تصنیف ”القول الجلیل“ اور امام الطائفہ کی ”صراطنا مستقیم“ وغیرہ کی طرف ہی رجوع کرے تو تجھے کئی ایسے تعینات کا پتہ چلے گا جن کا التزام کیا جاتا ہے مگر ان میں تعیین شرعی نہیں پائی جاتی، صرف تعینات کا ہونا تو دور کی بات ہے، تعیین ایام و اوقات کی بھی کیا پوچھتے ہو، وہاں تو ایسے نو

پیدا اعمال، اشغال، طریقوں اور ہیئات کے انبار لگے ہوئے ہیں جن کا نام و نشان تک قرون سابقہ میں نہیں، خود انہیں ان کے جدید اور نو پیدا ہونے کا اعتراف ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ”القول الجمل میں لکھتے ہیں:

”صحبتنا و تعلمنا لآداب الطريقة متصلة الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و ان لم يثبت تعيين الآداب ولا تلك الاشغال.“

مولوی خرم علی، اس عبارت کے ترجمے میں کہتے ہیں:

”ہماری صحبت اور طریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک، اگرچہ تعین ان آداب کا اور تقرر ان اشغال کا ثابت نہیں۔“ اھ ملخصاً (فصل ۱۱، ص ۱۷۳، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) نیز القول الجمل کے ترجمے شفاء العلیل میں کہتے ہیں:

حضرت مصنف محقق نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا، بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیہ ہوئے الخ (فصل ۱۱، ص ۱۰۷)

اسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیان کرتے ہیں:

”مولانا حاشیے میں فرماتے ہیں، اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے افکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات تحفہ کے سبب سے الخ (ص ۵۱)

پھر مولوی خرم علی خود کہتے ہیں:

”یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعت سیئہ نہ

سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔“ (ص ۵۱)

امام الطائفہ مولوی اسماعیل صراطِ مستقیم میں کہتے ہیں:

”محققین اکابر طریقت نے تجدید اشغال میں بہت

کوششیں کی ہیں، اس لئے بہتر معلوم ہوا اور وقت نے

تقاضا کیا کہ ایک کتاب نئے اشغال کے بیان کے لئے

جو اس وقت کے مناسب ہیں لکھی جائے اور اشغال کی

تجدید کی جائے“ اھ ملخصاً: (مقدمۃ الکتاب، باب اول، ص ۸۰، ۸۱)

اور اپنے پیر کے متعلق کہتے ہیں:

”(سید احمد صاحب نے) طریقہ چشتیہ کی تعلیم و

تلقین کیلئے بازوئے ہمت کھولا اور ان اشغال کی تجدید کی

جن پر یہ مبارک کتاب مشتمل ہے۔“ (باب چہارم، ص ۱۶۶)

سبحان اللہ ان لوگوں نے تمہارے قاعدے کے مطابق دین میں نئی

چیز پیدا کی اور یقیناً ایسی چیزیں پیش کیں جن کا اثر تک زمانہ سابقہ میں نہ تھا

مگر گمراہ اور بدعتی نہ ہوئے بلکہ اسی طرح امام، مقتدا، عرفاء اور علماء رہے،

دوسرے علماء نے یہ جرم کیا کہ چند پسندیدہ اور ثابت فی الشرع امور کو جمع کر

دیا اور جن اوقات میں ان کا کرنا جائز تھا ان میں سے بعض کو معین کر دیا۔

معاذ اللہ! اسی سے گمراہ اور بدعتی ہو گئے۔ خدا را انصاف کیجئے۔

اسی گنا ہے است کہ در شہر شام نیز کنند

اس بے جا سینہ زوری کو کیا کہا جائے شاید شریعت تمہارے گھر کی ہے

کہ جس طرف چاہا پھیر دیا۔

اے طالب حق تو انھیں حد سے تجاوز اور سرکشی میں ہی رہنے دے اور آثار و احادیث کی طرف متوجہ ہوتا کہ ہم تمہیں کچھ تعینات عادیہ دکھائیں۔ اسی قسم میں سے ہے وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہدائے احد کی زیارت کے لئے آخر سال کو مقرر فرمایا، جیسے کہ عنقریب آئے گا، اور مسجد قباء شریف میں تشریف آوری کے لئے ہفتے کا دن مقرر فرمایا، جیسے کہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے (متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، پہلی فصل۔ بخاری ج ۱ ص ۱۵۱، باب من اتی مسجد قبا کل سبت) اور شکر رسالت کے طور پر روزہ رکھنے کے لئے پیر کا دن مقرر فرمایا، جیسے کہ مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے (مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صیام التطوع پہلی فصل) اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورے کے صبح و شام کا وقت جیسے کہ صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ہے (بخاری شریف کتاب الکفالہ باب جوار ابی بکر فی عہد النبی ﷺ و عقدہ) اور سفر جہاد کے لئے جمعرات کا دن جیسے کہ بخاری شریف میں بروایت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، (بخاری شریف کتاب الجہاد والسير باب من ارادہ غزوۃ) اور طلب علم کے لئے دو شنبہ کا دن، جیسے کہ ابوالشیخ ابن حیان اور دیلمی کے نزدیک بروایت ابن مالک سند صالح سے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۰) اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ و نصیحت کے لئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب العلم پہلی فصل۔ بخاری کتاب الرقاق باب الموعظۃ مائتہ بعد ساعۃ)

جیسے کہ صحیح بخاری میں بروایت ابی وائل، اور علماء سبق شروع کرنے کے لئے بدھ کا دن مقرر فرماتے ہیں:

جیسے کہ امام برہان الاسلام زر نوجی کی کتاب تعلیم المتعلم (ص ۴۳، فصل فی بدایۃ السبق) میں ہے، اسے امام برہان الدین مرغینانی، صاحب ہدایہ نے اپنے استاذ سے روایت کیا اور کہا: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح کرتے تھے۔

صاحب تنزیہہ الشریعہ (ج ۲ ص ۵۶، باب ذکر البلدان والایام، فصل ثانی حدیث ۲۴) نے فرمایا، اسی طرح اہل علم کرتے تھے۔ یہ سب توقیت عادی کی مثالیں ہیں، حاشا وکلا کہ سید السادات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی مراد یہ ہو کہ سوائے انتہائے سال کے زیارت نہیں ہوتی یا ناجائز ہے یا بندہ نوازی امت پروری اور اقدام مبارکہ سے شہدائے کرام کے مزارات کو شرف بخشے سے جو اجر عظیم سرور عالم، سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جاتا ہے، دوسرے وقت میں عطا نہیں ہوگا۔

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ہفتے کے علاوہ تقریر ہی نہ ہوگی یا ناجائز ہے یا دوسرے دن یہ ثواب نہ ملے گا، یا شریعت مطہرہ نے یہ تعین فرمائی ہے۔ حاشا وکلا ہرگز یہ مقصد نہ تھا بلکہ آپ نے اس عادت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ ہر ہفتے میں مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرمائیں اور دن معین کرنے سے طالبانِ خیر کا جمع کرنا آسان ہوگا۔

باقی امور میں بھی تعین اسی طرح ہے، ان میں سے بعض میں الگ مرتجح موجود ہے، جیسے پیر کے دن آپ کا مبعوث ہونا اور علم نبوت کا حاصل ہونا اور جمعرات کی صبح کا خیز و برکت والی ہونا اور بدھ کے دن ابتدا کرنے

سے تکمیل کی توقع ہونا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو چیز بدھ کے دن شروع کی جائے وہ مکمل ہو کر رہتی ہے۔

بعض دیگر امور میں ترجیح ارادی ہوتی ہے کہ اس میں کم از کم یاد دہانی اور آسانی والی مصلحت ضرور ہے۔ تیجے، چالیسوں، غشماہی اور انتہائے سال کی تعیین ہی کی قسم ہے۔ بعض میں کچھ مصلحت خاص ہوتی ہے اور بعض میں یاد دہانی اور آسانی کے پیش نظر معین کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اصلاح میں کسے اعتراض ہو سکتا ہے۔

اس جگہ امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) کے نسب میں چچا، علم میں باپ اور طریقت میں دادا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا کلام سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ تفسیر عزیز ی میں آیہ مبارک والقمر اذا اتسق (ص ۲۰۶) کے تحت فرماتے ہیں۔

”حدیث میں وارد ہے (مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ، تیسری فصل) کہ مردہ اس حالت میں ڈوبنے والے کی طرح ہے جو کسی فریادرس کا منتظر رہتا ہے، اس وقت میں دعائیں، صدقے اور فاتحہ بہت مفید ہیں۔ اسی لئے لوگ ایک سال تک خصوصاً مرنے کے بعد چالیس دن تک اسی قسم کی امداد کی پوری کوشش کرتے ہیں۔“

کمال یہ کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیرانِ عظام اور آباء کے عرس پورے اہتمام سے کرتے تھے اور ان کے سامنے نیک لوگوں کی قبروں پر لوگ آپ کی تجویز و تائید سے جمع ہوتے فاتحہ خوانی کرتے اور طعام و شیرینی تقسیم کرتے جیسا کہ عام سجادہ نشینوں میں جاری ہے۔ مفتی عبدالحکیم پنجابی نے شاہ

صاحب پروہی بے بنیاد اعتراضات کئے جو حضرات منکریں کرتے ہیں اور شاہ صاحب پر زبان طعن و تشنیع دراز کی اور لکھا:

”وہ لوگ جن کے افعال ان کے اقوال کے مطابق نہیں وہ اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر فرض کی طرح لازم جان کر سال بہ سال قبر پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں طعام و شیرینی تقسیم کر کے قبروں کو پرستش کردہ شدہ بت بنا دیتے ہیں۔ اھ ملخصاً

شاہ صاحب رسالہ ذبیحہ مبطوعہ زبدۃ النصارح میں

اس طعن کا جواب فرماتے ہیں: قولہ:

عرس بزرگانِ خود الخ یہ طعن اس شخص کے حالات سے بے خبری پر مبنی ہے جس پر طعن کیا گیا ہے، اس لئے کہ کوئی شخص بھی مقررہ فرائض شرعیہ کے علاوہ کسی چیز کو فرض نہیں جانتا، ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت، ان سے تبرک حاصل کرنا، ثواب اور تلاوت قرآن کے ہدیہ سے ان کی امداد کر کے دعائے خیر کرنا اور طعام و شیرینی تقسیم کرنا بہتر اور خوب ہے۔ علماء کے اتفاق سے اور عرس کے دن کو اس لئے معین کیا جاتا ہے کہ وہ دن ان حضرات کے دنیا سے آخرت کی طرف انتقال کی یاد دہانی کرتا ہے، ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو ذریعہ نجات و کامیابی ہے۔ بعد والوں پر لازم ہے کہ اپنے سلف پر اس طرح کے احسان کریں، پھر انتہائے سال کی تعیین اور اس کے التزام پر شاہ صاحب نے حدیث شریف سے دلیل پیش کی کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:

☆☆☆

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی احدا کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علی قبور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار۔

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لے جاتے، جب پہاڑ کے دڑے پر پہنچتے تو شہداء کی قبر پر سلام کہتے اور فرماتے تم پر تمہارے صبر کی وجہ سے سلامتی ہو دار آخرت کیا ہی اچھا ہے۔

امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں محمد بن ابراہیم سے روایت کی، انھوں

نے کہا:

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار و ابوبکر و عمر و عثمان (شرح الصدور ص ۲۱۰۔ ابن کثیر ج ۲ ص ۷۹، مصنف عبدالرزاق برقم ۶۸۱۶۔ قرطبی ص ۳۱۳ ج ۵ ج ۹)

یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں شہداء کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم الایۃ۔ آپ کے بعد حضرت صدیق و فاروق و ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی طرح کرتے تھے۔

تفسیر کبیر (ج ۱۹ ص ۲۵) میں ہے:

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کان یأتی قبور الشهداء رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار والخلفاء الاربعہ مکذا یفعلون O

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں مزارات شہداء پر جلوہ افروز ہوتے اور آیت مذکورہ پڑھتے، اسی طرح حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کرتے تھے۔

الحاصل حق یہ ہے کہ تحقیقات مذکورہ (تیجا چالیسواں) تمام تعینات عادیہ ہیں کہ ہرگز جائے طعن و ملامت نہیں ہیں۔ صرف اتنی بات کو حرام اور بدعت کہنا واضح جہالت و خطائے فاش ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی مرحوم نے اپنے فتویٰ میں کیا خوب انصاف کی بات کہی ہے، اس کی عبارت اس طرح نقل کی گئی ہے:

”سوال: بزرگوں کی فاتحہ میں کھانے کی تخصیص، جیسے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ میں کھجڑا اور عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحہ میں توشہ، اس طرح کھانے والوں کی تخصیص کا کیا حکم ہے؟

جواب: فاتحہ و طعام بلاشبہ مستحسن ہے تخصیص، تخصیص کا اختیاری فعل ہے، جو منع کرنے کا باعث نہیں بن سکتا، یہ تخصیصات عرفیہ اور عادیہ ہیں جو خاص مصلحتوں اور مخفی مناسبتوں کی بنا پر ابتداء ظاہر ہوئیں اور رفتہ رفتہ عام ہو گئیں۔ الخ

میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں کوئی بھی دینی مصلحت نہ ہوتا ہم کسی مصلحت کے نہ ہونے کو خرابی کا ہونا لازم نہیں تاکہ اس کام کا انکار کیا جاسکے، ورنہ مباح کہاں جائے گا۔

امام احمد نے مسند میں سند حسن سے ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے روایت کی کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَصِيَامُ السَّبْتِ لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ

ہفتے کے دن کا روزہ نہ تیرے لئے اور نہ تجھ پر۔

علماء نے اس کی شرح میں فرمایا:

لَا لَكَ فِيهِ مَزِيدُ ثَوَابٍ وَلَا عَلَيْكَ فِيهِ مَلَامٌ وَلَا عِتَابٌ

نہ تیرے لئے اس میں زیادتی ثواب ہے اور نہ تجھ پر اس میں ملامت

و عتاب ہے۔

واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص کے بغیر تخصیص مفید نہیں تو نقصان دہ بھی

نہیں (ہمارا بھی) یہی مقصد ہے، ہاں ہر وہ عام آدمی (خاص آدمی صاحب

علم ایسا گمان رکھے گا ہی نہیں) کہ اس تعیین عادی کو تعین شرعی جانے اور گمان

کرے کہ ان دنوں کے علاوہ ایصال ثواب ہو ہی نہیں سکتا یا جائز نہیں، یا ان

دنوں میں ثواب زیادہ ہے، تو وہ غلط کار، جاہل ہے، اور اس گمان میں جھوٹا

اور خطاوار ہے، لیکن صرف اتنا گمان معاذ اللہ اصل ایمان میں خلل پیدا نہیں

کرتا اور نہ ہی قطعی عذاب اور یقینی وعید کا موجب ہے۔

اسی طرح عوام جہلاء نے ایصال ثواب کے بارے میں جو نا پسندیدہ

امور پیدا کر رکھے ہیں مثلاً دکھلاوا، چہ چا اور تفاخر، مالداروں کو جمع کرنا اور

فقراء کو منع کرنا، ایسے ہی نتیجے میں ایک جماعت ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے اور

تمام لوگ بلند آواز سے قرآن مجید سے پڑھتے ہیں اور قرآن مجید سننے کے

فریضے کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں ممنوع، مکروہ اور ناروا ہیں علماء کو

چاہئے کہ زائد خرابیوں پر لوگوں کو تنبیہ کریں، یہ نہیں کہ زبان کی تیزی اور

روانی کے سہارے سے اصل کام ہی کو ختم کر دیں جیسے کہ اکثر عوام نماز میں خصوصاً نوافل جنہیں وہ تنہا ادا کرتے ہیں، ارکان نماز کو آہستہ آہستہ ادا نہ کریں اور دیگر ممنوعات کے عادی بن جاتے ہیں، اس بنا پر انہیں نماز ہی سے نہ روکا جائے بلکہ ان ناپسندیدہ عادات سے روکنا اور ڈرانا چاہیے اور نماز ادا کرنے کا شوق و رغبت دلانا چاہیے۔ یہ مختصر تقریر اور قول فیصل مخالفین کے خواص اور اس طرف کے بعض عوام دونوں کو ناگوار ہوگا، لیکن کیا کیا جائے کہ حق یہی ہے اور حق سے راہ فرار نہیں، اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی ہدایت فرمانے والا ہے و صلی اللہ تعالیٰ علیہ جیبہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

واللہ الہادی الی سبیل الرشاد والصلوۃ والسلام علی المولی
الجواد محمد و آلہ وصحبہ الامجاد واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ
جل مجدہ اتم

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عنہ بمحمد ن المصطفیٰ
النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
(محمدی سنی حنفی قاری ۱۳۰۱ھ عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و فضلاء شریعت امین اس مسئلے میں کہ کسی شخص نے ایک کلام مجید تلاوت کر کے ختم کیا اور اس کا ثواب پندرہ شخصوں کی ارواح کو لٹہ بخشا، ان روحوں میں تقسیم ہو جائے گا، یعنی فی روح دوبار پہنچیں گے یا فی روح کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا، اور نتیجہ اس کا دنیا میں ملے گا یا عقیبتی میں۔ دوسرے یہ کہ ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے؟

الجواب

اللہ عزوجل کے فضل سے امید ہے کہ ہر شخص کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لہل المقبرة الفاتحة
هل تقسیم الثواب بینہم او یصل لكل منهم مثل ثواب ذلک
کاملاً اجاب بانہ افتی جمع بالثانی و هو اللاتق بسبعة الفضل
اس مسئلے کی پوری تحقیق فتاویٰ فقیر میں ہے، نتیجہ ملنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ
کے اختیار میں ہے۔ مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزوجل کی رضا اور رحمت
ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہان کا کام بنا دیتی ہے، آدمی کو اللہ تعالیٰ
کے کام میں اللہ کی نیت چاہئے، دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے۔ دعا
کرے کہ الہی جو میں نے پڑھا، اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں
اشخاص کو پہنچا، اور افضل یہ ہے کہ تمام مسلمین و مسلمات کو پہنچائے۔
مسئلہ متقطع میں ہے:

یقرء ما تیسر لہ من الفاتحة والاخلاص سبعاً او ثلاثاً ثم
یقول اللہم اوصل ثواب ما قرأناہ الی فلاں او الیہم۔
محیط و تارخانہ و شامی میں ہے:

الا فضل لمن یتصدق نفلاً ان نیوی لجميع المومنین
والمؤمنات لانہا تصل الیہم ولا ینقص من اجرہ شیء
(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۰۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتاء

سوم و دہم و چہلم و شش ماہی و سالیانہ کہ دریں دیار ہند مروج است اور بعض علماء بدعت شنیعہ، مکروہ گویند و اقوال چند بردستی اوست و طعائے کہ بعد موتی بہ نیت ثواب می پزند و ہر دو دست برداشتہ فاتحہ و ہند آں را علمائے ظہوار غیر مقلدین باعث فاتحہ مردار و حرام دانستہ گویند ایں طریقہ در زمانہ نبوی و اصحاب کبار مصطفوی و تابعین و اتباع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبود بلکہ طعام و شیرینی کہ نیاز بزرگان دین است مثل مردار، پس دریں مسئلہ ہر چہ حکم شرعی واجب التعمیل باشد بیان فرمایند بسند کتاب بینوا توجروا۔

الجواب

قول فیصل وخن مجمل دریں باب آنست کہ ایصال ثواب و ہدیہ اجر بہ اموات بہ اجماع کافہ اہلسنت و جماعت امیریت مرغوب و در شرع مندوب، احادیث بسیار از حضور سید الابرار علیہ افضل الصلوٰۃ من الملک الجبار و ترغیب و تصویب ایں کار وارد شد۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق در فتح القدیر و امام علامہ فخر الدین زیلیعی، در در نصب الروایہ و امام علاہ جلال الدین سیوطی در شرح الصدور فاضل علامہ علی قاری در مسلک متقط و غیرہم فی غیرہا بذکر برخی از انہا پرداختہ اند۔ و خود انکار ایں کار نیاید مگر از سفیہ جاہل یا ضال مبطل، مبتدعان زمانہ را کہ خون پنهان معتزلیت بجوش آمدہ است و در پردہ تر

حصہ نیابت و تخصیص و کالت اہدائے ثواب را انکار کنند و پیش اجماع اطمعی
اہلسنت را بر ہم زنند۔ باز بشہادت احادیث کچیرہ و جزم و تصحیح جمہور آئمہ و
صول ثواب خاص بقریات مالیہ نیست بلکہ مالیہ و بدنہ ہر دورا عام نہیں
است، مذہب آئمہ حنفیہ و بریں اند بسیارے از محققین شافعیہ و علیہ الجمہور و
ہو الصحیح الریح المنصور، باز اجماع ایں ہر دکہ ہم قرآن خوانند و ہم تصدق کنند
و ثواب ہر دو بمسلماناں رسانند، نیست مگر جمع حسن با حسن و مندوب
بامندوب و زہار یکے با دیگرے منافی نیست کالتلاوة من المصحف فی الصلوة
نہ شرع بہ انکار ایں جمع وار د شد کفراة القرآن فی الركوع و سجود، پس اور
امحدور گفتن از دائرہ عقل بیرون رفتن است امام حجۃ الاسلام، محمد غزالی قدس
سرہ العالی در احیاء فرماید اذا لم یحرم الا حادثن ایں محرم المجموع و ہم در آنست
ان افراد المباحات اذا اجتمعت کان ذالک المجموع مباحاً۔ تمام تحصیل ایں
اصل ائین امام المدققین ختم المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد در کتاب
مستطاب ”اصول الرشاد لجمع مبانی الفساد“ ارشاد فرمودہ اند و ایں معنی را از
حدیث صحاح استنباط نمودہ من شاء فلیستشرف بمطالعة و خود معلم اول طائفہ
مانعین مولوی اسماعیل را خوبی ایں اجتماع قرآن و طعام مقبول و مسلم است،
در صراط مستقیم چناں راہ اعتراف و تسلیم پوید:

”ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام نہ گزارد،
اگر میسر باشد بہتر است والا ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہترین ثوابہا
است اھ“

و شک نیست کہ طریقہ ایصال ثواب دعا بجناب رب الارباب است
جل جلالہ امام الطائفہ در صراط مستقیم گوید:

”ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود و ثواب آں بروج کسے از گزشتگان برساند و طریق رسانیدن آں دعائے خیر بجناب الہی است، پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن است۔“

دوست برداشتن از آداب مطلق دعا است، در حصن حصین فرماید
 آداب الدعاء منها بسط الیدین ت مس و رفعہا، یعنی ہر دو دست برداشتن بحکم حدیث صحاح ستہ از اب دعا است و از آء و علمائے ما چہ گوئی خود معلم ثانی..... منکرین در مسائل اربعین گوید:

”دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہر اجواز است زیرا کہ حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس در ایں وقت ہم مضائقہ نہ دارد لیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست اھ“
 پییدہ با آنکہ خصوصیت را غیر ماثور گفت امامہ دلیل اطلاق استظهار جواز کرد و در فعل او ہیچ مضائقہ نہ دید۔ بالجملہ ازیں امور زہار چیزے نیست کہ در شرع مطہر مستنکر باشد و مجرد عدم، و رود خصوصیات را مطلقاً مستلزم منع دانستن غلطی است واضح و چلے واضح، فقیر بعون القدر ایں بحث را در مجموعہ مبارکہ البارقہ الشارقہ روشن تر گفتہ ام و علمائے سنت بارہا ایں مدعیان را تا خانہ رسانندہ و بر خاک مذلت نشانندہ اند حاجت تفصیل و تطویل نیست امام انچہ امام الطائفہ باوجود تسلیم عدم ورود در ایں باب گفتہ است شنیدن دارد در تقریر ذبیحہ مطبوعہ رسالہ زبدۃ الصالح می گوید:

”ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و طعام

خورانیدن سوائے کندن چاہ و امثالہ و دعا و استغفار و اضحیہ بدعت است گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معاقدہ

روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر اہ

ارباب طائفہ امام خود شاں پر سند کہ بآنکہ این طریقہ ہارا عموماً و فاتحہ خوانی را خصوصاً بدعت و محدث میدانی چه گونی حسنہ می گونی و خلاف طائفہ راہ می پونی باز ذکر معانقہ عید سنگ آمد و سخت آمد آرے تگون این امام متباعانش را کارجاں و کاربار استخوان رسانده است ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، و کلام معلم ثانی حالا گذشت کہ باوجود عدم ثبوت خصوصیت مضائقہ نہ دانست۔

اکنون آمدیم بر نقل چند اقوال دیگر از کبراء و عمائد و اساتذہ و مشائخ امام الطائفہ تا بے باب رواں دانند کہ بے معنی شرع تحریم فاتحہ، زباں کشودن و طعام فاتحہ و شیرینی نیاز بزرگان قدست اسرار ہم را حرام و مردار گفتن چه کیفر ہا کہ نمی چشاند و کدام بد روز نمی نشاند۔ شاہ ولی اللہ در انفاں العارفین از والد خود شاں شاہ عبدالرحیم نقل کنند:

”می فرمودند، در ایام وفات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم چیزے فتوح نشد کہ نیاز آں حضرت طعام پختہ شود، قدرے نخود بریاں و قدسیاہ نیاز کردم الخ، در درمیشین فی مبشرات النبی الامین ہمیں سخن راچتاں آورند۔ الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع طعاما صلاۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفتح لی سنة من السنین شئی اصنع به طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقممتہ بین الناس فرایتہ صلی اللہ عالی علیہ وسلم و بین یدہ هذا

الحمص مبتہجا بشاشا۔“

شاہ صاحب مذکور در ”انتباہ فی سلاسل اولیاء الہ نور
یسنہ: ”بر قدرے شیرینی فاتحہ بنان خواجگان چشت
بخوانند و حاجت از خدائے تعالیٰ نمایند ہمیں طور ہر روز،
میخوانند باشند۔“ ۱۵

لفظ شیرینی و فاتحہ سر روز از یاد مراد۔ شاہ صاحب مسطور در ہمعات
گویند: از ایں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں و
التزام فاتحہ خواندن و صدقہ وادن برائے ایشاں“

شاہ صاحب مریور در فتوائے مندرجہ زبدہ النصائح گویند:
”اگر طیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال
ثواب بہ روح پرزند و بخور انند مضائقہ نیست جائز است
و طعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ
بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن در آں جائز
است۔“

شاہ صاحب مرحوم ہم در انفاں العارفین نگارند:

”حضرت ایشاں در قصبہ ڈانہ بہ زیارت مخدوم اللہ دیا
رفتہ بودند و شب ہنگام بود در آں فرمودند مخدوم ضیافت مای
کنند، دی گویند کہ چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ
اثر مردم منقطع شد و طلال بریاراں غالب آمد، آنکہ زنی
بیامد طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر
زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ بہ نشیندگان

درگاہ مخدوم اللہ دیار سانم دریں وقت آمد، ایفائے نذر
کردم، و آرزو کردم کہ کسے آں جا باشد، تا تناول کند۔“
مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب در تحفہ اثنا عشریہ فرماید:

”حضرت امیر و ذریۃ طاہرہ اور اتمام امت بر مثال
پیراں و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بایشاں
می دانند و فاتحہ و در و دو صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و
معمول گردید و چنانچہ با جمیع اولیاء ہمیں معاملہ است“

ایں عبارت سراپا بشارت کہ حرف خزش بر سر مخالف برقی خاطف یا رتجے
قاصف حرف حرف بخاطر باید داشت و از مخالفان پرسید کہ شاہ صاحب بطور شا
جمیع امت را صراحتاً گمراہ و مشرک گفتند یا نہ و خود ایں چنین امور را تجویز و
تحسین نمودہ کافر و مشرک شد نہ یا نہ بر تقدیر اول امام الطائفہ اسماعیل دہلوی
کہ غلام غلام و مرید مرید ایشاں است در صراط مستقیم بدمج ایشاں چنان تر
زباں:

”جناب ہدایت مآب قد وہ ارباب صدق و صفا
زبدۃ اصحاب فنا و بقا سید العلماء سند الاولیاء حجۃ اللہ علی
العالمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع کل ذلیل و عزیز،
مولانا و مرشدنا الشیخ عبدالعزیز“

معاذ اللہ کافرے مشرکے را بچھیں الفاظ عظیمہ جلیلہ ستودہ و تجت خدا و
نائب انبیاء و کذا و کذا اعتقاد نمودہ خود کافر و مرتد گردید یا بچ باز شایاں کہ ایں
کافر و مرتد را امام و پیشوا و سرور مقتدا گرفتہ و در ہر مسئلہ و عقیدہ سر بر خط
فرمانش نہادہ قدم بر قدم اور کستہ اید از یں روہمہ کافر و بے دین و مرتد و لعین

شدید، ماچہ بینوا تو جروا۔

باز بہ مطلب عناں تاہم، مولوی خر معلیٰ بلہوری معلم ثالث طائفہ
حادثہ در نصیحتہ المسلمین گوید:

”حاضری حضرت عباس کی۔ صحنک حضرت فاطمہ کی
گیارہویں عبدالقادر جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کاسہ منی بو
علی قلندر کی، تو شر شاہ عبدالحق کا، اگر منت نہیں صرف ان
کی روحوں کو ثواب پہنچانا، منظور ہے تو، درست ہے، اس
نیت سے ہرگز منع نہیں اھ ملخصاً خود امام الطائفہ در تقریر
ذبیحہ سراید:

اگر شخصے بزے را خانہ پرور کند تا گوشت او خوب
شود او را ذبح کبدہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست۔“

ایں لفظ خواندہ بخوراند، نیز نگاہ داشتن است کہ بسیارے از منکرین
ایں راہم مناظ انکار سازند و گویند اگر ایں اجتماع اطعام و قرأت جائز بدے
تاہم بایستے کہ خوردانند خواند نہ کہ خواندہ خوردانند کہ عبث و باطل است جواب
کامل ازیں شبہ باطل و ربارقہ شارقہ یاد کردہ ایم ہم چناں ایں لفظ غوث
الاعظم بردل نگاستے کہ ایں بر ایمان تقویہ الایمان صراحۃً شرک است، طرفہ تر
آنکہ اتباع جمول طعام فاتحہ را حرام و مردار دانند و امام الطائفہ طعام و گوشت
گاوند را اولیاء ہمہ را را حلال می خواند بشرطیکہ تقرب بذبح بسوئے میت نباسد
و سپیدی گوید کہ جانور دے کہ نذر اولیاء کردہ باشند اگرچہ چنداں نذر بروجہ
حرام و قبیح ہم کنند تاہم در حلت جانورے نخنے نیست فکیف کہ نذر اولیاء بروجہ

حسن باشد چہ جائے آنکہ محض بے نذر ایصال ثواب شود چہ بچل آنکہ از ذبح جانور و اراقت دم اثر نبود۔ ہمیں قرأت قرآنے و تصدق طعائے، بمیاں آید مگر در تفریر مذکور چساں نگارو:

”اگر شخصے نذر کند کہ اگر فلاں حاجت من برآید ایں قدر نیاز حضرت سید احمد کبیر بکنم و ایں قدر طعام نیاز ایساں مردم را بخور انجم اگرچہ دریں نذر گفتگوست لیکن طعام حلال است و ہمچنین ست حکم گوشت، مثلاً اگر شخصے بگوید کہ دو من گوشت نذر سید احمد کبیر بعد آمدن حاجت خود خواہم خورایند، گوشت حلال است و اگر بگوید کہ گوشت گاؤ خواہ خورایند، نیز درست است و اگر بہ ہمیں قصد گاؤر انذر کند نیز روا است چرا کہ، مقصودش گوشت است و ہمچنین اگر گاؤ زندہ بنام سید احمد کبیر کے رابد بہ بطوریکہ نقدی دہند رواست و گوشت آں حلال است۔“

ہم در آنست:

”اگر ہمیں طور نذر برائے اولیائے گذشتگان قدس اللہ اسرارہم، کند رواست ایں قدر فرق است کہ بسبب انتقال از عالم دنیا بہ عالم برزخ منتفع بہد و جنس و طعام نمی توانند شد بلکہ ثواب آں اللہ تعالیٰ بہ ارواح مطہرہ ایساں می رساند پس حالت ایساں در حالت حیات و بعد ممات برابر است۔“

بازی گوید:

”اگر نذر کند کہ بشرط بر آمدن حاجت خود، گاؤ دو

سالہ فربہ نیاز حضرت غوث الاعظم خواہد کرد، پس حکم این

مثل حکم طعام است اگر نذر بطریق حسن است هیچ خلل

نہ و اگر قبیح است فعلش حرام است، و حیوان حلال۔“

ایں یازده قول است بعد و ایام یازدهم شریف حضرت غوث اعظم

قطب اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراز، امام الطائفہ بالاگزشت و دواز شاہ

عبدالعزیز صاحب عنقریب می آید و باللہ التوفیق والہدایۃ الی سواء الطریق۔

نکتن گفتن ماند از تعیین اوقات کی در مردیاں رائج است ہچوں سوم و

چہلم و سر سال و شش ماہ اقوال و بحول اللہ اصول توقیت یعنی اگرے را وقت

معین داشتن بردو گونه است، شرعی دعادی شرعی آنکہ شرع مطہر عملے را وقت

تعیین فرمودہ است کہ در غیر او اصلاً صورت نہ بندد و اگر بجائے آرنداں عمل

شرعی نہ کردہ باشند، چوں ایام نحر مراجع رایا آنکہ تقدیم و تاخیرش، ازاں وات

نار و ابا شد چوں اشہر الحرم حج رحرام حج رایا آنکہ ثوابیکہ دریں است در غیر و

نیا بند چوں ثلث لیل مر نماز عشارا۔ دعاوی آنکہ از جناب شرع اطلاق

است، ہر وقتیکہ خواہند بجا آرند اما حدث را از ماں ناگزیر است و وقوع در

و مان غیر معین محال عقلی کہ وجود تعیین مساوق ہمد گراست۔ پس از تعیین چاہر

نہست ایں ہم تعیینات بر بنائے اطلاق علی وجہ البدلیۃ صالح ایقاع بود از نہا

یکے را بر بنا، مصلحت اختیار کنند بے آنکہ وقت معین را بنائے صحت یا مدار حلت یا

مناط اثابت دانند پیدا است کہ بایں تعہید مقید از فرویت مطلق بر نیاید و حکم

کہ مطلق راست در جمیع افرادش ساری باشد مالم بر دمنع من خصوصاً پس

ہچو جا سبیل نہ آنست کہ ثبوت خصوصیت از مجوم جوئید بلکہ آنکہ تصریح بمنع

ایں خاص از شرع بر آرند عبارت معلم ثانی طائفہ دربارہ دست برداشتن بدعائے تعزیہ بالاشنیدی و ایک معلم اول و امام معول طائفہ در سالہ بدعت چنان نغمہ سرا:

”طریق ثانی آنکہ بمطلق بالنظرانی ذاتہ حکم از احکام شرعہ متعلق گرد و پس مطلق بنظر ذات خود در جمیع خصوصیات ہماں حکم اقتضای نمادگو در بعض افراد بحسب عوارض خارجیہ حکم مطلق مختلف گردد (الی ان قال) در تحقیق حکم صورت خاصہ محوٹ عنہا، می نماید ہمانست متمسک بہ اصل کہ در اثبات دعوی خود حاجت بہ دلیل نہ دارد، دلیل او ہماں مطلق است و بس الخ

حضرت والد قدس سرہ الماجد ایں اصل مفید وقاعدہ شریف را تحقیق بالغ و تنقیح بازغ در اصول الرشاد افادہ ارشاد فرمودہ اند آں جا باید جست من بادل سخن باز گردم فاقول باز اگر دریں وقت معین مرنج حامل بر اختیار را سند است چنانکہ در دو جام تشنہ و دوراہ را ہے مشاہدہ کنی علی الاول مصلحت عیاں است و علی الثانی کم نہ ازاں کہ ایں تعیین باعث تذکیر و تنبیہ و مانع تسویف و تفویت باشد ہر عاق از وجدان خود یا بد کہ چوں کارے را و حقے معین بہند آمدن وقت یادش دہد ورنہ بسا باشد کہ از دست رود از ہمیں جاست اوقات معین کردن ذاکرین و شاغلین و عابدین مر ذکر و مشغل عبادت را یکے پیش از نماز صبح، صد بار کلمہ طیبہ بر خود گرفتہ است۔ دیگرے پس از نماز عشاء صد بار درود، و اگر ایں توقیت شرعی نہ دانند ز نہار از شرع معاتب نشوند۔

جان برادر اگر بقول الجلیل شاہ ولی اللہ و صراط نامستقیم امام الطائفہ و

غیر ہما کتب اس فن کہ اکابر و عمائد طائفہ تصنیف کردہ اندر رجوع آرے چیز ہا
ازیں تعینات ملزمہ یابی کہ زہار از توقیت، شرعی نشانے نہ دارد ہیہات خود از
تعیین ایام و اوقات چہ گوئی آں جاتو دہاست از اعمال و استغال و طرق و
ہیات محدثہ و مخترعہ کہ در قرون سالفہ از انہا اثرے و خبرے پیدا نبود و ایناں را
با حدث و ابتداء آنہا خود اعتراف است شاہ ولی الہ در قول الجہیل گویند:

”صحبان و تعلمنا لآداب الطريقة

متصلة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم و ان

لم يثبت تعين الآداب ولا تلك الاشغال“

مولوی خرم علی در ترجمہ اس عبارت گفت:

”ہماری صحبت و طریقت کے آداب سیکھنا متصل

ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اگرچہ تعین ان آداب

کا اور تقریر ان اشغال کا ثابت نہیں اھ ملخصاً ہم در علماء

العلیل ترجمہ قول الجہیل گوید:

”حضرت مصنف محقق نے کلام دلپذیر اور تحقیق

عظیم النظر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا، بعضے

نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال

مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے، تو بدعت

سیہ ہوئے۔ الخ

ہمدراں از شاہ عبدالعزیز صاحب آرد:

”مولانا حاشے میں فرماتے ہیں اور اسی طرح

پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے اذکار
مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات تحفہ کے سبب سے
الح باز خودی گوید:

”یعنی ایسے امور کو مخالفت شرع یا داخل بدعت سیئہ
نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔“
امام لطائفہ در صراط مستقیم سراید:

”محققان از اکابر مر طریق در تجدید اشغال کوششها
کرده اند بناء علیہ مصلحت دید وقت چنان اقتضاء کرد کہ
یک باب ازین کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ
مناسبایں وقت است تعیین کرده و تجدید اشغال نموده شود۔“
اھ ملخصاً

و در حال پیر خود گوید:

”در تلقین و تعلیم طریقہ چشتیہ باز روئے ہمت کشادہ
و تجدید اشغال لے کہ ایں کتاب مستطاب بر آں محتوی گردید
فرمودند۔“

سبحان اللہ ایٹاں کہ بر اصل شما صراحتہ احداث فی الدین کردند قطعاً
چیز ہا بر آوردند کہ قرون سابقہ از آنہا خبرے نہ داشتند ضال و مبتدع نباشد
بلکہ ہیچاں امام و مقتداء و عرفاء و علماء مانند، دیگران بر ہمیں قدر جرم کہ چند
امور محمودہ ثابتہ فی الشرع وقع معین گرفتند معاذ اللہ گمراہ و بدعتی شوند۔
لہ انصاف، ایں تحکم بے جا راچہ گفتہ آید۔ مگر شریعت کا رخاگی شمنہ
است کہ ہر چوں کہ خواہید پہلو گردنید۔ ہاں وہاں اے طالب حق ایٹاں را

در طغیان و عدوان ایناں بگذار و روئے بہ آثار و احادیث آر تا چیز ہے از
 تعینات عادیہ بر تو خوانیم۔ ازین قبیل است آنچه در حدیث آمد کہ حضور پور
 سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم زیارت شہداء اُحد را سر سال مقرر فرمودند کی سیاتی و
 آمدن مسجد قبارا روز شنبہ کام فی الحسنین عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا و
 روزہ شکر، رسالت و شنبہ کما فی الصحیح مسلم بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ و بالصدیق
 اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشاورہ دینی را صبح و شام مافی الصحیح البخاری عن ام
 المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا و انشاء سفر جہاد را پنجشنبہ، کما فیہ عن کعب بن
 مالک رضی اللہ عنہ و عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عظ و تذکری را روز
 پنجشنبہ کما فی صحیح البخاری عن ابی وائل۔ و علماء بدایت درس را روز چہار شنبہ کما
 فی التعلیل للعلم للمام برہان الاسلام اثر روحی حکایت کردش از استاذ خود امام
 برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایۃ و گفت ہکذا کان یفعل ابو حنیفہ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ صاحب تنزیہ الشریعہ فرمود و کذا کان جماعۃ من اہل العلم ایں
 ہمہ ہا از باب توقیت عادی است حاشا کہ مراد سید الاسیاد علیہ افضل الصلاۃ
 والسلام من الملک الجود آں باشد کہ زیارت جز بر منہائے سال زیارت
 نیست یاد و انباشد یا اجر عظمی کہ ایں روز بر بندہ نوازی و امت پروری و
 تشریف مزارات شہدائے کرام تہراب اقدام برکت نظام نصیب آں شاہ عالم
 پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کنند و دیگر نہ کنند ہیچناں مقصود ابن مسعود آں نہ بود کہ جز
 بر و زشنبہ و عظ نیست یاد و غیر او جواز نے یاد رز دیگر ایں اجر مفقود یا شرع
 مطہر ایں تعین نمود، حاشا للہ بلکہ ہمیں عادتے التزام فرمودہ تا ہر ہفتہ بتذکری
 مسلماناں پرداز و تعین یوم طالبان خیر را بہ آسانی جمع و فراہم ساز و ہمہ بریں
 قیاس در امور باقیہ آری در بعضی از انہا مرجعی جداگانہ حاصل است کہ مصلحت

دروے کم از تذکیر و تیسر نیست، ہم ازیں باب است تعینات مردم و رسوم و چہلم و شش ماہ و رسال کہ بعض مصلحتے خاص دارد، و بعض آخر بقصد آسانی و یادہانی معتاد و معہود گردید و لا مشآختہ فی الاصطلاح ایں جا کلام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کہ امام الطائفہ عم نسب و پدر علم و جد طریقت بوذر شنیدن دارد۔

در تفسیر عزیزی زیر قولہ عزوجل والقمر اذا تسق فرمود:
 ”وارد است کہ مردہ دریں حالت مانند غریقی است کہ انتظار فریاد
 رسی می برد صدقات و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار آدمی آید و ازیں ست کہ
 طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص تا یک چلہ از موت داریں نوع
 امداد کوشش تمام می نماید اھ

و لطیف تر آنکہ شاہ صاحب موصوف عرس پیران و پدران خودشاں بہ
 اہتمام تمام بجای آورند و پیش ایشان بر قبور درویشاں اجتماع مردم فاتحہ خوانی و
 تسیم طعام و شیرینی بخویز و تقریر ایشان می شد چنانکہ در عامہ اہل سجادہ جاری و
 ساری است۔

مفتی عبدالحکیم پنجابی بریں افعال شاہیہ بہماں شبہات و اہیہ کہ حضرات
 منکرین بکاری برند، بر شاہ صاحب زبان مطاعن و مثالب کشود و رقم نمود
 ”کسانیکہ اقوال لہنہا مطابق افعال شاں نیستندی،
 عرس بزرگان خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر
 مقبرہ اجتماع کردہ طعام و شیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر راہ
 و شاہ بعدی کنند اھ“ ملخصاً

شاہ صاحب در رسالہ ذبیحہ مطبوعہ زبدۃ النصائح پیاپیخ این طعن فرمایند:

قوله عرس بزرگان خود آج این طعن مبنی است بر جہل
احوال مطعون الیہ، زیرا کہ غیر از فرماض شرعیہ مقررہ ایچ
کس فرض نمی داند آری زیارت و تبرک بقبور صالحین و
امداد ایشان باہدائے ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر
و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن است و خوب است
باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آنست کہ آل روز
مذکر انتقال ایشان می باشد از دارالعمل بدار الثواب و لاہر
روز کہ این عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است و
خلف را لازم است کہ سلف خود ربایں نوع بر و احسان نما
ید باز تعیین ہر سال و التزامش را سند این مادیت آورند کہ
ابن المنذر و ابن مردودہ از انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ
عنه روایت کردند:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان
یأتی احد اکل عم فاذا بلغ الشعب سلم علی
قبور الشهداء فقل سلام علیکم بما صبرتم فنعم
عقبی الدار

یعنی، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال بہ اُحد
تشریف ارزانی میداشت، چون بردرہ کوه می رسید برگور
شہیدان سلام می کردوی فرمود، سلام باد بشما بہ شکیبائی شما،

پس چہ نیکوست سرائے آخرت، و امام ابن جریر در تفسیر
خودش از محمد بن ابراہیم، روایت نمود:

”وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول
سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.
وابوبکر وعمر و عثمان۔

یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال بر خاک
شہداء قدم می مرمود می گفت:

سلام علیکم الآیۃ، بعدہ حضرت صدیق و فاروق و ذی النورین ہجناں می
کردند، رضی اللہ تعالیٰ عنہم و در تفسیر کبیر است:

عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم ان کان یأتی قبور الشهداء رأس کل حول
فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار
و الخلفاء الاربعۃ ہکذا یفعلون

یعنی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال بر مزار
شہدای شد و آیہ مذکورہ میخواند و ہجناں حضرات خلفاء اربعہ
می کردند رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

باجملہ حق آنست کہ تخصیصات مذکورہ ہمہ تعینات
عادیہ است کہ زہار جائے طعن و ملامت نیست این قدر
را حرام و بدعت شنیعہ گفتن چہلے صریح است و خطائے قبیح۔

شاہ رفیع الدین مرحوم دہلوی برادر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب در
فتوائے خودش چه خوش سخن انصاف گفته عبارتش چنانچہ آورده اند:

”سوال تخصیص ماکولات در فاتحہ بزرگاں مثلاً کھچڑا

در فاتحہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و توشہ در فاتحہ شاہ
عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ و غیر ذالک و ہجناں، تخصیص خوردگان
چه حکم دارد؟

جواب: فاتحہ و طعام بلاشبہ از مستحبات است و تخصیص کہ
فعل تخصیص است بہ اختیار اوست کہ باعث منع نمی تواند
شد، این تخصیصات از قسم عرف و عادت اند کہ بمصالح
خاصہ و مناسبت خفیہ ابتداء بظہور آمدہ و رفتہ رفتہ شیوع
یافتہ الخ

اقول بلکہ اگر این جا خود ہیج مصلحت دینی نباشد تا عدم مصلحت وجود
مفسدت نیست کہ موجب انکار این کار شود ورنہ مباح کجا رود امام احمد در مسند
بند حسن از خاتونے صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی است، حضور پر نور صلی
اللہ علیہ وسلم فرمود:

وصيام السبت لالک ولا علیک

روز ہائے روز شنبہ نہ مرتراست نہ یرتو۔“

علماء شرحش فرمائید:

لا لک فیہ مزید ثواب ولا علیک فیہ ملالہ ولا عتاب

”نہ اترا دروے افزوی ثوابے نہ یرتو دروے ملاستے و عتابے

روشن شد کہ تخصیص بے تخصّص اگر نافع نیاید، مضرب ہم نباشد نہ ہو المراد آری ہر عامی کہ اس تعیین عادی را توقيت شرعی و اندوگماں برد کہ ایصال ثواب در غیر این ایام صورت نہ بند و یاروانہ باشد یا ثواب این ایام از ایام دیگر اتم است و وافر بلاشبہ غلط کار و جائل و دریں گمان خاطی و مبطل است اما این قدر گمان معاذ اللہ در اصل ایمان خلل نیارد نہ موجب عذاب قطعی و وعید حتمی گردد.....

چنانکہ امام الطائفہ در تقویت الایمان اعتقاد دارد و این جہالت فاحشہ او از جہل آں عامی بدر جہاں بدتر است آں از جہلے و جزائفے بیش نیست و این ضلال بعد و اعتزال شدید و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العزیز الحمید، این جانیز حصہ امام الطائفہ در سفہ و سخاقت و حق جزافت پیدا است یقال لہم لیس من یعلم کمن لا یعلم ہچناں آنچہ عوام جہلہ در باب ایصال ثواب امور مستکرہ احادیث کردہ اند مثلاً ریا و مسعہ و تفاخر جمع اغنیاء و منع فقراء و آنکہ در سوم جماعتے یکجا نشستہ ہر ہمہ قرآن بچہ خوانند و فریضہ استماع از دست دہند، این ہمہ ممنوع و مخطور و مکروہ و مخدور است، علماء را باید کہ بر مفاسد و زوائد سرزنش کنند نہ آں کہ بطلاق لسان و سلاطت زبان اصل کار را برہم زدند چنانکہ بسیارے از عوام در نماز خصوصاً نوافل کہ تنہا گزارند، بعدم مراعات تعدیل ارکان وغیرہ مخطورات عدیدہ خو کردہ اند این معنی مستلزم نہی از نماز نباشد بلکہ از ین خصائل شنیعہ تحذیر و ترہیب می باید کرد و بر ادائے نماز تحریر و ترغیب این است خن مجمل و قول فیصل کہ خواص آنسو و بعض عوام این سوہر دورا گراں آید اما چہ توان کرد کہ حق این است و از حق نشاید، گزشت۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

احکام قبورِ مؤمنین

احکام قبورِ
مؤمنین

تصنیف لطیف

احمد رضا خاں فاضل دیوبند
مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

تقدیم

مسلمانوں کے قبرستانوں کو مسمار کر کے کوئی عمارت بنانا جائز نہیں، مسلمانوں کی قبریں واجب التعمیم ہیں۔ اس رسالہ مبارکہ میں صرف مقابر کے احکام ہی نہیں بیان کئے گئے ہیں بلکہ وقف کے بہت سے احکام بیان کر دیئے گئے ہیں اور اس سلسلے میں متعدد کتب کے بہترین حوالہ جات یکجا کئے گئے ہیں جو مدت دراز کی عرق ریزی اور جاں فشانی کے بعد بھی علماء کے لئے حاصل کرنا ممکن نہیں اور اس ضمن میں اصول فقہ کی بہت سی نادرا بات بھی شامل ہیں جو اصل رسالہ دیکھنے پر ہی منکشف ہو سکتی ہیں۔

سید شجاعت علی قادری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوال:

علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گورستان (اہلسنت) قدیم کی (پرانی) قبروں کو عداً کھود کر اپنے رہنے کے لئے مکان بنانا موافق مذہب حنفی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے میں اہل قبور کی توہین و اہانت ہوگی یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب

ومن الهدایة الی الحق والصواب

جاننا چاہیے، کہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وعامۃ مومنین اہلسنت کے ساتھ جو قلبی عداوت فرقہ نجدیہ وہابیہ کو ہے ایسی اور کسی فرقہ مبتدعہ کو نہیں ہے، اسی وجہ سے اس فرقہ محدثہ کے اکابر کی تصانیف باطلیل اہانت محبوبان خدا سے بھری پڑی ہیں، جس کا جی چاہے وہ نجدی، اسماعیل دہلوی و صدیق حسن بھوپالی و حرم علی و رشید گنگوہی وغیرہ کی تالیفات باطلہ اٹھا کر دیکھ لے کہ قسم قسم کی اہانتوں سے پر ہیں۔

منجملہ ان کے ایک اہانت قبور انبیاء و شہداء و اولیاء علیہم السلام کا منہدم و نابود کرنا اس فرقے کا شعار ہو گیا ہے۔

شیخ نجدی نے روضۂ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا

علامہ احمد بن علی بھڑی کتاب ”فصل الخطاب فی رد ضلالت ابن

عبدالوہاب“ میں فرماتے ہیں:

منہا انه صح انه يقول لو اقدر على حجرة الرسول صلى
الله تعالى عليه وسلم لهدمتها
یعنی میں اگر قدرت پاؤں تو روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توڑ دوں۔

شیخ نجدی نے شہداء و صحابہ کرام کے مزار توڑے
اور یہی علامہ بصری ایک دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

اقول تہدیم قبور شہداء الصحابة المذکورین لا جل
ابناء علی قبورہم ضلالة ای ضلالة انتہی مختصراً:
یعنی نجدی کا شہداء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور و قبوں کی وجہ
سے توڑ ڈالنا بڑی ضلالت اور گمراہی اس نجدی کی ہے۔
اور یہی علامہ مذکور تیسرے مقام میں لکھتے ہیں:

قال بعضهم و لو كان المبنى عليه مشهوراً بالعلم والصلاح
او كان صحابياً و كان المبنى عليه قبة و كان البناء على قدر قبره
فقط فينبغي ان لا يهدم لحرمة نبشه و ان اندرس اذا علمت هذا فا
البناء على قبور هؤلاء الشهداء من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم
لا يخلوا ما ان يكون واجباً او جائزاً بغير كراهة و على كل فلا يقدم
على الهدم الا رجل مبتدع ضال لا ستلزامه انتهاك حرمة
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الواجب على كل
مسلم محبتهم و من محبتهم وجوب توقيير لهم و اعد توقيير لهم عند
من هدم قبورهم حتى بدت ابدانهم و اكفانهم كما ذكر بعض
علماء نجد في سوال ارسله الى انتہی مختصراً

بعض علماء نے فرمایا کہ، صاحب قبة اگر کوئی مشہور عالم متقی یا صحابی ہے اور قبة صرف قبر کے برابر ہو تو اسے منہدم نہ کرنا چاہئے، کیونکہ خواہ اس کا نشان بھی کیوں نہ مٹ جائے مگر اس کا کھولنا جائز نہیں۔ اب آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان شہید صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبور پر عمارات بنانا یا تو واجب ہوگا یا بلا کراہت جائز اور بہر صورت منہدم کرنا جائز نہیں، اور یہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو بدعتی اور گمراہ ہو۔ کیونکہ اس سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی ہوتی ہے، حالانکہ ان کی تعظیم اور توقیر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اب وہ لوگ تعظیم کرنے والے کیسے قرار پا سکتے ہیں جنہوں نے شہداء کی قبور کھود ڈالیں جبکہ بعض کے جسم اور کفن بھی ظاہر ہو گئے۔

ان بد بختوں کے نزدیک ظاہری موت کے بعد یہ بالکل بے حس و بے شعور ہو جاتے ہیں اور مرکز معاذ اللہ (پناہ بخدا) مٹی میں مل جاتے ہیں۔ ملا اسماعیل دہلوی اپنی کتاب تقویت الایمان کے ص ۶۰ میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان ارفع و اعلیٰ میں بکتا ہے کہ:

”میں نے بھی ایک دن مرکز مٹی میں ملنے والا ہوں۔“

۱۔ سابقاً علامہ بصری علیہ الرحمۃ کے قول میں گزرا کہ نجدی نے جب قبور شہداء و صحابہ کرام علیہم الرضوان کو شہید کیا تو ان میں ان کے کفن اور بدن شریف سب سلامت تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدفون ہوئے تخمیناً بارہ سو سال گزر چکے تھے۔ پس ہزار تفس ہے ملا اسماعیل اور اس کے مقلدین وہابیہ روسیہ پر کہ انکا ایسا ناپاک عقیدہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر کے ساتھ کہ جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ اہل سنت کو ان کی صحبت بد سے بچائے۔ آمین

جب سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ان ملا عنہ کا ایسا ناپاک خیال ہے اور ان کے روضہ اطہر اور شہداء و صحابہ کرام علیہم الرضوان کی قبور کو منہدم کرنے کا بے ہودہ خیال ہے تو باقی اموات عامہ مومنین صالحین کی نسبت پوچھنا کیا ہے۔

جب قبور مومنین بلکہ اولیاء علیہم السلام اجماعین کا توڑنا اور منہدم کرنا شعار نجدیہ و ہابیہ ہوا، تو کسی کو جائز نہیں ہے کہ وہ صورت مسئلہ میں قبور مومنین اہلسنت کو توڑ کر بلکہ ان کو کھود کر ان پر اپنی رہائش و آسائش کے مکان بنا کر ان میں لذات دنیا میں مشغول و منہمک ہو، جو قطعاً و یقیناً اصحاب قبور کو ایذا دینا اور ان کی اہانت اور توہین کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے کہ:

اہل سنت کے نزدیک انبیاء و شہداء و اولیاء اپنے ابدان مع

اکفان کے زندہ ہیں:

اہل سنت کے نزدیک انبیاء و شہداء علیہم التحیۃ و الثناء اپنے ابدان شریفہ سے زندہ ہیں، بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدان لطیفہ زمین پر حرام کئے گئے ہیں، کہ وہ ان کو کھاوے۔ اسی طرح شہداء و اولیاء علیہم الرحمۃ و الثناء کے ابدان و کفن بھی قبور میں صحیح و سلامت رہتے ہیں۔ وہ حضرات روزی و رزق دیئے جاتے ہیں۔

علامہ سبکی علیہ الرحمۃ ”شفاء القام“ میں لکھتے ہیں:

وحیلة الشهداء اكمل واعلى فهذا النوع من الحياة
والرزق لا يحصل لمن ليس في رتبهم و اما حياة الانبياء اعلى و

اکمل واتم من الجميع لا نهال للروح و الجسد على الدوام على ما كان في الدنيا (ص ۲۰۶، الفصل الرابع من الباب التاسع، نوریہ رضویہ فیصل آباد)

شہداء کی زندگی بہت اعلیٰ ہے زندگی اور رزق کی یہ قسم ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جو ان کے ہم رتبہ نہیں، اور انبیاء کی زندگی سب سے اعلیٰ ہے، اس لئے کہ وہ جسم و روح دونوں کے ساتھ ہے جیسی کہ دنیا میں تھی، اور ہمیشہ رہے گی۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی ”پتی تذکرۃ الموتی“ میں لکھتے ہیں:

”اولیاء اللہ گفتہ اند۔ ارواحنا اجسادنا یعنی ارواح ایساں کار اجساد می کنند۔ وگا ہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برآید میگویند، کہ رسول خدا را سایہ نبود (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، ارواح ایساں از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند۔ بسبب این ہمیں حیات اجساد آنہار اور قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم می ماند۔ ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود۔ ارواح مومنین ہر جا کہ خواہند سیر کنند، مراد از مومنین کاملین اند۔ حق تعالیٰ اجساد ایساں را قوت ارواح می دہد کہ در قبور نماز میخوانند (ادا کنند) و ذکر می کنند، و قرآن کریم می خوانند۔“ (تذکرۃ الموتی والقبور اردو ص ۷۵، نوری کتب خانہ لاہور)

ترجمہ: اولیاء اللہ کا فرمان ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں، یعنی ان کی ارواح جسموں کا کام دیا

کرتی ہیں، اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے ارواح کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی ارواح زمین، آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہیں آتی جاتی ہیں۔ اس لئے قبروں کی مٹی ان کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنین کی ارواح جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں، مومنین سے مراد کاملین ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کی قوت عطا فرماتے ہیں۔ وہ قبروں میں نماز ادا کرتے اور ذکر کرتے ہیں، اور قرآن کریم پڑھتے ہیں۔“

اور شیخ الہند محدث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

”اولیائے خدائے تعالیٰ نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بدار بقاء، و زندہ اند نزد پروردگار خود۔ مررزوق اند و خوش حال اند۔ و مردم را ازاں شعور نیست۔ الخ (اشعۃ: الممعات، کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء، ج ۳، ص ۴۰۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے ہیں، اور اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، خوش حال ہیں، اور لوگوں کو اس کا شعور نہیں۔

اور علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

لا فرق لهم في الحالين و لذا قيل اولياء الله لا يموتون
ولا ينقلبون من دار الى دار الخ (باب الجمعة، فصل الثالث، ج ۳ ص ۲۴۱،
امدادیہ ملتان)

اولیاء اللہ کی دونوں حالتوں (حیات و ممات) میں اصلاً فرق نہیں۔
اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں
تشریف لے جاتے ہیں۔“

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے ”شرح صدور“ میں اولیائے
کرام علیہم الرضوان کی حیات بعد ممات کے متعلق چند روایات مستندہ لکھی
ہیں، جو یہاں نقل کی جاتی ہیں،

امام عارف باللہ استاذ ابو القاسم قشیری قدس سرہ، اپنے رسالے میں
بند خود حضرت ولی مشہور سیدنا ابوسعید خراز قدس اللہ سرہ، الممتاز سے راوی
کہ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ باب بنی شیبہ پر ایک جوان مردہ پڑا پایا۔ جب میں
نے اس کی طرف نظر کی تو مجھے دیکھ کر مسکرایا، اور کہا:

يا ابا سعيد ما علمت ان الاحياء و ان ماتوا و انما
ينقلبون من دار الى دار (ص ۸۶، باب زیارہ القبور و علم الموتی)

اے ابوسعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے
پیارے زندہ ہیں، اگر چہ مر جائیں۔ وہ تو یہی ایک گھر
سے دوسرے گھر میں بدلائے جاتے ہیں۔“

وہی عالی جناب حضرت سیدی ابوعلی قدس سرہ، سے
راوی ہے:

میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا،
ان کا سر خاک پر رکھ دیا، کہ اللہ تعالیٰ ان کی غربت پر رحم
کرے۔ فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا:

یا ابا علی تذللنی بین یدی من ید للنی
اے ابو علی! تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو
جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔

میں نے عرض کی:
”اے سردار میرے، کیا موت کے بعد زندگی
ہے؟“
فرمایا:

بلی انا حی و کل محب لا نصر نک
بجا ہی غدا (شرح الصدور، باب زیارة القبور و
علم الموتی، ص ۸۶)

میں زندہ ہوں، اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے، بیشک وہ جاہت و عزت
جو مجھے روز قیامت ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا۔“

وہی جناب مستطاب حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہ سے راوی:

”میرا ایک مرید جوان فوت ہو گیا۔ مجھ کو سخت صدمہ
ہوا۔ نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتدا
کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی دہنی کروٹ میری
طرف کی۔ میں نے کہا جان پدر! تو سچا ہے، مجھ ہی سے

غلطی ہوئی۔“

دہی امام، حضرت ابو یعقوب سوی نہر جوری قدس سرہ سے راوی:

”میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لئے تختے پر لٹایا، اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ میں نے کہا، جان پدرا! میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں، یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔“ (ص ۸۶)

جناب ممدوح انھیں عارف موصوف سے راوی:

”مکہ معظمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا۔ پیر و مرشد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا، حضرت ایک اشرفی لیں۔ آدھی میں میرا دفن اور آدھی میں میرا کفن کریں۔ جب دوسرا دن ہوا، اور ظہر کا وقت آیا، مرید مذکور نے آکر طواف کیا، پھر کعبے سے ہٹ کر لیٹا، تو روح نہ تھی۔ میں نے قبر میں اتارا، آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا، کیا موت کے بعد زندگی؟ کہا:

أَنَا حَيٌّ وَكُلُّ مُحِبِّ اللَّهِ حَيٌّ (ص ۸۶)

میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر دوست زندہ ہے۔

نامناسب افعال کرنے سے اموات مسلمین کو ایذا ہوتی ہے:

اور بعض علمہ مومنین اور بقیہ اموات کے ابدان کو سلامت نہ رہتے ہوں، تاہم ان کی قبور پر بیٹھنے بلکہ ان پر تکیہ لگانے اور قبرستان میں جوتوں کی

آواز کرنے سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت بلا ریب ہے۔ حاکم و طبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، فرمایا:

یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا توذی صاحب القبر

ولا یوذیک (شرح الصدور ص ۱۲۶ خلافت اکیڈمی سوات)

او قبر والے قبر سے اتر آ۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے، نہ وہ تجھے۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی:

کسی نے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبر پر

پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا۔ فرمایا:

کما اکرہ اذی المؤمن فی حیاتہ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہ

مجھ کو جس طرح مسلمان زندہ کی ایذا نا پسندیدہ ہے، یوں ہی مردہ کی

امام احمد علیہ الرحمۃ بسند احسن انھیں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے راوی:

”سید عالم صلی اللہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ

(احمد، مشکوٰۃ کتاب الجنائز، باب دفن لمیت، تیسری فصل)

اس قبر والے کو ایذا نہ دے

یا فرمایا:

لَا تُؤْذِہُ اے تکلیف نہ پہنچا۔

اس ایذا کا تجربہ بھی تابعین عظام اور دوسرے علمائے کرام نے جو

صاحب بصیرت تھے کر لیا ہے۔ ابن ابی الدنیا ابو قلابہ بصری سے راوی:
میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا،
دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو
دکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے:

لقد اذیتنی منذ اللیة (شرح الصدور ص ۱۲۸)

اے شخص تو نے مجھ کو رات بھر ایذا دی۔

امام بیہقی دلائل النبوة میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابو عثمان نہدی
سے۔ وہ ابن بینا تابعی سے راوی:

میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ گیا۔ خدا کی قسم میں خوب
جاگ رہا تھا، کہ سنا، کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے

قُم فقد اذیتنی (دلائل النبوة للبیہقی، باب ما جاء فی الرجل سمع صاحب

القبر، ۲۰/۷، بیروت)

اٹھ کہ تو نے مجھ کو اذیت دی

حافظ ابن منذر امام قاسم بن خیمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے راوی:
”اگر میں تپائی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہو جائے
تو یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے اس سے کہ قبر پر پاؤں رکھوں۔“ پھر فرمایا:
ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا۔ جاگتے میں سنا:

الیک عنی یا رجل ولا تؤذینی (شرح الصدور ص ۱۲۶)

اے شخص الگ ہٹ، مجھے ایذا نہ دے۔

اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

اخبرنی شیخی العلامة محمد بن احمد الحموی الحنفی
رحمة اللہ تعالیٰ بانہم يتاذون بنحفق النعال. (ص ۳۳۲، فصل فی زیارة القبور)
مجھ کو میرے استاذ علامہ محمد ابن احمد حنفی نے خبر دی کہ جوتے کی پہچل
سے مردے کو ایذا ہوتی ہے۔

اسی واسطے ہمارے فقہائے کرام احناف علیہم الرحمة فرماتے ہیں کہ:
قبر پر رہنے کو مکان بنانا، یا قبر پر بیٹھنا یا سونا، یا اس
پر یا اس کے نزدیک بول و براز کرنا یہ سب امور اشد
مکروہ، قریب بحرام ہیں۔
فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویکروہ ان یبسی علی القبر او ینام او یطء علیہ او یقضى
حاجة الانسان من بول او غائط الخ (ج ۱ ص ۱۶۶، الفصل السادس فی القبر والدفن)
قبر پر عمارت بنانا، سونا روئنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے۔
علامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:
لان الميت يتاذی بما يتاذی به الحي (رد المختار، فصل الاستنجاء
۲۲۹/۱، مصر)

یعنی اس لئے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے
بھی ایذا پاتے ہیں۔

بلکہ ویلمی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس
کلیے کی تصریح روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
المیت یوذیہ فی قبرہ ما یوذیہ فی بیتہ

(الفردوس بما ثور الخطاب، احادیث ۷۵۴، ۱/۱۹۹، بیروت))

میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے، قبر میں بھی اس سے اذیت پاتا ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

اذی المومن فی موتہ کا ذاہ فی حیوئہ

(شرح الصدور ص ۱۲۶)

مسلمان کو بعد موت ایذا دینی ایسی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلفی پہنچائی۔

اور اظہر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کو مکان بنایا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں۔ جس سے یقیناً اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے جو ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے، اگر کوئی معترض کہے، کہ شرح کنز میں علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

ولو بلی المیت و صار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ: (تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۲۳۶، مطبوعہ مصر)

(ترجمہ) اگر میت پرانی ہو جائے اور مٹی میں مل جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا، کھیتی باڑی کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔

تو جواب اس کا اولاً یہ ہے کہ یہ قول علامہ زیلعی کا احادیث مذکورہ اور روایات مسطورہ کے معارض ہے لہذا قابل قبول نہیں ہے، اور ثانیاً یہ کہ علامہ شرنبلالی نے امداد الفتاح میں علامہ زیلعی کے اس قول کو رد کر دیا ہے، دوسری

روایت معارضہ سے پس قابل تعمیل نہیں۔

قال فی الامداد و یخالفہ مافی التارخانیہ اذا صار المیت

ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقية الخ

(رد المحتار، باب صلوٰۃ الجنائز، ۱/۵۹۹، مصر)

یعنی جب قبر میں میت گل کر مٹی بھی ہو جائے تب بھی اس کی قبر میں

غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کہ اس کی تعظیم و حرمت کے خلاف ہے کہ اس میت

کی تعظیم و حرمت اب بھی باقی ہے۔

اور موید ہے اس کی وہ جو علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے حدیقہ ندیہ شرح

طریقہ محمدیہ نے لکھا ہے:

معناه ان الارواح تعلم بترك اقامة الحرمة والاستهانة

فتاویٰ بذلک (ج ۲ ص ۵۰۵، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

یعنی قبر پر تکیہ لگانے سے جو اہل قبور کو ایذا ہوتی ہے اس کے یہ معنی

ہیں کہ روہیں جان لیتی ہیں، کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا، لہذا ایذا

پاتی ہیں۔

اور شیخ الہند علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

”شاید کہ مراد آنست کہ روح دے ناخوش میدارد، و

راضی نیست بتکیہ کردن بر قبر و دے از جهت تضمن اہانت و

استخفافات را بویے۔“ (باب دفن میت، فصل الثالث، ۱/۶۹۹، سکر)

(ترجمہ) اس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ اس کی روح قبر پر تکیہ لگانے سے

ناخوش ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے۔

جب قبر پر تکیہ لگانے سے اہل قبور کی اہانت اور ان کی توہین اور ان کی ترک تعظیم ہوتی ہے، تو اس پر کھیتی کرنے سے اور اس پر مکان بنانے سے تو بطریق اولیٰ ان کی توہین ہوگی، اور ثالثاً یہ کہ ہم میاں معترض نجدی شعار سے پوچھتے ہیں کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا کہ، کہ میت بالکل مٹی ہوگئی ہے اور اس کی ہڈی بھی باقی نہیں رہی ہے، اس واسطے کہ قبر ابھی تک کھودی نہیں گئی ہے اور نہ میت کے مٹی ہونے کا قرآن اور حدیث میں کوئی وقت مقرر ہوا ہے۔ کہ اتنی مدت کے بعد میت کی ہڈیاں بھی مٹی ہو جاتی ہیں، بلکہ تجربے سے بارہا مشاہدہ ہوا ہے کہ کسی بہت پرانی بستی کے اطراف میں کوئی جگہ کھودی جائے تو اس میں قبور نکلیں جن میں ہڈیاں (بلکہ بعض کے ابدان) اب تک باقی صحیح و سلامت تھیں، کتبوں سے تین تین چار چار صدیوں کی قبور معلوم ہوتی تھیں تو بلا دلیل بلا ضرورت شرعی کے کسی ممنوع امر کا کسی مبہم روایت کی بنا پر مرتکب ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر معترض پھر عود کرے، اور کہے، کہ بمبئی وغیرہ عظیم شہروں میں قبور کھود کر ان میں دوسرے اموات دفن کئے جاتے ہیں، تو اگر قبور کھودنے سے اموات کی توہین ہوتی ہے، تو ان شہروں میں یہ کام کیوں ہوتا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے، کہ ان شہروں میں جگہ بہت تنگ ہے قبرستانوں میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ میت کے لئے الگ الگ قبر ہو، لہذا اس ضرورت شدیدہ سے یہ جائز ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات قاعدہ متفقہ ہے۔

کبیری شرح منیہ میں ہے:

ولا يحفر قبر لدفن

اخراً لم یبل الاوّل

فلم یبق له عظیم الا عند

الضرورة بان لم یوجد

مكان سواه الخ (غنیۃ المستملی شرح مینیۃ المصلی، فصل فی الجائز، ص ۶۰۷)

بالجملہ صورت مسؤلہ میں قبور کو کھود کر ان پر مکانات بنانا ہمارے حنفی

مذہب میں جائز نہیں اور بلاشبہ و شک ایسا کرنے سے اہل قبور کی توہین ہوگی

جو جائز نہیں ہے۔

هذا ما عندی والعلم الاثم عند ربی قال بقمہ و امر برقمہ

العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الہزاروی

عفا اللہ تعالیٰ عنہ.

جو کچھ مجیب لیب نے لکھا ہے، حق اور صواب ہے۔ چنانچہ خزائن

الروایۃ میں مرقوم ہے۔

فی مفید المستفید عن مفاتیح المسائل و اذا صار المیت

ترا با فی القبر بکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیۃ انتہی

اور یہ بھی خزائن الروایۃ میں ہے:

لا یجوز لا حد ان یبنی فوق القبور بیتاً او مسجد الان

الموضع القبر حتی المقبور ولہذا لا یجوز نبثہ انتہی مختصراً

نمقہ الراجی الی رحمۃ ربہ الشکور

عبد الغفور صانہ اللہ عن الافات وانشورور

☆☆☆☆

للہ درالمجیب حیث اجاب فاجاد و اصاب فیما افاد

حرره المسکین محمد بشیر الدین عفی عنہ

اس فتوے کو دیکھا۔ فتویٰ صحیح ہے۔ جواب درست ہے۔

حرره محمد عبدالرشید دہلوی عفی عنہ

الجواب الصحیح محمد افضل المجید عفی عنہ

الجواب صحیح و صواب حرره العبد المفتقر مطیع

الرسول عبدالمقتدر القادری البدایونی عفی عنہ

(۱۳۱۷ الرسول قادری حنفی محمد عبدالمقتدر مطیع) (مہر)

ذلک کذلک محمد فضل احمد البدایونی عفی عنہ

المجیب نصیب

(۱۳۱۸ قادری مہر محمد ابراہیم)

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب محمد حافظ

بنخش المدرس بالمدرسة المحمدية بلده بدایون

(مہر بنخش حنفی محمد حافظ)

صح الجواب حرره عبدالرسول محب احمد عفی عنہ المدرس

بالمدرسة بدایون

(مہر محب احمد قادری عبدالرسول)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ الْأَرْضَ كِفَاتًا O وَاكْرَهُ الْمُؤْمِنِينَ
أَحْيَاءَ وَ أَمْوَاتًا O وَجَعَلَ مَوْتَهُمْ رَاحَةً وَ سَبَاتًا O وَ حَرَّمَ أَهَانَتَهُمْ
تَحْرِيمًا بَتَاتًا O وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى مَنْ سَقَانَا مِنْ فَضْلِهِ وَفَضْلَتِهِ
مَاءَ فُرَاتًا O وَاعْطَانَا فِي كُلِّ مُحِجَّةٍ ابْلَحَ حُجَّةً نَقْضًا وَ اثْبَاتًا O وَابَدَ
تَعْظِيمَ الْمُؤْمِنِينَ ابَدًا الْا بَدِينَ وَلَمْ يُوقِتْ لَهُ مِيقَاتًا O فَجَعَلَهُمْ
عِظَامًا وَ اِنْ صَارُوا عِظَامًا O وَحَرَّمَ اِيْذَا هُمْ وَلَوْ كَانُوا رِفَاتًا وَ عَلَى
اِيْهِ وَ صَحْبِهِ وَ اَهْلِهِ وَ حِزْبِهِ الْمُكْرِمِينَ عِنْدَ اللَّهِ جَمِيعًا وَ اِشْتَاتًا
جَزَى اللَّهُ الْمُجِيبَ خَيْرًا وَ يَشِبَّ

جامع الفضائل، جامع الرذائل، حامی السنن، حامی الفتن، مولانا مولوی
محمد عمر الدین جعلہ اللہ کاسمہ عمر الدین و بسعیہ ورعیہ عمر الدین
کا جواب ناہج مناہج صواب کافی و وافی ہے۔ مگر بحکم المامور معذور بنظر تکثیر
افاضہ دو وصل مفید کا اضافہ منظور۔ وصل اول اس بیان مجیب کی تائید و
تصویب میں کہ قبور المسلمین کی تعظیم ضرور اور اہانت مخلوط، اور یہ کہ کیا کیا
امور موجب ایذائے اصحاب قبور۔ یہاں اگر سلسلہ سخن میں بعض امور مذکورہ
جواب کا اعادہ ہو، تو غیر معذور کہ تکرر فرع موجب مزید تاکید و اوقع فی
الصدورع والمسک ما کورتہ، يتضوع

وصل دوم میں احقاق مرام و از ہاق اوہام و تبکیت مخطیان بخاریہ لیام،
اور اس امر کا بیان کامل و تام کہ مقابر عام مسلمین میں کوئی بھی مکان بنانا بھی
حرام نہ کہ اپنی سکونت و آرام کا مقام، نیز روایت علامہ زیلعی کی تحقیق ائین۔

اس وصل میں دو فتوے فقیر کی نقل پر قناعت ہے، کہ ان میں بحمد اللہ تعالیٰ کفایت ہے۔ وبالله التوفیق۔

وَصَلِّ اوَّل

علمائے کرام کا اتفاق ہے، کہ مسلمان کی عزت مردہ و زندہ برابر ہے۔
محقق علی الطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ فتح القدر میں فرماتے ہیں:

الاتفاق علی ان حرمة المسلم ميتاً كحرمة حيا
(ج ۲ ص ۱۰۲، فصل فی الدفن)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ وَ اِذَا هُ كَسِرَ حَيًّا

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن الميت، دوسری فصل)

مردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے۔ جیسے زندہ کی
ہڈی کو توڑنا۔

رواہ الامام احمد و ابو داؤد و (کتاب الجنائز ۲/۱۰۲)

ابن ماجہ باسناد حسن عن ام المؤمنین عائشة الصديقة رضی اللہ
تعالیٰ عنہا۔

یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے:

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

الميت يؤذيه في قبره ما يؤذيه في بيته

(الفردوس بماء ثور الخطاب، حدیث ۷۵۶، ۱/۱۹۹، بیروت)

مردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔

علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں:

افادان حرمة المؤمن بعد موته باقية.

(فیض القدر شرح الجامع الصغیر، حدیث ۶۱۳۶، ۵۵۱/۲، بیروت)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی حرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔ سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

اذی المؤمن فی موته کا ذاہ فی حیاته

(شرح الصدور ص ۱۲۶)

مسلمان مردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔

رواہ ابوبکر بن شیبہ

علماء فرماتے ہیں:

المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی

(رد المحتار، فصل الاستنجاء، ۲۲۹/۱)

جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے، مردے بھی اس سے تکلیف

پاتے ہیں۔

کذا فی رد المحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار.

علامہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”اشعہ اللمعات“ میں امام علامہ ابو

عمر یوسف بن عبدالبر سے نقل فرماتے ہیں:

”ازیں جا مستفادی گردد کہ میت متالم می گردد بتمام

آنچه متلذذی شود بدان زنده“ انتہی کلامہ

(باب دفن میت، فصل ثانی)

یہاں تک ہمارے علماء نے تصریح فرمائی۔ قبرستان میں جو نیاراستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے۔ فی الشامیۃ عن الطحاویۃ الآخر کتاب الطہارۃ نصوا علی ان المرور فی سکتہ حادثۃ فیہا حرام۔

(ردالمحتار، باب صلوۃ الجنائز، ۱/۶۰۶)

اور فرماتے ہیں:

”مقبرے کی گھاس (سبز) کا ٹٹا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے تراش کا جانوروں کے پاس لے جائیں اور یہ ممنوع ہے کہ انہیں گورستان میں جہ نے چھوڑ دیں۔

فی جنائز ردالمحتار یکرہ ایضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون اليابس كما فی البحر والدرو شرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ مادام رطباً یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمة ونحوہ فی الخانیۃ انتہی و فی العلمگیریۃ عن البحر الرائق لو کان فیہا حشیش یحش و یرسل الی التواب ولا ترسل الدواب فیہا ۱۵

(فتاویٰ ہندیہ، الباب الثانی عشر فی الرباطات، ۲/۴۷۱)

ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا، خشک کا

نہیں، مکروہ ہے جیسا کہ بحر اور شرح منیہ میں ہے اور امداد میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت نازل ہوتی ہے، اور خانہ میں بھی اسی طرح ہے اٹھئی، اور علمکیر یہ میں بحر الرائق سے ہے کہ اگر قبرستان میں خشک گھاس ہو تو کاٹ کر لائی جاسکتی ہے مگر جانور اس میں نہ چھوڑے جائیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا۔ ارشاد فرمایا:

”ہائے کم بختی تیری اے طامچی جوتے والے، پھینک اپنی جوتی۔“

اخرج الاثمة ابو داؤد والنسای والطحاوی وغيرهم عن بشیر بن الخصاصیة واللفظ للامام الحنفی ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم رای رجلاً یمشی بین القبور فی نعلین. فقال وینحک یا صاحب السبتین الق سبتیک اه السبتہ بکسر المهملة وسکون الموحدة هی التي لا شعر فیها. قال القاضی عیاض کان من عادة العرب لبس النعال شعرها غیر مدبوغة. و كانت المدبوغة تعمل بالطائف وغیره. الخ

ابوداؤد، نسائی اور طحاوی وغیرہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے، اپنی جوتیاں اتار دے۔ مسبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء

سے وہ چمڑا جس میں بال نہ ہوں قاضی عیاض نے فرمایا، عرب والے کچے چمڑے کے مع بالوں کے جوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چمڑے کے جوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے۔

فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں:

”چلنے میں جو آواز کفش پا سے پیدا ہوتی ہے، اموات کو رنج دیتی ہے۔“

حيث قال في اخبارني شيخى العلامة محمد بن احمد الحموى الحنفى رحمة الله تعالى بانهم يتأفون بتحقيق النعال انتهى
ا ه اقول ووجهه ما سياتى عن العارف الترمذى رحمة الله تعالى
اس لئے کہ مراقی الفلاح میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ نے کہ مردے جوتیوں کی پچھل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے منقول ہو کر آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا تَجْلِسْ أَحَدُكُمْ عَلَى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ فَتُخْلَصَ إِلَى جُلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يُجْلِسَ عَلَى قَبْرِ

(مسلم، مشکوٰۃ کتاب الجنائز، باب دفن میت، پہلی فصل)

بے شک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر

بیٹھے۔

رواہ مسلم و ابوداؤد (کتاب الجنائز، ۲/۱۰۴) والنسائی و ابن ماجہ عن سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، ارشاد فرمایا:
او قبر پر بیٹھنے والے! قبر سے اتر آ، صاحب قبر کو ایذا نہ دے، نہ وہ تجھے ایذا
دے۔

اخرج الطحاوی فی معانی الآثار والطبرانی فی المعجم
الکبیر بسند حسن والحاکم و ابن مندہ عن عمارۃ بن حزم رضی
اللہ تعالیٰ عنہ قال رانی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جالساً علی
قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب
القبر ولا یوذیک و لفظ امام الحنفی فلا یوذیک:

(شرح الصدور ص ۱۲۶، شرح معانی الآثار، ۱/۳۴۶)

طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن اور
حاکم اور ابن مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا، اے قبر پر بیٹھنے والے
قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے اور امام
حنفی کے لفظ یہ ہیں فلا یوذیک:

اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا:
عمرو بن حزم کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ

لگائے دیکھا، فرمایا:

لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ كَمَا فِي الْمَشْكُوتِ قُلْتَ وَهَذَا
الْحَدِيثُ لَا يَلَائِمُهُ تَأْوِيلُ الْإِمَامِ أَبِي جَعْفَرٍ وَالنَّهْيُ عَنْ شَيْءٍ لَا يَنَالُ
فِي النَّهْيِ عَنْ أَعْمٍ مِنْهُ فَافْهَمُ. (باب دُفن الميت، ۱/۱۳۹ فصل ثالث)

صاحب قبر کو ایذا نہ دے، جیسے مشکوٰۃ میں ہے، میں کہتا ہوں اس
حدیث سے امام ابو جعفر کی تاویل مناسبت نہیں رکھتی ہے، اور کسی چیز سے
روکنا اس چیز سے عام روکنے کو مستلزم نہیں۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح میں فرماتے ہیں:

”شاید کہ مراد آنست، کہ روح دے ناخوش میدارد و راضی نیست بہ
تکلیہ کردن بر قبر دے جہت تضمین دے اہانت و استخفاف را بوی۔“ اھ

(باب دُفن الميت، ۱/۶۹۹، بکھر)

شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے، اپنی قبر پر تکلیہ
لگانے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔

اقول۔ اس توجیہ پر امام علامہ محدث عارف باللہ حکیم الامتہ سیدی محمد
بن علی ترمذی قدس سرہ نے جزم فرمایا۔ تصریح فرماتے ہیں کہ:

”ارواح کو ان کی بے حرمتی و تنقیص شان معلوم ہو جاتی ہے لہذا ایذا
پاتی ہیں۔“

سید عبدالغنی فی الحدیقة عن نوارد الاصول معناه ان

الارواح تعلم بترك اقامة الحرمة والاستهانة فتأذى بذلك اھ

(حدیقہ ندیہ، ۲/۵۰۵، فیصل آباد)

عبدالغنی نے حدیقہ میں نوادر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، اس کے یہ معنی ہیں کہ ارواح اپنی اہانت و ذلت کو محسوس کرتی ہیں اور اس سے انہیں ایذا ہوتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لأن أمشي على جمرة أو سيف أو اخصف نعلی برجلی

احب الی من أن أمشي على قبر

(سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی النہی عن المشی علی القبر، ص ۱۱۳)

البتہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ

پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں۔

رواہ ابن ماجہ عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و

اسنادہ جید کما افاد المنذری۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لأن أطاء على جمرة احب الی من ان اطاء على قبر مسلم

(الترغیب والترہیب، الترحیب من الجلوں علی القبر الخ، ۳/۲۷۲، مصر)

بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے مسلمان کی قبر پر

پاؤں رکھنے سے۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن قالہ امام

عبدالعظیم

ان ہی صحابی اجل سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا۔

فرمایا:

کما اکره اذی المومن فی حیاته فانی اکره اذاہ بعد موتہ

(شرح الصدور ص ۱۲۶)

میں جس طرح مسلمان کی ایذا اس کی زندگی میں مکروہ جانتا ہوں،
یوں ہی بعد موت اس کی ایذا کو نا پسند کرتا ہوں۔

اخرجه سعید بن منصور فی سننہ کما فی شرح الصدور
اقول: و هذه الاحادیث تؤید ما اخترنا و تؤذن ان تاویل
ابی جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ لیس فی مجہ فیما فی عامة الكتب
نأخذ لا عتضادها بنصوص الاحادیث ولأنه علیہ الاكثر قد نصوا
ان العمل بما علیہ الاكثر و انه لا يعدل عن رواية ما وافقتها دراية
فكيف اذا كان هو الاشهر الا ظهر الا اكثر الا زاهر و بهذا
ایضعف ما زعم العلامة البدر فی العمدة فتبصر.

میں کہتا ہوں، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو بات ہم نے
اختیار کی ہے وہ درست ہے اور ابو جعفر رحمہ اللہ کی تاویل بر محل نہیں،
لہذا ہم وہ مسلک اختیار کرتے ہیں جو عام کتب میں ہے، کیونکہ اسے
احادیث کی صراحت سے تقویت حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ اکثر کا
یہی قول ہے اور علماء نے صراحت کر دی ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر
اکثریت ہوگی اور اس روایت سے عدول نہیں کیا جاتا ہے جو درایت
کے مطابق ہو، تو پھر اس سے عدول کا جواز کیا ہوگا جو اشہر، اظہر، اکثر
اور واضح ہے اور اسی سے علامہ بدر کا زعم عمدہ میں ضعیف قرار پاتا ہے،
تو غور کیجئے۔

ان ہی احادیث سے ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، نے بے ضرورتاً قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا، کہ یہ سب حرمت مومن کے خلاف ترک ادب و گستاخی ہے۔

ففى السوادر والتخفة والبدائع والمحيط وغيرها ان ابا حنيفة كره وطا القبر والقعودا والنوم وقضاء الحاجة عليه كذا انقل العلامة ابن امير الحاج فى الحلية.

اقول، والكرهية عند الاطلاق كراهية تحريم كما صر جوابه مع ما يفيد من النهى الوارد فى الاحاديث معللاً بالايذاء والايذاء حرام فهذا ما ندين الله تعالى به و ان قيل وقيل: تو نوار، تحفہ اور بدائع اور محیط وغیرہ میں ہے کہ ابو حنیفہ نے قبر کا روندنا، بیٹھنا، سونا، اس پر قضائے حاجت کرنا مکروہ کہا ہے۔ اسی طرح ابن امیر الحاج نے حلیہ میں نقل کیا۔

۱۔ قولہ، بے ضرورت۔ ضرورت کی صورت مثلاً قبرستان میں میت کے لئے قبر کھودنے یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں، بیچ میں قبریں حائل ہیں اس کے لئے اجازت ہے، پھر بھی جہاں تک بن پڑے بچتے ہوئے جائیں اور ننگے پاؤں ہوں، ان اموات کی دعا و استغفار کرتے جائیں۔ فى حاشية العلامة الطحطاوى على مراقبى الفلاح عن شرح المشكوة الوطال الحاجة كد فن الميت لا يكره اه و عن السرح فان لم يكن له، طريق الاعلى القبر جاز له المشى عليه للضرورة ۱۲ منه

میں کہتا ہوں جب کراہت مطلق ہو تو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، پھر اس نہی سے بھی تائید ہوتی ہے جو احادیث میں ایذا کی علت سے معلل ہے اور ایذا حرام ہے، پس دیانت داری کی بات یہی ہے اب خواہ کوئی کچھ کہتا رہے۔

حاشیہ طحاوی علی شرح نور الایضاح میں سرانج وہاج سے ہے۔

ان لم یکن له طریق الا علی القبر جازله المشی علیہ
للضرورة ۱۵ اقول: وهذا ایضاً دلیل علی ما اخترنا من کراهة
التحریم فان المفهوم المخالف معتبر فی الروایات و کلام
العلماء بالاتفاق فافادان المشی لا يجوز بلا ضرورة وما لا يجوز
فادناه کراهة التحريم

اگر قبر پر ہی سے راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرورتاً جائز ہے۔ ”میں کہتا ہوں اس سے بھی ثابت کہ ہمارا قول کراہت تحریمی کا درست ہے، کیونکہ مفہوم مخالف روایات اور کلام علماء میں بالاتفاق معتبر ہے، تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت چلنا جائز ہے، ورنہ کم از کم مکروہ تحریمی ہے۔

سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الوالد رحمه الله تعالى في شرحه على الدر و يكره
ان يوطأ القبر لما روى عن ابن مسعود الخ و ذكر اثر الذي
رويناه

والد صاحب نے در کی شرح میں فرمایا کہ قبر کا روندنا مکروہ ہے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، پھر آپ نے وہی اثر روایت کیا جو ہم

روایت کر چکے ہیں۔

اور محیط سے نقل فرمایا کہ:

يكره ان يطاء على القبر يعنى بالرجل ويقعد عليه اه قوله
يعنى بالرجل قلت فسر بذالك لئلا يحمل على الجماع. اقول:
ويكره ايضاً بل اشد لما فيه من زيادة الاستحفاف كالوطا على
سطح المسجد مع الدلالة على تناهى القلب فى تناسى الموت
فكان الحمل على الوطا بالرجل ليكون ادخل فى النهى عن الوطا
بمعنى الجماع بطريق دلالة النص لا لانه غير مكروه هكذا ينبغى
ان يفهم. اور جامع الفتاوى سے لائے۔ انه التراب الذى عليه حق
الميت فلا يجوز ان يوطا. اور مجتبىٰ سے لائے: ان المشى على
القبور يكره. اور شرعة الاسلام وشرع شرع سے: من السنة ان لا يطاء
القبور فى نعليه فان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم كان يكره
ذالك الخ. اور امام شمس الائمہ حلوانى سے انه قال يكره. اور امام على
ترجمانى سے۔ قال ياثم بوطا القبور لان سقف القبر حق الميت اه
اقول و هذا نص على ما اخترنا من كراهة التحريم اذ لا اثم فى
المكروه تنزيها لان مرجعه الى خلاف لاولى ولانه ربما تعمد
النبى صلى الله تعالى عليه وسلم بياناً لجواز والنبى معصوم عن
تعمد الاثم ولان الاثم لا يجوز فلا معنى لبيان الجواز ولانهم اصر
حوا انه يجمع الاباحة كما فى اشربة رد المحتار ابى السعود و
المعصية لا تجامعها ولا نهم يعبرون عنها بنفى الباس و اى باس

اعظم من الاثم ولان الموثم واجب الترك وما وجب تركه كان فعله مقارباً لحرام وهذا معنى كراهة التحريم ولا نهم نصوا ان فاعل المكروه تنزيهاً الا يعاقب اصلاً كما فى التلويح مع ما اعتقدنا ان الله تعالى ان يعاقب على كل جريرة ولو صغيرة فهذا بحمد الله تعالى سبعة دلائل ناطقه بان ما واقع عن بعض ابنا الزمان فى رسالة شرب الدخان من ان المكروه تنزيهاً من الصفائر غلط فاحش و خطاء عظيم نعم قد صرح البحر فى بحره ان المكروه تحريماً منها فتبث ولا تخبط.

نور الايضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں سے (۱) فصل فى زیارة القبور ندب زیارتها من غیر ان يطأ القبور. اسی میں ہے (۲) کرہ وطؤها بالاقدام لما فيه من عدم الاحترام وقال قاضی خان لو وجد طريقاً فى المقبرة وهو یظن انه طریق احد ثوه لا یمشى فی ذالک و ان لم یقع فی ضمیره لا بأس بان یمشى فيه ا ه ملخصاً.

اقول و هذا ايضاً دليل ما اخترناه فانه علق نفى البأس ان لا يقع فى قلبه انه طریق على قبر فاذا وجود البأس فيما اذا وقع ذلک فى نفسه و ايضاً قد تقدم التصريح بالحرمة عن الشامى والطحطاوى عن علمائنا رحمهم الله تعالى.

قبر کو پیروں سے روندنا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ پیروں سے روندنے کی تشریح اس لئے کر دی کہ جماع پر محمول نہ کیا جائے۔ میں کہتا

ہوں، جماع بھی مکروہ ہے بلکہ اس کی کراہت زائد ہے کیونکہ اس میں زیادہ توہین ہے، جیسے مسجد کی چھت پر وطمی کرنا، پھر اس میں موت کا بھول جانا بھی شامل ہے، لہذا پیروں سے روندنے پر مگھول کرنا اس لئے ہے تاکہ جماع کی ممانعت پر بطریق دلالت النص دلالت کرے۔ یہ مطلب نہیں کہ وطمی مکروہ نہیں، اس طرح سمجھنا چاہئے۔ اور جامع الفتاویٰ سے نقل کیا، کہ یہ وہ مٹی سے جس پر میت کا حق ہے لہذا اس کو روندنا جائز نہیں۔ اور مجتبیٰ میں ہے، قبروں پر چلنا مکروہ ہے۔ شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں ہے: سنت یہ ہے کہ جوتوں سے قبریں نہ روندی جائیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے مکروہ سمجھتے تھے۔ اور شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ یہ مکروہ ہے، اور امام علی ترجمانی سے ہے کہ قبروں کے روندنے سے گناہگار ہوگا کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ کی صراحت کرتا ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، وہ صرف خلاف اولیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ پھر گناہ جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنی؟ پھر اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربۃ ردالمحتار ابی السعود ہے، اور معصیت اس کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی، پھر وہ اس کی تعبیر نفی باس سے کرتے ہیں، اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا، اور اس لئے کہ گناہگار بنانے والی چیز واجب ترک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں اور اس لئے بھی کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا جیسا کہ تلوح میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ

اللہ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے۔ یہ سات دلائل ہیں، جن سے معلوم ہو کہ بعض حضرات نے حق پینے کے سلسلے میں مکروفتہ دہی کو صغائر سے بتا کر فاحش غلطی کی ہے۔ البتہ صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ مکروہ تحریمی صغائر سے ہے۔^۱ فصل زیارت قبور کے بیان میں ہے، زیارت قبور مستحب ہے مگر قبریں نہ روندی جائیں۔

۲۔ قبروں کو پیروں سے روندنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے حرمتی ہے، قاضی خاں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے قبرستان میں کوئی راستہ دیکھا جس کے بارے میں اسے گمان ہے کہ یہ لوگوں نے بنالیا ہے تو وہ اس پر نہ چلے اور اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال نہ پیدا ہو تو چلنے میں مضائقہ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ہمارے قول کی دلیل ہے، کیونکہ اس میں جواز کی صورت دل میں اس خیال کا نہ آنا ہے کہ یہ راستہ قبروں پر بنایا گیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے پھر شامی اور طحاوی جو ہمارے علماء ہیں، ان سے منقول شدہ تصریحات پہلے گزر چکی ہیں۔

علامہ اسماعیل نابلسی حاشیہ درر وغرر میں فرماتے ہیں:

لا باس بزيارة القبور والدعاء للاموات ان كانوا مومنین^۱

من و طاء القبور كما في البدائع والملقط ۱ ھ

۱۔ هو المولوی عبدالحی الکنوی ۱۲

۲۔ علی صیغۃ المفعول ای امین ۱۲

قبروں کی زیارت اور ان کے حق میں دعا کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ قبریں نہ روندی جائیں جیسا کہ بدائع اور ملتقط میں ہے۔
طریقہ محمدیہ میں ہے:

من افات الرجل المشی علی المقابر اھ

پیر کی آفتوں میں سے قبروں کا روندنا ہے۔

امام علامہ محقق علی الاطلاق ان لوگوں پر اعتراض فرماتے ہیں جن کے اعزاء و اقرباء کے گرد مخلوق دفن ہے، وہ ان قبروں کو روندتے ہوئے اپنے عزیزوں کی گور تک جاتے ہیں، انھیں چاہیے کنار گورستان سے زیارت اور دعا کر لیں اور ان کی قبروں کے قریب نہ جائیں۔

فقد قال فی الفتح یکرہ الجلوس علی القبر و وطؤه فما یصنعه من دفنت حول اقاربه خلق من و طاتلک القبور الی ان یصل الی قبر قریب مکروه اھ

چنانچہ فتح میں کہا، قبر پر بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروه ہے، تو وہ لوگ جن کے رشتہ داروں کے گرد دوسروں کی قبریں ہوں ان کا ان قبروں کو روندنا مکروه ہے۔

امام محدث حافظ الحدیث ابوبکر بن ابی الدنیا حضرات ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

اقبلت من الشام الی البصرة فنزلت الخندق فتطهرت وصلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علی قبر فتمت. ثم انتبھت فاذا بصاحب القبر یشتکی و یقول لقد اذیتی منذ اللیلة الخ

یعنی میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا۔ رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا، جب جاگا تو ناگاہ سنا، کہ صاحب قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی۔

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی دلائل النبوة میں حضرت ابو عثمان نہدی، وہ مینا تابعی سے راوی:

”میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا۔ خدا کی قسم! میں خوب جاگ رہا تھا، کہ سنا، صاحب قبر کہتا ہے:

قم فقد اذیتنی

اٹھ کہ تو نے مجھے ایذا دی۔

امام حافظ، ابومنہ قاسم بن حمیرہ سے راوی:

”کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا، قبرے سے آواز آئی:

الیک عنی ولا تؤذنی

اپنی طرف ہٹ (دور ہو) اے شخص میرے پاس سے اور مجھے ایذا نہ

دے۔

ذكرهما العلامة السيوطی فی شرح الصدور۔ اقول،

وفیہا تائید لما علیہ عامة علمائنا خلافاً للام ابی جعفر و من تابعه من بعض المتأخرین۔

اور اس فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے حضرت سیدی ابوالحسین نوری مدظلہ

العالی سے سنا کہ، کہ ہمارے بلاد میں مارہرہ مطہرہ کے قریب ایک جنگل میں

گنج شہیداں ہے، کوئی شخص اپنی بھینس لئے جاتا تھا، ایک جگہ زمین نرم تھی، ناگاہ بھینس کا پاؤں جا رہا، معلوم ہوا یہاں قبر ہے، قبر سے آواز آئی:

اے شخص تو نے مجھے تکلیف دی، تیری بھینس کا پاؤں میرے سینے پر پڑا۔ فیہا قصة لطيفة تدلّ علی عظیم قدرة اللہ تعالیٰ و عجیب صنعہ فی الشهداء

اب بحمد اللہ تعالیٰ حکم مسئلہ مثل آفتاب روشن ہو گیا، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے اور اس سے تکیہ لگانے اور مقابر میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا، اور علماء نے اس خیال سے کہ قبور پر پاؤں نہ پڑے، گورستان میں جو راستہ جدید نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو حرام بتایا اور حکم دیا کہ قبر پر پاؤں نہ رکھیں بلکہ اس کے پاس نہ سوئیں۔ سنت یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں۔ دور ہی سے زیارت کر آئیں اور قبرستان کی خشک گھاس اگرچہ جانوروں کو کھلانا جائز فرمایا مگر یوں کہ یہاں سے کاٹ کر لے جائیں نہ کہ جانوروں کو مقابر میں چرا لیں اور تصریح فرمائی کہ مسلمان کی عزت مردہ و زندہ برابر ہے اور جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں اور انہیں تکلیف دینا حرام تو خود ظاہر ہوا کہ یہ فعل مذکور فی السؤال کس قدر بے ادبی اور گستاخی و باعث گناہ و استحقاق عذاب ہے۔ جب مکان سکونت بنایا گیا تو چلنا پھرنا، بیٹھنا لیٹنا، قبور کو پاؤں سے روندنا، ان پر پاخانہ، پیشاب، جماع سب ہی کچھ ہوگا اور کوئی دقیقہ بے حیائی اور اموات مسلمین کی ایذا رسانی کا باقی نہ رہے گا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین o علماء فرماتے ہیں، جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں ان میں ایک

ولی اللہ ضرور ہوتا ہے، کما صرح به العلامة المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ
فی التیسیر شرح الجامع الصغیر۔

اور ظاہر ہے کہ مقابر مسلمین میں صدہا مسلمانوں کی قبریں ہوتی ہیں
بلکہ خدا جانے ایک ایک قبر میں کس کس قدر دفن ہیں تو بالضرورت ان میں
بندگان مقبول بھی ضرور ہوں گے، بلکہ اس امر کی اموات میں زیادہ امید ہے
کہ بہت بندے خدا کے جو زندگی میں آلودہ گناہ تھے بعد موت پاک و
طیب ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الموت كفارة لكل مسلم
موت کفارہ گناہ ہے ہر سنی مسلمان کے لئے

۱۔ فائدہ جلیلہ۔ محاورہ قرآن و حدیث میں مومن و مسلم خاص اہل سنت کو کہتے ہیں،
کہ زمانہ نزول قرآن عظیم و ارشاد احادیث کریمہ میں صرف اہل حق اہل سنت
و جماعت ہی تھے۔ اس زمانہ برکت نشان میں کسی بد مذہب و مبتدع کا ہونا محال تھا، کہ
بد مذہبی شبہ و تاویل سے پیدا ہوتی ہے جسے یقین قطعی سے بدلنے والے حضور اقدس صلی
اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ فرما تھے۔ اگر شبہ گزرتا، حضور کشف فرماتے، شبہ والا مانتا، تو
سنی ہوتا، نہ مانتا تو کافر ہو جاتا۔ یہ بیچ کی شق وہاں ممکن ہی نہ تھی و لہذا آیہ کریمہ و
یتبع غیر سبیل المومنین سے جب علماء نے حجیت اجماع پر استدلال کیا، تصریح
فرمادی کہ مبتدعین کا اتفاق اجماع میں ملحوظ نہیں، کہ مومنین سے مراد امت اجابت ہیں۔
مبتدعین امت اجابت نہیں۔ امت دعوت ہیں۔ دیکھو تو ضیح و تلوخ بحث اجماع وغیرہ۔
یہ فائدہ نفیسہ یاد رکھنے کا ہے کہ اتما المومنون اخوة وغیرہ آیات و احادیث میں مومنین
سے اہلسنت ہی مراد ہیں۔ انہیں کے باہم اتفاق و اتحاد کا حکم ہے۔ ندوة خذلہا اللہ تعالیٰ
کی تعیم اور تمام گمراہوں۔ بد مذہبوں سے اتحاد و داد کی تعلیم سب بے دینوں کی تکریم و
تعظیم پر ان نصوص کو پیش کرنا محض بد دینی اور ضلالت ہے و العیاذ باللہ تعالیٰ ۱۲ منہ

اخرجه ابو نعیم و البیہقی فی شعب الایمان عن انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال السیوطی صححه ابن العربی

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا۔ فاجر معلن کے فسق و فجور کا اس کی زندگی میں اعلان کیا جائے تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں۔

اخرج ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة والترمذی فی النوادر

والحاکم فی الکنی وال شیرازی فی الالقاب و ابن عدی فی

الکامل والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی السنن والخطیب فی

التاریخ کلہم عن الجارود عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ عن

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اترعون عن ذکر الفاجر متی

یعرفہ الناس اذ کروا الفاجر بما فیہ یحذرہ الناس

ابن ابی الدنیا نے ذم غیبت میں اور ترمذی نے نوادر میں اور حاکم

نے کنی میں اور شیرازی نے القاب میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی

نے کبیر میں اور بیہقی نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں، سب نے

جارود سے، جارود نے بہز بن حکیم، سے انھوں نے اپنے باپ سے اور ان

کے دادا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ کیا تم فاجر کا ذکر کرنے

سے ڈرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے؟ فاجر کی برائیاں بیان کرو، تاکہ

لوگ اس سے بچیں۔

اور بعد موت کیسا ہی فاسق فاجر ہو، اس کے برا کہنے اور اس کی

برائیاں ذکر کرنے سے منع فرمایا، کہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گیا۔

اخرج الامام احمد والبخاری والنسائی عن ام المومنین

الصديقة رضى الله تعالى عنها عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا. و
اخرج ابو داؤد و الترمذى والحاكم و البيهقى عن ابن عمر رضى
الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اذكر
محاسن موتاكم و كفوا عن مساويهم و اخرج النسائي بسند جيد
عن عائشة رضى الله تعالى عنها عن النبي صلى الله تعالى عليه
وسلم لا تذكروا هلكاكم الا بخير

امام احمد، بخاری اور نسائی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
سے روایت کی، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، تم مردوں کو برا نہ
کہو، کیونکہ انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی جزا کو پہنچے۔ اور ابو داؤد ترمذی،
حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ تم اپنے مردوں کی
خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے درگزر کرو۔ اور نسائی نے بسند جيد
عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ
تم اپنے مردوں کو بھلائی سے ہی یاد کرو۔

بعد اس اطلاع کے بھی اگر ایسے اشخاص اپنی حرکت سے باز نہ آئیں
تو اب ان کی گستاخیاں عوام مومنین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ حضرات اولیائے
کرام کے ساتھ بھی ہوں گے، اور اشد و اعظم مصیبت اس کی، جو اولیاء کی
جناب رفیع میں گستاخ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ
فرماتا ہے:

مَنْ عَادَ لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ

(مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ، پہلی فصل۔ بخاری کتاب الرقاق)
جو میرے کسی ولی سے دشمنی باندھے میں نے اس سے لڑائی کا اعلان
کر دیا۔ رواہ الامام البخاری عن سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ
عنه . اقول و کفی بالجامع الصحيح حجة

غرض ان لوگوں پر ضرور ہے کہ اپنے حال سقیم پر رحم کریں، اور
خدائے جبار قہار جل جلالہ کے انتقام سے ڈریں اور مسلمانوں کی اموات کو
ایذا نہ پہنچائیں۔ آخر انھیں بھی اپنے امثال کی طرح ایک دن زمین میں جانا
اور بے کس، بے بس ہو کر پڑنا ہے، جیسا آج یہ لوگوں کے ساتھ پیش آتے
ہیں ویسا ہی اور لوگ کل ان کے ساتھ کریں گے۔

عنه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کما تدین تدان (جیسا
کرو گے۔ ویسا بھرو گے) اخرجه ابن عدی فی الکامل عن ابن عمر
واحمد فی المسند عن ابی الدرداء و عبدالرزاق فی الجامع عن
ابی قلابہ مرسلًا وهو عند الآخرین قطعة حدیث قلت وله شواہد
جمۃ و هو من جوامع کلمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کی طرف شکوے کہ یہ بلا ان جاہلوں میں ان اہلوں کی
پھیلائی ہوئی ہے، جنہوں نے اموات کو بالکل پتھر سمجھ لیا کہ مر گئے اور خاک
ہو گئے۔ نہ اب کچھ سنیں، نہ سمجھیں، نہ کسی چیز سے ایذا یا راحت پائیں اور
جہاں تک بن پڑا قبور مسلمین کی عظمت قلوب عوام سے چھیل ڈالی۔

فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وصل دوم

فتوائے اولیٰ

مسئلہ: از کلکتہ امر تلاین نمبر ۸۔ مرسلہ حاجی لعل خاں صاحب و بار دوم بلفظہ از کانپور بازار نیا گنج کمپنی داد و جی دادا بھائی سورتی مرسلہ عبدالرحیم صاحب۔ ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلے میں کہ ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں کے عمر رسیدہ قریب اسی ۸۰ سے سو ۱۰۰ برس کے بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے ہم لوگوں کے جاننے میں کسی حصہ اس سطح زمین میں کوئی میت دفن نہیں ہوئی ہے۔ اس پر چند مسلمانان عالی ہمت نے اس تہائی خالی سطح زمین پر مدرسہ اور کتب خانہ بنانے کے لئے حاکم وقت سے درخواست کی۔ تحقیق کرنے کے بعد کہ وہاں کوئی قبر نہیں ہے، حاکم نے اجازت دے دی۔ ان حضرات نے مدرسہ و کتب خانہ بنانے کے لئے تمام سامان فراہم کیا ہے۔ اس صورت میں ایسے مقام پر

مدرسہ و کتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں۔ اور مدرسہ کی نیو (بنیاد) کھودتے وقت اگر احياناً وہاں مردے کی بوسیدہ ہڈی نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب:

وقف کی تبدیل جائز نہیں۔ جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں۔ جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے، یوں ہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔

سراج و ہاج پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

لا يجوز تغير وقف عن هيأته فلا يجعل الدار بستاناً ولا الخان حماماً ولا الرباط دكاناً الا اذا جعل الواقف الى الناظر ما يرى فيه مصلحته الواقف اه قلت فاذا لم يجوز تبديل الهيأة فكيف تبغير اصل المقصود

وقف کو اس کی ہیئت سے اسے تبدیل کرنا جائز نہیں لہذا گھر کا باغ بنانا اور سرائے کا حمام بنانا اور رباط کا دکان بنانا، ہاں جب واقف نے نگہبان پر معاملہ چھوڑ دیا ہو تو جائز ہے۔ میں کہتا ہوں، جب ایک ہیئت کی تبدیلی جائز نہیں تو اصل کی تغیر کیونکر جائز ہوگی۔

اور اس پارہ قبرستان میں ۱۰۰ سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول مفتی بہ

پر تو واقف کے صرف اتنے کہنے سے کہ میں نے یہ زمین دفن مسلمان کے لئے وقف کی یا اس زمین کو مقبرہ مسلمین کر دیا، وہ تمام زمین قبرستان ہو جاتی ہے، اگرچہ ہنوز ایک مردہ بھی دفن نہ ہوا۔ اور امام محمد کے قول پر ایک شخص کے دفن سے ساری زمین قبرستان ہو جاتی ہے۔

اسعاف پھر رد المحتار میں ہے:

تسليم كل شى بحسبه فى المقبرة بدفن واحد وفى السقاية بشربه وفى الخان بنزوله. هدايه و هندیه. و عند ابى يوسف رحمه الله تعالى يزول ملكه بالقول كما هو اصله و عند محمد رحمه الله تعالى اذا استقى الناس من السقاية و سكنوا الخان و الرباط دفنوا فى المقبرة ذال الملك و يكتفى بالواحد لتعذر فعل الجنس كله و على هذا البئر و الحوض

ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے تو مقبرے میں ایک شخص کا دفن کرنا ہے اور سقایہ میں ایک گھونٹ پانی پینا ہے اور سرائے میں اترنا ہے۔ ہدایہ اور ہندیہ میں ہے اور ابو یوسف کے نزدیک اس کی ملک کہنے سے زائل ہو جائے گی جیسی کہ ان کی اصل ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے سیراب ہوں اور سرائے میں رہیں اور رباط میں اور مقبرہ میں دفن کریں تو ملک زائل ہو جائے گی اور ایک پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ تمام جنس کا فعل محذور ہے اور کنوئیں اور حوض کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔ در مشقی اور شامی میں ہے:

قدم فى التنوير والدرر والوقاية و غيرها قول ابى يوسف

و علمت او حجیتہ فی الوقف والقضاء

تنویر، درر اور وقایہ وغیرہا میں ابو یوسف کا قول مقدم رکھا اور تم اس کی ارحمیت وقف اور قضا میں جان چکے ہو۔

پس صورت مستفسرہ میں وہاں مدرسہ و کتب خانہ بنانا ہی جائز نہیں، اگرچہ مردے کی ہڈی نہ نکلے، اور نکلنے کی حالت میں ممانعت اور اشد ہو جائے گی، کہ قبر مسلم کی بے حرمتی ہوئی۔

كما بینا فی الامر باحترام المقابر، واللہ تعالیٰ اعلم

فتوائے ثانیہ

مسئلہ

از کانپور مسجد رنگیاں، مرسلہ مولوی شاہ احمد حسن صاحب مرحوم بوساطت جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب، ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ ہجری بخدمت سراپا برکت مولانا مولوی صاحب، مجدد ماتہ حاضرہ، صاحب حجت قاہرہ، امام جماعت عالم سنت مولانا وسیدنا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب تمت فیوضاتہم و عمت سکتہ المشارق والمغرب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کانپوری مولوی احمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کہتے تھے، کہ بالفعل ایک اشد ضرورت ہے کہ یہ جامع العلوم والوں نے ایک فتویٰ لکھا۔ مستفتی میرے پاس لایا۔ میں نے ان کے خلاف جواب لکھا۔ جامع

العلوم والوں نے اس کو دیوبند بھیجا۔ انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کے جواب کی تصدیق کی۔ مستفتی پھر میرے پاس آیا کہ اب میں کس کے قول پر عمل کروں۔ میں نے کہا کہ جو فیصلہ حکم کرے، اس پر عمل کرو۔ حضرت مولانا سے بڑھ کر حکم کون ہے، لہذا اس استفتاء کو اپنے ہمراہ لیتے جاؤ اور مولانا سے جواب لکھوا لاؤ۔ اور فوراً روانہ کر دو۔ چونکہ میرا ارادہ حاضری کا تھا، میں نے استفتاء لے لیا اور اتفاق کہ میں حاضر نہ ہو سکا، اور یہ بہت ضروری ہے، لہذا اس عریضے میں ہمراہ سید عبدالشکور صاحب حاضر خدمت کرتا ہوں۔ اسی وقت فیصلہ لکھ دیجئے اور سید صاحب ہی کے ہمراہ واپس فرمائیے کہ میں روانہ کر دوں۔ مولوی احمد حسن صاحب انتظار میں ہوں گے۔

نقل استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ ایک سطح وقف زمین کہ قبرستان کے نام سے مشہور ہے جس کی ایک طرف چند پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں۔ الخ و بعینہ سوال آمدہ از کلکتہ امرتلاہین و از کانپور بازار نیا گنج ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ کہ عنقریب فتاویٰ میں گزرا۔

جواب اہالی مدرسہ جامع العلوم

ایسے مقام پر کتب خانہ اور مدرسہ بنانا جائز ہے لعدم المانع اور اگر بوسیدہ ہڈی اتفاقی طور پر نکل آئے تو اس کو کہیں دفن کر دے وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وذرعہ والبناء علیہ ۱۷ شامیہ ص ۵۹۹ واللہ اعلم۔

الاحقر محمد رشید مدرس دوم، مدرسہ جامع العلوم کانپور
محمد رشید دو عالم زفیض

۱۳۱۳ھ

من اجاب فقد اصاب۔ محمد عبداللہ عفی عنہ

هذا الجواب غیر صحیح لانہ مخالف لعبارة الفقهاء

محمد عبدالرزاق مدرس مدرس امداد دارالعلوم کانپور

محمد عبدالرزاق

خلاصہ جواب جناب مولوی احمد حسن صاحب

صورت مسئلہ میں اس مقام پر کتب خانہ و مدرسہ بنانا جائز ہے اس لئے کہ یہ جگہ جب مقبرے کے نام سے مشہور اور وقف ہے تو شرعاً یہ مقبرہ سمجھا جائے گا اور اس مقبرے کے لئے یہ زمین وقف ہوگی اور اس کی شہرت اس کے ثبوت کے لئے دلیل کافی ہے۔

در مختار میں ہے:

تقبل فیہ الشہادة بالشہرة الخ

ردالمحتار میں ہے الخ عالمگیریہ

الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز الخ

اور اس کے مندرس ہو جانے سے دوسرا کوئی نفع لینا درست نہ ہوگا۔

قاضی خاں مطبوعہ مصر جلد ثالث ص ۳۱۴

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها اثار المقبرة هل لا يباح

لاحل المحلة الانتفاع بها قال ابو نصر رحمه الله تعالى لا يباح

ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا

اہل محلہ اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں، ابو نصر رحمہ اللہ نے کہا کہ مباح

نہیں۔

عالمگیری جلد ثانی مطبوعہ مصر ص ۴۷۰ و ۴۷۱:

سئل الامام شمس الائمة محمود الاوز جندی فی المقبرة اذا

اندرست ولم يبق فيها اثار الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز

زرعها و استغلالها قال لا ولها حكم المقبرة كذا فی المحيط

امام شمس الائمہ محمود اوز جندی سے ایسے قبرستان کے بارے میں

دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ

رہی ہوں، کیا اس میں کھیتی باڑی اور اسے کرائے پر دینا جائز ہے؟ فرمایا

نہیں، وہ قبرستان کے حکم میں ہے:

نہ عدم جواز انتفاع بالمقبرہ امام زیلیعی کی اس عبارت ہی کے خلاف

ہے اس لئے کہ انھوں نے جواز میت کے بوسیدہ اور خاک ہو جائے پر مرتب

فرمایا ہے اور یہاں عدم جواز اس وجہ سے نہیں بلکہ بہ سبب مقبرے کے وقف

ہونے میں ہے، جیسا کہ صحیح نے علمکیر یہ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ عبارت منقولہ علمکیر یہ پر یہ عبارت لکھی ہے۔

قوله قال لا هذا لا ینافی ما قاله الزیلعی لان المانع ههنا کون المحل موقوفا علی الدفن فلا يجوز استعماله فی غیره فلیتأمل ولیحرر اه مصححه

ان کا قول ”انھوں نے کہا، نہیں۔ یہ زیلعی کے قول کے منافی نہیں، کیونکہ یہاں مانع محل کا دفن کے لئے موقوف ہونا ہے تو اس کا استعمال غیر میں جائز نہیں، ولیحرر اور مسائل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ غیر جنس کی طرف وقف جائز نہیں۔ علمکیر یہ جلد ثانی ص ۴۷۸

سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوض خرب لا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف اوقافه الی مسجد اخر او حوض اخر. قال نعم ولو لم یفرق الناس ولكن استغنی الحوض عن العمارة الی عمارة وھناک مسجد محتاج الی العمارة او علی العکس هل يجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارة الی عمارة ما هو محتاج الی العمارة فقال لا کذا فی المحيط.

شمس الائمہ حلوانی سے مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہوں اور ان کی ضرورت نہ رہی ہو کیونکہ وہاں آبادی نہیں رہی، کیا قاضی اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کر سکتا

ہے؟ فرمایا ہاں اور اگر لوگ وہیں رہتے ہیں مگر اس حوض کی ضرورت نہ رہی ہو اور دوسری مسجد عمارت کی محتاج ہو یا بالعکس تو کیا قاضی اس وقف کی آمدنی جس کی ضرورت نہ ہو دوسرے وقف کی تعمیر پر خرچ کر سکتا ہے؟ تو فرمایا نہیں، محیط میں اسی طرح ہے۔

لہذا اس زمین میں جو دفن کے لئے وقف ہو، مدرسہ وغیرہ بنانا جائز نہ ہوگا گو خالی ہی کیوں نہ ہو، اور دوسرے اس کا خالی ہونا، فقط اتنی شہادت سے کہ ہماری عمر میں ہمارے علم میں کوئی میت دفن نہ کی گئی، نہیں ثابت ہو سکتا، بلکہ اس قدیم مقبرے کا پڑھنا سمجھا جاتا ہے، کہ جب دو تہائی زمین میں قبریں اس قدر پرانی ہیں، کہ سو ۱۰۰ برس کے لوگوں کے ہوش سے قبل کی ہیں، تو ایک ٹکٹ میں اس سے بھی پہلے کی ہوں گی اور وہ بالکل منہدم ہو گئی ہوں اور زمین صاف معلوم ہوتی ہو، زمین بھر جانے کی وجہ سے دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص بیان کرے کہ جب سے یہ زمین مقبرے کے لئے وقف ہوئی کوئی میت اس تہائی میں نہ دفن کی گئی تو البتہ خالی ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر بھی مدرسہ وغیرہ سوائے دفن کے دوسرے کام میں لانا ناجائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبدہ العاصی فضل الہی عفی عنہ

وہذا الجواب صحیح

کتبہ عبدالرزاق عفی عنہ

الجواب الثانی صحیح

کتبہ احمد حسن عفی عنہ

جواب مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ

الجواب

یہ جواب صحیح نہیں ہے اور مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو کچھ کلام نہیں ہے اور قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں، یہ سب جگہ جاری نہیں۔ اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ گورستان وقف نہیں ہوتا اور بعد تسلیم اس بات کے کہ وہ وقفی ہے اس صورت میں کہ وہاں دفن اموات کا ایک مدت دراز سے بند ہے تو اس میں دوسرا مکان وقفی بنا دینا درست ہے، لہذا مدرسہ وقفی بنانا اس گورستان میں جائز ہے، چنانچہ اس روایت سے واضح ہے، یعنی عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۳۵۹۔

فان قلت هل يجوز ان تبني المساجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم ار بذلك باسا و ذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لاحد ان يملكها فاذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد لان المسجد ايضاً وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لا حد فمعنا هما على هذا واحد

اگر تم کہو، کیا مسلمانوں کی قبروں پر مساجد کا بنانا جائز ہے؟ میں کہوں گا، ابن قاسم نے کہا، اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ختم ہو جائے اور وہاں کچھ لوگ مسجد بنالیں تو میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا، کیونکہ قبرستان بھی

مسلمانوں کا ایک وقف ہے ان کے مردوں کو دفن کرنے کے لئے، کسی کے لئے اس کا مالک بننا جائز نہیں۔ اب جبکہ وہ مٹ گیا اور اس میں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اسے مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہوا، کیونکہ مسجد بھی، مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک ہے لہذا ان دونوں کا مقصد ایک ہے۔ اور کتب فقہیہ میں بھی روایات جواز موجود ہیں۔ مگر بندے کو مہلت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ
(رشید احمد ۱۳۰۱ھ)

الجواب صحیح، بندہ مسکین محمد یسین عفی عنہ۔ الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ
(محمد یسین عفی عنہ)

جبکہ وہ مقبرہ نہایت کہنہ ہے اور اس وقت دفن کرنا وہاں متروک ہو گیا ہے تو بناء مدرسہ اس جگہ میں خصوصاً حصہ خالی میں درست ہے البتہ اگر وہ مقبرہ فی الحال دفن اموات میں کام آتا ہو تو کوئی اور بنا اس میں درست نہیں ہے۔

قال فی علمگیریۃ ولو بلی المیت و صار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ کذا فی التبین

علمگیریہ میں ہے کہ اگر میت پرانی ہو جائے اور مٹی ہو جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے اور اس میں کھیتی کرنا اور اس پر عمارت بنانا بھی جائز ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

(فتوکل علی العزیز الرحمن ۱۳۰۷ھ)

الجواب

اللَّهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جواب: اول غلط صریح اور حکم ثانی حق و صحیح اور تحریر ثالث جہل قبیح ہے۔

گنگوہی صاحب کا بے محل شقشقہ

اولا سوال میں صاف تصریح تھی کہ ”ایک سطح وقف زمین“ پھر مجیب سوم کی تشقیق کہ ”اگر وہ قبرستان نہیں“ الخ محض شقشقہ بے معنی ہے۔

وقف میں شہرت کافی ہے

ثانیاً: ”قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں، یہ سب جگہ جاری نہیں“

اس یہ، کا مشاذاً الیہ شہرت ہے یا واقفیت۔ اول صحیح ہے، مگر مہمل، وندائے

مہمل۔ سوال اس صورت خاصہ سے ہے جہاں شہرت موجود ہے۔ اس پر حکم

کے لئے ہر جگہ شہرت کیا ضرور۔ یوں ہی دوم بھی اگر مقصود سلب واقفیت

بحال انتفائے شہرت ہو، اور ان ہی دونوں صورتوں میں یہ قول کہ، اکثر جگہ

دیکھا گیا، کہ گورستان وقف نہیں ہوتا۔ رو بصحت رکھتا ہے۔ اگرچہ کثیر و اکثر

میں فرق نہ کرتا ضیق نطق بیان اور اگر نفی واقفیت شہرت مراد، تو محض مردود

ظاہر انفساد اور اب وہ شہادت مشاہدہ اکثر بلا صراحۃً حکایت نیچکی عنہ ہے۔

متون و شروح و فتاوائے مذہب میں تصریحات جلیہ ہیں، کہ شہرت مثبت و

اقفیت و مسوغ شہادت ہے۔

کلام مجیب دوم سلمہ میں بھی اس کی بعض نقول منقول، پھر باوصف

تسلیم دلیل شرعی نفی مدلول جہل قطعی۔ یہاں شہادت شہرت کو نہ ماننا نہ اسی

مقبرے بلکہ عامہ اوقاف قدیمہ کو یکسر مٹا دینا ہے۔ طول عہد کے بعد شہود معانیہ کہاں۔ اور مجرد خط حجت نہیں۔

فتاویٰ خبریہ میں ہے:

لا يعمل بمجرد الدفتر ولا بمجر دالحجة لما صرح به علماءنا من عدم الاعتماد على الخط و عدم العمل به كمكتوب الوقف الذي عليه خطوط القضاة الماضين و انما العمل في ذلك بالينة الشرعية: اسی میں ہے:

كتاب الوقف انما هو كاغذ به خط و هو لا يعتمد عليه ولا يعمل به كما صرح به كثير من علمائنا والعبرة في ذلك للينة الشرعية و في الوقف يسوغ للشاهد ان يشهد بالسماع و يطلق ولا يضرب في شهادته قوله بعد شهادته لم اعائن الوقف ولكن اشتهر عندي او اخبرني به من اتق به.

صرف تحریری صورت کافی نہیں اور نہ صرف دلیل سے کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح کر دی ہے کہ خط پر اعتماد نہیں اور اس پر عمل نہ ہوگا، جیسے وہ وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کی تحریریں ہوں۔ اس معاملے میں شرعی گواہوں پر عمل ہوگا۔ اپنی میں ہے: وقف کی تحریر تو ایک کاغذ ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عمل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہمارے بہت سے علماء نے تصریح کی ہے۔ اعتبار اس سلسلے میں شرعی گواہوں کو ہے اور وقف میں گواہ کے لئے جائز ہے کہ سن کر گواہی دے اور اطلاق رکھے اور اس کی شہادت میں ادائے شہادت میں بعد یہ کہنا کہ میں نے وقف کا معائنہ نہیں

کیا، لیکن میرے نزدیک مشہور ایسا ہی ہے یا مجھے قابل اعتماد شخص نے خبر دی ہے کچھ مضرت نہیں۔

اب اگر شہرت بھی مقبول نہ ہو، تو ہزاروں وقف سوا اس کے کہ محض بے ثبوت و باطل قرار پائیں اور کیا نتیجہ ہے۔

وقف میں تبدیل حرام ہے اور گنگوہی صاحب

کی سفاہت!

ثالثاً۔ مقبرے کے لئے وقف تسلیم کر کے اس میں مدرسہ وغیرہ دوسرے مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلم واضح و جہل فاضح ہے کہ اس میں صراحۃً تغیر وقف ہے اور وہ حرام ہے، حتیٰ کہ متولی کو بھی جو وقف پر دلالت رکھتا ہے، نہ کہ اجنبی، حتیٰ کہ علماء نے بیانات کی بھی بے اذن واقف اجازت نہ دی نہ کہ تغیر اصل وقف۔

عقود الذریہ میں ہے:

لا يجوز للناظر تغير صيغة الواقف كما اُفتي به الخیر الرّملى والحنوتی وغیرهما۔ سراج الوہاج و ہندیہ میں ہے۔ لا يجوز تغير الوقف عن هيئة فلا يجعل الدار بستاناً ولا الخان حملاً ولا الرباط دكاناً إلا اذا جعل الواقف الى الناظر ما يرى فيه مصلحة الوقف. فتح القدير ورد المحتار و شرح الاشباه للعلامة البیری، میں ہے:

وقف کے نگہبان کے لئے وقف کے صیغے کی تبدیلی جائز نہیں، جیسا

کہ خیر رہی اور حانوتی وغیرہا نے فتویٰ دیا ہے۔ سراج الوہاج اور ہندیہ میں ہے، وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں، لہذا گھر کو باغ اور سرائے کو حمام اور رباط کو دکان بنانا جائز نہیں۔ ہاں اگر نگران وقف کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ہر وہ کام کر سکتا ہے جس میں وقف کی صلاح ہو تو ٹھیک ہے۔

الواجب الوقف ابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادة

وقف کرنے کے لئے مالک ہونا شرط ہے

شے ایک بار وقف ہو کر، دوبارہ وقف نہیں کر سکتی

رابعاً، مدرسہ یا کتب خانہ یا کوئی مکان کیا خالی دیواروں کا نام ہے۔ ہر عاقل ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ زمین ضرور اس میں داخل، تنہا دیواروں کو بنا و عملہ کہتے ہیں۔ نہ بیت و خانہ مدرسہ جائے درس۔ محل درس زمین ہے۔ یا دیواروں پر بیٹھ کر درس ہوگا۔ اور یوں بھی ہوتا ہم قرار استقرار کو انتہا علی الارض سے کیا چارہ۔ اور یہ زمین ایک بار ایک جہت کے لئے وقف ہو چکی، دوبارہ وقفیت کیونکر معقول، کہ واقف کا وقت وقف مالک ہونا شرط وقف ہے، کہ ہمارے مذہب میں بالاتفاق اہل وقوف اس پر صحت وقف موقوف اور وقف بعد تمامی کسی کی ملک نہیں تو پھر اصل واقف بھی اگر دوبارہ اسے وقف کرنا چاہے محض باطل ہوگا، نہ کہ زید و عمرو بلکہ یہ حکم عام ہے، خواہ وقف دوبارہ جہت اخزیٰ پر ہو یا اسی جہت اولیٰ پر کہ علی الاول تحویل باطل ہے اور علی الثانی تحصیل حاصل والکل باطل۔ بحر الرائق و علمکیر یہ وغیرہا میں ہے

اما شرائطه فمنها العقل والبلوغ ومنها ان يكون قربة و
منها الملك وقت الوقف و يتفرع على اشتراط الملك انه لا
يجوز وقف الا قطاعات ولا وقف الارض الحوز للامام اه
ملتقطا۔ اسعاف میں ہے۔

اتفق ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى ان الوقف
يتوقف جوازه على شروط بعضها في المتصرف كالملك فان
الولاية على المحل، شرط الجواز والولاية تستفاد بالملك
او هي نفس الملك۔ اسی میں ہے۔ لروفا رضاء اقطاعه اياها
السلطان فان كانت ملكا له او مواتا صح و ان كانت من بيت
المال لا يصح:

بہر حال اس وقف کی شرائط، تو ان میں سے بلوغ اور عقل
ہے، اور ان میں سے اس کا عبادت ہونا ہے، وقت وقف ملک کا
ہونا ہے اور اس پر یہ بھی متفرع ہے کہ جاگیر کا وقف جائز نہیں،
اور امام کی گھیری ہوئی زمین کا وقف جائز نہیں، امام ابو یوسف اور
محمد رحمہما اللہ نے اتفاق کیا ہے کہ وقف کا جواز، بعض شرائط پر
موقوف ہے کچھ تو اس میں سے متصرف میں ہیں جیسے ملک کیونکہ
ولایت محل شرط جواز ہے اور ولایت یا تو ملک سے مستفاد ہے، وہ
خود ملک ہے۔

اسی میں ہے۔

اگر کسی شخص نے بادشاہ کی دی ہوئی جاگیر وقف کر دی تو اگر وہ

اس کی ملک ہے یا مردہ زمین ہے تو صحیح ہے اور اگر بیت المال سے ہے تو صحیح نہیں۔

زمین وقف میں کوئی عمارت دوسری غرض کیلئے

وقف نہیں ہو سکتی

خامساً۔ تنہا عمارت وقف ہوگی یا تنہا زمین، یا دونوں، ثانی بدیہی البطلان لان الوقف لا یوقف، یوں ہی ثالث لانہ علیہ یتوقف۔ اول کا جواز ارض غیر محکومہ میں صرف اس صورت میں ہے کہ یہ عمارت اسی کام پر وقف ہو جس پر اصل زمین کا وقف ہے۔ ہو الصحيح بل هو التحقيق و بہ التوفیق، تو زمین، مقبرہ اور دیواریں مدرسہ یہ محض دوسرے۔

فتاویٰ علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

سئل فی کرم مشتمل علی عنب و تین و ارضہ وقف سیدنا الخلیل علیہ و علی نبینا و سائر الانبیاء افضل الصلوة و اسم السلام من الملك الجلیل ادعی رجل بانہ وقف جدہ هل تسمع دعواه. اجاب لاتسمع ولا تصح اذا الکرم اسم للارض والشجر وان ارید به الشجر فوقف الشجر علی جهة غیر جهة الارض مختلف فیہ وقد قال صاحب الذخیرة وقف البناء من غیر وقف الارض لم یجز هو الصحيح وان ارید کل من الارض والشجر فبطلانه بدیہی التصور وان ارید الارض فبدیہیة البطلان

اولیٰ اہ ملقطاً۔ اسی میں اس کے متصل ہے۔

کیف یصح للواقف وقفہا علی نفسہ وہی وقف الجلیل
علیہ الصلوٰۃ والسلام اھ و ہذا معنی قولہ فبطلانیہ بدیہی
التصور۔

رد المحتار میں ہے:

الذی حرّره فی البحر اخذ امن قول الظہیریۃ و اما اذا
وقفہ علی الجہۃ الّتی کانت البقعة وقفاً علیہا جاز اتفاقاً تبعاً
للبقعة و ان قول الذخیرۃ لم یجزہوا الصحیح مقصور علی ما
عدا صورۃ الاتفاق و هو ما اذا کانت الارض ملکاً او وقفاً علی
جہۃ اخرى اھ علی ہذا فینبغی ان یستثنیٰ من ارض الوقف ما اذا
کانت معدۃ للاحتکار و بہ یتضح الحال و یحصل التوفیق بین
الاقوال اھ، ملخصاً و قد اھ و ضحناہ فیما علّقنا علیہ:

اب باغ کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں انگور اور انجیر ہیں
اور اس کی زمین ہے، جو حضرت ابراہیم نے وقف کیا تھا، ایسے باغ پر ایک
شخص نے دعویٰ کر دیا کہ یہ اس کے دادا نے وقف کیا تھا، کیا اس کا دعویٰ سنا
جائے گا؟ جواب دیا نہیں، کیونکہ باغ زمین اور درختوں کے مجموعہ کا نام ہے
اور اگر اس سے مراد درخت ہوں تو درختوں کا زمین کی جہت کے غیر میں
وقف کرنا مختلف فیہ ہے۔ صاحب ذخیرہ نے کہا ہے کہ عمارت کا وقف کرنا
زمین کے بغیر جائز نہیں۔ یہی صحیح ہے اور اگر زمین اور درخت سب مراد ہیں
تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے، اور اگر صرف زمین ہو تو اس کا باطل ہونا اور بھی

ظاہر ہے، اسی میں اس کے متصل ہے: کہ واقف اس کو اپنے اوپر کیونکر وقف کر سکتا ہے، حالانکہ یہ وقف ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہی معنی ہیں ان کے قول کے کہ اس کا بطلان ظاہر ہے۔
ردالمحتار میں ہے:

جو بحر نے فیصلہ کیا ہے وہ ظہیر یہ کے قول سے ماخوذ ہے اور اگر اسی جہت پر وقف کیا جس پر وہ خطہ وقف تھا تو وقف اس کی اتباع میں جائز ہے اور ذخیرہ کا قول ”جائز نہیں“ صحیح ہے اور یہ اتفاق کی صورت کے غیر پر مقصور ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ زمین ملک یا وقف ہو، کسی دوسری جہت پر، اس بنا پر زمین وقف سے اس صورت کا استثناء ضروری ہے جبکہ وہ زمین احتکار کے لیے تیار کی گئی ہو، اس سے صورت حال واضح ہو جاتی ہے اور تمام اقوال میں توفیق ممکن ہے۔

گنگوہی صاحب کی سخت نا فہمی

متعلقہ روایتوں کو بے علاقہ بتانا

سادسا: مدرسہ یا کتب خانہ جو بنایا جائے گا، جبکہ شرعاً وقف نہیں ہو سکتا۔ لاجرم ملک بانیان پر رہے گا اور اب یہ صراحۃً وقف میں تصرف مالکانہ اور اپنے انتفاع کے لئے اس میں عمارت بنانا ہوگا، تو آفتاب کی طرح واضح ہے کہ قاضی خاں و علمگیری و محیط کی عبارات جو مجیب دوم سلمہ نے نقل کیں، کہ مقبرہ اگرچہ مندرس ہو جائے، اس میں قبر کا نشان درکنار، اموات کی ہڈی تک نہ رہے جب بھی اس سے انتفاع حرام، اور ہمیشہ اس

کے لئے حکم مقبرہ رہے گا۔

اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ و خزائنہ المفتین و اسعاف کی عبارات کہ:

مقبرہ قديمة بمحلة لم يبق فيها اثار المقبرة لا يباح لاهل

المحلة الا نتفاع بها و ان كان فيها حشيش يحش منها و يخرج

الحشيش الى الدواب ولا ترسل الدواب فيها

جو قبرستان پرانا ہو اور اس میں مقبرے کے آثار باقی نہ رہے ہوں،

اس سے اہل محلہ نفع حاصل نہیں کر سکتے ہیں اگر اس میں گھاس ہو تو بھی

کاٹی جاسکتی ہے۔ کاٹ کر باہر لائی جائے مگر جانور قبرستان میں نہ چھوڑے

جائیں۔ "قطعاً مفید مدعا تھیں۔

اور مجیب صاحب سوم کا یہ زعم کہ:

"مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے، اس سے بھی

مدعا ثابت نہیں ہوتا۔" محض سوء فہم اور جہل مبین۔

گنگوہی صاحب پر گرفت

سابعاً۔ مجیب سوم کو جب فقہ میں کوئی راہ نہ ملی، ناچار متون و شرح و

فتاوائے مذہب سب بالائے طاق رکھ کر نصوص اصول و فروع فقہ حنفی سب

سے آنکھ بند کر کے شرح صحیح بخاری سے ایک روایت خارج عن المذہب پر

قناعت کی کہ ابن القاسم نے کہا، کہ میری رائے میں جب مقبرے کے آثار

مٹ جائیں اور اس کی حاجت نہ رہے تو وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے۔

عربی لفظوں کا ترجمہ دیکھ لیا، اب یہ ادراک کسے کہ یہ ابن القاسم کون

ہیں، کس مذہب کے عالم ہیں، ان کا قول مذہب حنفی میں کہاں تک سنا جا

سکتا ہے، اور وہ بھی خاص ان کی اپنی رائے، اور وہ بھی اصول و فروع مذہب کے صریح خلاف۔ مجیب صاحب علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ شرح جامع صحیح میں صرف اقوال مذہب پر اقتصار نہیں کرتے، بلکہ آئمہ اربعہ اور ان سے بھی گزر کر بعض دیگر سابق و لاحق بلکہ بعض بد مذہبوں مثلاً داؤد ظاہری و ابن حزم تک پہنچ کے اقوال نقل کر جاتے ہیں، بلکہ بارہا ابن و آن ہی کے قول پر قناعت فرماتے اور آئمہ مذہب کا مذہب بیان میں نہیں لاتے، جاہل کہ تراجم علماء سے آگاہ نہیں آپ کی طرح دھوکا کھاتا ہے اور خادم علم بحمد اللہ تعالیٰ فرق مراتب و تفرقہ مذاہب کی خبر رکھتا ہے۔ علامہ عینی یہاں کسی کتاب فقہ کی تحریر میں نہیں یہ اسطراوی بالائی فوائد ہیں جن سے اقادیل ناس پر اطلاع مقصود اور مذہب تو اصلاً و فرعاً کتب مذہب میں مضبوط ہو چکا۔ ان کی ان نقول کا اکثر مادہ تصانیف ابن المنذر و ابن بطل و غیرہما شافعیہ و غیرہم ہیں۔ ان کی عادت ہے کہ محل نقل میں سطریں کی سطریں بلکہ کہیں صفحے کے صفحے بلا غرو بے تغیر لفظ نقل فرما جاتے ہیں، جس پر ان کے امام عصری امام ابن حجر عسقلانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الدرر الکامنہ میں تنبیہ کی، یہاں بھی صدر کلام ذکر ما یستنبط منہ من الاحکام سے آپ کی منقولہ حکایت تک اسی قسم کی عبارت ہے۔ عالم تو متعدد وجہ سے پہچانے گا کہ یہ کلام حنفیہ نہیں۔ آپ نے اتنا ہی دیکھا ہوتا کہ اس عبارت میں ہے الیٰ جواز نبش قبورہم للمال ذہب الکوفیون و الشافعی و اشہب بهذا الحدیث، حنفیہ کا محاورہ نہیں کہ اپنے آئمہ کا مذہب یوں بیان کریں، کہ کوفی و اشہب کے ہیں، قائل حنفی ہوتا تو ذہب المتناہیا اصحابنا یا علماؤنا و امثال ذلک لکھتا۔ یہ ابن

القاسم و اشہب ، دونوں حضرات مالکی المذہب عالم ہیں۔ خود امام ہمام کے شاگرد، اور ان کے مذہب میں اہل روایت و درایت جیسے ہمارے ہاں زفر و حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم، آپ کی مقدس بزرگی کہ مذہب حنفی کے صریح خلاف ایک مالکی عالم کی رائے پر فتویٰ دیتے، اور اپنے زعم میں اسے مذہب حنفی کی روایت سمجھ رہے ہیں، حالانکہ آئمہ تو ہمارے آئمہ وہ اس مذہب کے بھی امام مجتہد سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ یہ ابن القاسم ہمارے علماء سے نہیں۔ مگر ہاں جب نا فہمی کی ٹھیری تو آپ کو کیا لگتا کہ اس ذکر ——— اصحابنا کو بھی قال ابن القاسم کے تحت میں داخل۔ اور انہیں کے مقولے میں شامل مانتے۔

ثامناً۔ مجیب صاحب نے ناحق اس حکایت غیر مذہب پر قناعت کی کہ فقط بیچارے مردہ مسلمانوں کی قبریں، طلبہ اور مدرسہ کے بھنگی بہشتی سے پامال کرانے کی گنجائش ملی۔ اس ذکر اصحابنا کو کیوں نہ لیا کہ مسجدوں میں ہل چلانے، گھوڑے یا گدھے باندھنے کی راہ چلتی۔

بل هو اشنع واخنع و هو اتخاذ موضع المسجد حشا و کنفا لقوله و ذکر اصحابنا ان المسجد اذا خرب و دثر ولم یبق حوله جماعة و المقبرة اذا عفت و دثرت تعود ملکا لاربابها۔ قال فاذا عادت ملکا یجوز ان بینی موضع المسجد داراً و موضع المقبرة مسجداً و غیرہ ذلک لان الدار لا بدلها من تلک الاشیاء

۱۔ دونوں حضرات کے مزار فائض الانوار قرائف میں یکجا ہیں۔ علمائے فرماتے ہیں ان دونوں مزاروں کے بیچ میں دعا قبول ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ حفظ ربہ ۔

بلکہ یہ زیادہ برا ہے، کہ مسجد کو اصطلح یا باڑہ بنا لیا جائے کیونکہ انھوں نے کہا کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ مسجد جب ویران ہو جائے اور اس کے گرد کوئی جماعت نہ رہے، اور قبرستان جب مٹ جائے تو ان پر ان کے سابق مالک کی ملک لوٹ آتی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب یہ چیزیں ملک میں آ گئیں تو مسجد کی جگہ کو گھر اور قبرستان کی جگہ کو مسجد وغیرہ بنانا درست ہوا، کیونکہ گھر کے لئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔“ مگر آپ نے ضرور ہوشیاری برتی۔

اولاً، جانتے تھے، کہ کتب معتمدہ مذہب مشہورہ متد اولہ میں اسے صراحتاً رد کیا اور اس کے خلاف پر بحدہ و مدفتویٰ دیا ہے۔
تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ولو خرب ما حوله و استغنی عنه یبقی مسجد عند الامام
والثانی ابدأ الی قیام الساعة و بہ یفتی
اور اگر اس کا ارد گرد ویران ہو گیا اور اس کی ضرورت نہ رہی تو مسجد باقی رہے گی امام کے نزدیک اور دوسرا ہمیشہ قیامت تک اور اسی پر فتویٰ ہے۔
حاوی القدسی و بحر الزائق و رد المحتار میں ہے:

”واکثر المشائخ علیہ مجتبیٰ و هو الا وجه فتح“

ثانیاً، یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ جسے علامہ عینی نے اصحابنا کی طرف نسبت کیا، خاص اسی حالت میں ہے، جب وہ شے موقوف اس غرض کی صلاحیت سے بالکل خارج ہو جائے جس کے لئے واقف نے وقف کی تھی۔ اصلاً کسی طرح، اس کے قابل نہ رہے۔

روا مختار میں ہے:

ذكر في الفتح ما معناه انه يتفرع على الخلاف المذكور ما اذا
انهدم الوقف و ليس له من الغلة ما يعمر به فيرجع الى الباقي
او ورثته عند محمد خلافا لابي يوسف لكن عند محمد انما يعود
الى ملكه ما خرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالكلية.

فتح میں جو ذکر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلاف مذکور پر یہ
متفرع ہوتا ہے کہ اگر وقف عمارت منہدم ہو جائے، اور اس کی اتنی آمدنی
نہیں ہے کہ اسے تعمیر کیا جائے تو وہ بنانے والے یا اس کے ورثاء کی طرف
لوٹ جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک اس میں ابو یوسف کے خلاف ہے، لیکن
محمد کے نزدیک اس کی ملک میں صرف وہی لوٹے گا جس سے بالکل نفع ممکن
نہ ہو۔

یہ بات مقبرہ مذکورہ میں کیونکہ متصور ہو کہ ہنوز تہائی میدان حسب
بیان سائل بالکل خالی پڑا ہے۔ ثالثاً، شاید یہ بھی کچھ اندیشہ گزرا کہ اس
مقبرے کے ساتھ مسجد کی بھی خیر نہیں، مبادا عوام بھڑک جائیں، ان وجوہ سے
ذکر اصحابنا چھوڑ کر قال ابن القاسم کا یہ سرا پکڑا۔ مگر غافل کہ جن تین
اندیشوں سے گریز فرمایا، وہی تینوں یہاں بھی آپ پر عائد بلکہ مع شے زائد

اول، تو وجہ سابع میں دیکھ چکے، کہ خلاف مفتی بہ ہونا تو درکنار
سرے سے مذہب کا کوئی قول ضعیف بھی نہیں، اور ثانی یوں کہ کلام ابن
القاسم میں عفت و درست ہے۔ عفاء دروس نیست و نابود و ناپیدا و بے نشان
ہونا ہے۔ یہ اس مقبرے پر کہاں صادق کہ سائل کہتا ہے، پرانی شکستہ قبریں

پائی جاتی ہیں تو ابھی نیست و نابود و ناپدید نہ ہوا، اور اس روایت خارجہ نے بھی آپ کو کام نہ دیا، اور ثالث یوں کہ جب ان کی رائے میں مجرد وقفیت موجب اتحاد معنی و جواز اقامت بجائے یک دگر ہے تو جیسے مقبرے کو مسجد کرنا روا، یوں ہی مسجد کو مقبرہ۔ یوں ہی مسجد کو سرائے اور سرائے میں بیت الخلا۔ فان الكل وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تملیکه لاحد فمعنی الكل علی هذا واحد۔ پھر مفرکہ ہر۔

تاسعاً۔ ذرا براہ مہربانی تھوڑی دیر کو ہوش میں آ کر فرمائیے، کہ ابن القاسم نے کہا۔ مقبرے کو بعد بے نشانی مسجد کر دینا روا اور ابو القاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ مقابر پر مسجد بنانا حرام۔ آپ کے نزدیک یہ دونوں حکم حالت واحد پر وارد، جب تو آپ کا ایمان ہے کہ ابن القاسم کی بات کو حق جانیں، اور ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ مانیں۔ اور اگر حالت مختلف ہے تو پہلے وہ فرق معین کیجئے، جس پر ان دونوں احکام کا انقسام ہوگا، کیا فقط نو و کہن کا تفرق ہے کہ نئی قبروں پر مسجد بنانا حرام اور جہاں ذرا پرانی پڑیں اور اب ان پر نماز جائز ہوگئی یا فقط اوپر کا نشان مٹ جانا چاہیئے، یا یہ ضرور ہے کہ لاشوں کے تمام اجزاء ساری ہڈیاں بالکل خاک ہو جائیں، مردے یکجہاں اجزاء تراب خالص کی طرف استحالہ کریں، اس کے بعد روا ہے۔

اول، تو بدلتہ بالکل اور شاید بعلت وہابیت آپ کے یہاں تو شرک ہو، اور ثانی بھی اسی کی مثل ہو، کہ نشان بالا نہ قبر ہے، نہ قبر کے لئے رکن و شرط، تو اس کا عدم وجود یکساں۔ مہذا اس مقبرے میں یہ صورت بھی ہنوز متحقق نہ ہوئی، کہ نشان قبر موجود ہیں اور آپ کا حکم بے تخصیص ثلث خالی

صاف مطلق ہے کہ مدرسہ وقفی بنانا گورستان میں درست ہے۔“ اور آپ کے مقلد نے اس اطلاق کی صریح تصریح کر دی کہ ”بنائے مدرسہ اس جگہ میں خصوصاً حصہ خالی میں درست ہے۔“ اس خصوصی نے عموم کو واضح کر دیا، لا جرم ثالث لیجئے گا۔ اب یہ آپ پر لازم تھا، کہ دلیل شرعی سے اس مدت کی تعیین کرتے، جس میں مردوں کی ہڈی پسلی کا اصلاً نام و نشان نہیں رہتا۔ سب سے پچھلی جو میت دفن ہوئی اسے اتنی مدت گزر چکی۔ ان دو مرحلوں کو بغیر طے کئے حکم جواز لگا دینا محض جہل تھا۔ اتنا یاد رکھئے کہ مجرد شک یہاں کام نہ دے گا، کہ الیقین لا یزول بالشک عقل و نقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے۔ جو د مانع یعنی بعض اجزائے موت پر یقین نہ ہو، حکم حرمت و ممانعت ہی رہے گا اور آپ کے لیت و لعل سے کام نہ چلے گا، تو ظاہر ہوا، کہ اس روایت خارجہ عن المذہب کا دامن پکڑنا بھی محض سوء فہم و بندگی و ہم تھا۔ و باللہ العصمة۔

عاشراً۔ لطف یہ ہے کہ اس روایت خارجہ میں شرط استغناء عن الدفن لگائی گئی ہے، آیا اس سے مراد کہ اس کے سوا دوسری جگہ دفن ہو سکتا ہو، جب تو یہ شرط محض لغو و عبث ہے۔ وہ کونسا گورستان ہے جس کی طرف احتیاج دفن بمعنی لولاء لا متنع ہے۔ نہ ہرگز تعطل و ویرانی اوقاف میں صرف اس قدر ملحوظ ہوتا ہے بلکہ یہاں ^{مطرح} النظر و امر رہتے ہیں ایک عدم محتاجین یعنی وہاں آبادی نہ رہی، لوگ متفرق ہو گئے۔ اب حاجت کسے ہو، جیسے اب دوم میں علمگیری و محیط سے دربارہ مسجد و حوض گزرا، کہ خرب و لا یحتاج الیہ لتفرق الناس۔ دوسرے عدم حاجت بوجہ عدم صلوح۔ یعنی شے کسی مانع و قصور و نقص کے سبب اس کام کی نہ رہی، مثلاً زمین پر پانی نے غلبہ کیا، کہ

دفن کی گنجائش نہ رہی۔

فتاویٰ کبریٰ و جامع المفسرات و ہندیہ و اسعاف وغیرہا میں ہے:

امراة جعلت قطعة ارض لها مقبرة و اخرجتها من يدها و دفنت فيها ابنها وتلك القطعة لا تصلح المقبرة نعلبة الماء عندھا فیصیبھا فساد فارادت بیعھا۔ ان كانت الارض بحال لا یرغب الناس عن دفن الموتی لقلۃ الفساد لیس لها البیع و ان كانت یرغب الناس عن دفن الموتی لكثرة الفساد فلها البیع۔

ایک عورت نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کو قبرستان بنا دیا اور اسے اپنے ہاتھ سے نکالا اور اس میں اپنے بیٹے کو دفن بھی کر دیا مگر یہ ٹکڑا پانی کی وجہ سے قبرستان کے لئے درست نہیں تو اس نے اسے بیچنے کا ارادہ کیا۔ اگر زمین ایسی ہے کہ لوگ اس میں اپنے مردوں کو دفن کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتے ہیں کیونکہ فساد زائد نہ تھا تو وہ عورت اس ٹکڑے کو بیچ نہیں سکتی اور اگر لوگ اس میں زیادہ خرابی کی وجہ سے مردے دفن نہیں کرتے ہیں تو وہ عورت بیچ سکتی ہے۔“ پر ظاہر کہ صورت مستفسرہ میں ہرگز نہ عدم محتاجین ہے نہ عدم صلوح۔ پھر شرط استغنا کب متحقق ہوئی اور تغیر وقف کی اجازت کس کے گھر سے ملی، تو روشن ہوا کہ مجیب سوم کا اس روایت خارجہ سے تمسک محض تشبہ الغریق بالخشیش تھا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم ۵ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی بالتوفیق۔

تنبیہ: یہ مجیب سوم پر تلک عشرہ کاملہ ہیں اور ان کا رد ان کے سب

اتباع و اذئاب کے رو سے معنی ع

وکل الصید فی جوف الفراء

اور اذناں کے پاس ہے ہی کیا سوا امام زیلعی کی تحقیق کے۔
روایت امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ جسے خود مولوی گنگوہی صاحب نے
کچھ سوچ سمجھ کر چھوڑ دیا اور روایت فقہیہ نے لکھنے کے لئے بے مہلتی کا
بہانہ لیا۔ مجیب اول نے لکھی، مجیب دوم سلمہ نے جواب دیا۔ بعض اذناں
سوم نے بے تعرض جواب، پھر اسی کا اعادہ کیا۔ مگر جناب گنگوہی صاحب
چہ چہ کہ یہاں مقبرہ وقف میں کلام ہے۔ مجھے خاص دوسرے مکان قفسی کی
اجازت نکالنی مشکل پڑی ہے۔ ہل چلانا، کھیتی کرنا، کہ اس روایت امام زیلعی
میں جائز ہو رہا ہے۔ کس گھر سے جائز کر سکوں گا لہذا ہوشیارانہ اس سے
عدول کیا جو اذناں کی سمجھ میں نہ آیا۔ غالباً اب تو ناظرین نے اس روایت کا
محمل و محصل سمجھ لئے ہوں گے۔

صاحبو! اس سے مقصود زمین مملوک ہے، یعنی اگر کسی کی ملک میں کوئی
میت دفن کر دی گئی ہو، تو جب وہ بالکل خاک ہو جائے، مالک کو روا ہے کہ
وہاں کھیتی کرے، گھر بنائے، جو چاہے کرے۔

لان الملك مطلق والمانع ذال و هذا ايضاً اذا كان
ذلك باذنه والافى الغضب له اخراج الميت و تسوية الارض
كما هي الحديث ليس لعرق ظالم حق

کیونکہ ملک مطلق ہے اور مانع زائل ہو گیا اور یہ بھی اس صورت میں
ہے جبکہ اس کی اجازت سے ہو، ورنہ غصب کی صورت میں اسے حق ہے کہ
میت کو نکالے اور زمین برابر کرے جیسے کہ تھی کیونکہ حدیث میں ہے کہ زمین

پر ظالم کا حق نہیں۔

علامہ مدقق علائی قدس سرہ، نے درمختار میں اسے ایسے نفیس سلسلے میں منسلک کیا جس نے معنی مراد کو کھول دیا۔ مجیب اول نے یہ روایت وہیں سے اخذ کی، مگر علامہ مدقق کے اشارات تک ہر فہم کی دسترس کہاں؟
درمختار میں فرمایا:

”لا ینخرج منه بعد اہالة التراب الالحق ادمی کان تکون الارض مغضوبۃ او اخذت بشفعة و ینخیر المالك بین اخراجہ و مساواتہ بالارض کما جاز زرعة و البناء علیہ اذا بلی و صار تراباً زیلعی۔“

”مردے کو مٹی ڈالنے کے بعد صرف حقوق العباد کی وجہ سے نکالا جائے گا، جیسے زمین مغضوبہ ہو یا شفعہ سے لی گئی ہو، اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اسے نکالے یا زمین برابر کر دے، جیسے کہ اس پر عمارت بنانا اور کھیتی باڑی کرنا، مردوں کے گلنے سڑنے اور مٹی ہو جانے کے بعد درست ہے۔“
ورنہ مقبرہ قلمی میں کھیتی کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔
ہدایہ میں ہے۔

فی غایۃ القبح ان یقبر فیہ الموتی سنة و یزرع سنة
بات یہ ہے کہ وہابیہ کی نگاہ میں قبور مسلمین بلکہ خاص مزارات اولیائے کرام علیہم الرضوان ہی کی کچھ قدر نہیں، بلکہ حتی الوسع ان کی توہین چاہتے ہیں اور جس حیلے سے قابو چلے انہیں نیست و نابود و پامال کرانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان مرا اور پتھرا ہوا، جیسے وہ خود اپنی

حیات میں ہیں کہ لا یسمع ولا یصرو ولا عنک شیئاً حالانکہ شرعاً مطہر
میں مزارات اولیاء تو مزارات عالیہ عام قبور مسلمین مستحق تکریم و متع التوہین۔
یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں ”قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے“ کہ سقف قبر بھی
حق میت ہے۔

قدیہ میں امام علائے ترجمانی سے ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت

حتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کی نعین پاک کی خاک
اگر مسلمان کی قبر پر پڑ جائے تو تمام قبر جنت کے مشک و عنبر سے مہک اُٹھے،
اگر مسلمان کے سینے اور منہ اور سر اور آنکھوں پر اپنا قدم اکرم رکھیں، اس کی
لذت و نعمت و راحت و برکت میں ابد لا باد تک سرشار اور سرفراز رہے، وہ
فرماتے ہیں:

لان امشی علی جمرة او سیف أحب الی من ان امشی

علی قبر مسلم

بے شک چنگاری یا تلوار پر چلنا مجھے اس سے زیادہ

پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں (رواہ ابن ماجہ)

بسند جید عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اور وہابیہ کو اس کی فکر ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی قبروں پر مکان
بنیں، لوگ چلیں پھریں، قضائے حاجت کریں، بھنگی اپنے ٹوکرے لے کر
چلیں۔ ع

اگر این ست پسند تو نصیبت بادا

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم O واذ قد اخذت
المسئلة حقها من البيان و لتكف عنان القلم O حامدین لله سبحانه
و تعالیٰ علی ما علم و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و
آلہ و اصحابہ و سلم و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل
مجده اتم و حکم عز شانہ احکم

تَمَّتْ

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد ن
المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم

☆☆☆☆☆☆☆☆

ان هذا لهو الحق والحق بالاتباع حق

اس میں جو کچھ بیان ہے سب مطابق احکام شریعت و سلف صالحین
ہے۔ مسلمان ان سب کو تمسک کریں۔ مؤلف علام کو خدائے برتر جزائے خیر
دے اور مقبول خاص و عام کرے اور مجھ کو بھی ثواب سے محروم نہ فرمائے۔

والصلوة والسلام علی خیر الانام و آلہ و اصحابہ الکرام

المذنب المدعو محمد عبد اللہ عفی عنہ

مسائل بالا کہ علمائے دین متین و فضلاء امت (رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وسلم) تحریر و تقریر فرمودند ہمہ حق و راست و درست اند۔ شاکی لہٰذا مردود
و فاسق اند۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

العبد الضعیف الراجی الی رحمة اللطیف

محمد نعیم، پشاورى عفی اللہ عنہ و عن والدیہ والمومنین والمومنات.

امین ثم امین

☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَ مَصْلٰیًا وَ مُسْلِمًا عَلٰی رَسُوْلِهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ وَ

اصحابہ و اولیاء امتہ و متبعیہم اجمعین O

جو کچھ مولانا نے مجیب، جامع المعقول والمنقول، حلال مہمات فروع و اصول مولوی محمد عمر الدین صاحب الحنفی القادری جزاء اللہ تعالیٰ خیر الجزاء نے صورت مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے، وہ سب حق و صواب ہے، جواب لا جواب ہے، پسندیدہ اولی الالباب ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق قبروں کو کھود کر صاف میدان کر دینا اور اس پر مکان وغیرہ بنانا ہرگز درست نہیں، اس کی تحقیق مولانا نے مجیب نے عمدہ طور سے فرمائی ہے، کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ معترضوں کے کل اعتراض نہایت خوش اسلوبی سے اٹھا دیئے ہیں اور منکروں کے سب خدشات دفع کر دیئے ہیں، پھر تحریر مہر و تنویر، فاضل کامل، عالم عامل، محقق علوم عقلیہ، مدقق فنون نقلیہ، قانع اصول مبتدعین، قانع اوہام نجد بین، حامی سنن ماجی فتن، مجدد مائتہ حاضرہ، حجت قاہرہ مولانا الحاج احمد رضا خاں صاحب اداۃ اللہ تعالیٰ فیوضا تہم کی تو منکروں پر بجلی سی کڑک پڑی، رشید گنگوہی کی تحریر پر تزویر کے تو خوب پر نچے اڑائے، ایسا امر کوئی فرو گذاشت نہ ہوا کہ جس کے لکھنے کی کسی کو تکلیف ہو۔ پس فقیر

نے طول دینا مناسب نہ سمجھا، لہذا اختصار سے کام لیا گیا۔ ان فتوؤں کا انکار
بجز گمراہ کے کوئی نہ کرے گا۔ اہلسنت وجماعت کو گمراہوں کی صحبت سے
پرہیز کرنا لازم ہے اور سلام وکلام قطع کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
بالصواب والیہ المرجع والماب حررہ الراجی الی لطف ربہ القوی
عبد النبی الامی السید حیدر شاہ القادری الحنفی تجاوز اللہ تعالیٰ
عن ذنبہ الجلی و الخفی و حفظ عن موحیات الکی و الغی بحرمة
النبی الهاشمی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ واصحابہ
وسلم متوطن کچھ بھوج المعروف بہ پیر بھروالہ پریل بمبئی۔

﴿عبد النبی الامی الحنفی۔ سید حیدر شاہ قلندری﴾



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي رزق الانسان علماً و سماعاً و بصرأ في
الحیات و بعد الممات۔ فالمتی يعرفون الزوار و يسمعون
الاصوات و الصلوة والسلام الايمان الاكملان على من هداانا الى
الصراط المستقيم و قانا بها من نار الجحيم التي اعدت للكافرين
و الماردين من النيا شرة و المكذبين لرب العالمين و المضلين
للشيطان اللعين على علم الاولين و الاخرين صلی اللہ تعالیٰ علیہ
و علی آلہ و اصحابہ و ابنہ و حزبہ اجمعین و علینا بهم یا ارحم
الراحمین ۝ و بعد فلما رأیت جواب ناصر الدین المتین و مولانا
المولوی محمد عمر الدین و جدته موافقاً للسنة دافعاً للفتنة و

نظرت تحریر المولوی رشید احمد الکنگوهی فما هو الا ضلال
 مبین وھتک لحرمة المؤمنین وما رد به علیہ خاتم المحققین
 عمدة المدققین عالم اہل السنة مجدد المائة الحاضرة سیّدی و
 مرشدی و کنزی و دخری لیومی و غدی مولنا المولوی محمد
 احمد رضا خان ایده اللہ لواہب بالفیض والمواہب فلا اجد
 لساناً ثناءً علیہ غیر ان اقول لاشک انه الصدق الصراح و الحق
 القراح فجزاہم اللہ خیر الجزاء عن الاسلام والمسلمین بحرمة
 سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واللہ تعالیٰ اعلم
 بالصواب و عنده ام الكتاب قالہ بفمہ و رّقمہ بقلمہ محمد
 المدعو بظفر الدین محمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی
 الرضوی المجددی البھاروی العظیم ابادی۔
 ﴿محمدی سنی حنفی قادری ابو البرکات محمد ظفر الدین﴾





مجموعہ رسائلِ اعلیٰ حضرت

إِنْبَاءُ الْمُصْطَفَى بِعَالِ سِرِّ وَأَخْفَى

حُضُورُ الْأَسْلَامِ لَا صَوْلَ الرَّسُولِ الْكَرِيمِ

صَلَاةُ الصَّغَاءِ فِي نَوْرِ الْمُصْطَفَى ●

حُضُورِ پُر نور
کے
علم شریف کا بیات

حُضُورِ کے والدین
آبا و اجداد کے
ہونے کی تشریح ہے

اس سائے میں
حُضُورِ کے نور
ہونے کی تشریح ہے

مِنْهُ أُنْبِئُهُ بِوَصُولِ الْحَبِيبِ إِلَى الْعَرْشِ وَالْعَرْشِ

نَفْسُ الْفَرْدِ عَنْ تَأْخَرِ بَنُوهُ كُلِّ شَيْءٍ

أَنُورُ الْإِنْبِئَةِ فِي حَقِّ نَدَاءِ رَسُولِ اللَّهِ

حضور پر نور عشرت پر
تشریف لے گئے
اور دیدارِ الہی سے بے قید
بہت و مکانِ ستفید ہوئے

حُضُورِ پُر نور
کے سایہ نہ
ہونے کا بیان

حضور پر نور کو یا رسول اللہ
کہہ کر پکارنا اور آپ سے
مدد طلب کرنا جائز ہے

بِلَوْنِ الْأَنْوَارِ

لَمَعِ النِّجَامِ فِي نَفْسِ الطَّلَعِ عَنْ مَهْدِ الْأَنَامِ

بِهِجْ السَّلَاةِ فِي حَكْمِ تَطْيِيلِ الْإِنْبَاءِ مِنْ فِي الْأَلَامِ

بزرگانِ دین کے
تبرکات کا اسلام
میں کیا مقام ہے

حضور کے بعض
قصائد کا تذکرہ
اور سایہ نہ ہونے کا ذکر

اذانے واقامت
میں سے انگوٹھے
چومنے کا بیات

أَبْرَ الْمَقَالِ

بِرَّكَاتِ الْإِسْلَامِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ

فِي الْأَرْوَاحِ لِتَهَارِ جَمْعِ نَفْسِ الْوَرَوَاحِ

علماء کرام و اولیاء عظام
کے تبرکات اور آستانوں
کا بوسہ دینے کا بیان

خدا کے بندگان
خاص سے
مدد طلب کرنا

مؤمنین کی رُو میں
اپنے گھروں میں
آتی ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْمَشْأَةُ الْقَائِمَةُ

احکامِ قبور
مؤمنین

دینِ معین کر کے مُردے
کی فاتحہ اور اس کو
ایصالِ ثواب جائز ہے

اولسی
بک سیٹل
0333-8173630